ہر قسم کی کتابیں بارعایت ملنے کا پتہ:- منشی محمد عبدالعزیز تاجر کتب محلہ سادھواں۔ لاہور

اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَّاِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا

صنمخانۂ عشق

سنہ ۱۳۴۰ھ

تصنیف لطیف اُستاذ الاساتذہ ملک الشعرا مفتی منشی امیر احمد امیر مینائی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

اُستادِ نواب خلد آشیان والی ریاستِ رامپور

حسب فرمائش

منشی محمد عبدالعزیز صاحب تاجر کتب لاہور

سنہ ۱۳۴۰ھ

پنجابی پریس لاہور میں

چھپا

Allama Iqbal Library
46587
J. & K. UNIVERSITY LIB.
Acc No 46587
Date 5-7-63
ST 01
RO

صنمخانہ عشق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ آفتاب ہے گرم اُسکی کبریائی کا
کہ ذرّہ ذرّہ ہے آئینہ خودنمائی کا

پُکارتا ہے یہ انداز و ناز توبہ شکن
کہ آئے وہ جسے دعویٰ ہو پارسائی کا

زمانے بھر کے حسین کیوں نہ جان دیں اُسپر
چلن اُسی سے تو سیکھا ہے دلربائی کا

دکھا کے تیغ وہ ناآشنا یہ کہتا ہے
یہ گھاٹ ہے مرے دریائے آشنائی کا

دراز عمر ہو مشاطۂ تصور کی
مزہ وصال کا دیتا ہے غم جُدائی کا

فقیر اُسکی گلی کا ہوں میں عجب کیا ہے
جو تاج شاہ ہو کاسہ مری گدائی کا

پسند ہے اُسے چوکھٹ پر اپنی سجدۂ عجز
ستارہ اوج پہ ہے داغ جبہ سائی کا

یہ کسکی راہ میں کھوئے گئے کہ ہمسے خضرؑ
طریق پوچھتے ہیں آگے رہنمائی کا

حیا تو یہ کہ ہے ستّر ہزار پردوں میں
مگر ہے شوق اُسے عالم آشنائی کا

سمجھ رہا ہے جسے حشر و نشر تو زاہد
کرشمہ وہ بھی ہے ایک اُسکی خوش ادائی کا

رسائی کچھ نہیں دشوار بام تک اُسکے
لگائیں زینہ جو اقرار نارسائی کا

چلوں جو دیر کو میں توڑ کر بت پندار
توغل مُتبتل میں ہو اللہ کی دُہائی کا

طریقِ عشق میں گم ہو کے پہنچے منزل پر
رہِ طلب میں ادب ہی سے سرفرازی ہے
خدا خدا جو کرے اور خودی کا دم بھی بھرے
جو بندہ ہے تو مزہ بندگی میں پیدا کر

نیا یہ راستہ سوجھا ہمیں رسائی کا
مزہ کلیمؑ سے پوچھو برہنہ پائی کا
بڑا فریبی ہے جھوٹا ہے وہ خدائی کا
نہیں وہ بندہ جسے ذوق ہو رہائی کا

بشر سے حمدِ الٰہی امیرؔ کیا ممکن
پہاڑ اُٹھائے کہاں حوصلہ یہ رائی کا

سکہ رائج جب سے دینِ مصطفےٰؐ کا ہو گیا
غلغلہ ساری خدائی میں خدا کا ہو گیا

جب سے دل دیوانہ محبوبِ خدا کا ہو گیا
مصطفےٰ اُسکے ہوئے وہ مصطفےٰ کا ہو گیا

حشر میں نیچے لوائے حمد کے پائی جگہ
ظلِ رحمت سایہ اُس زلفِ رسا کا ہو گیا

چارہ سازی درحقیقت کی تو نامِ پاک نے
نام اطبا کا ہوا شہرہ دوا کا ہو گیا

اولِ بعثت میں ختم الانبیا پایا لقب
رتبہ حاصل ابتدا میں انتہا کا ہو گیا

جب پے گلگشت باغوں میں مدینے کے چلی
پھولوں کی ڈالی وہیں دامن صبا کا ہو گیا

یادِ لب میں ہجر نے دی وصل کی لذت مجھے
زہرِ قاتل میں اثر آبِ بقا کا ہو گیا

موم پتھر کو یہ اُس فخرِ سلیمانؑ نے کیا
حلقۂ خاتم نگینِ نقشِ پا کا ہو گیا

شربتِ دیدار نے اچھی دوا دی وقتِ نزع
خوب بیڑا پار اِس دردآشنا کا ہو گیا

طوقِ دینِ مصطفےٰ کا جس کی گردن میں پڑا
قید سے آزاد وہ بندہ خدا کا ہو گیا

جزوِ ایمان کہہ کے کیا رتبہ بڑھایا آپ نے
چشمِ حورانِ جنان میں گھر حیا کا ہو گیا

چار بالش پر حکومت کی کیا جس دن جلوس
حاکم آب و آتش و خاک و ہوا کا ہو گیا

چودھویں کا چاند دکھلا کر یہ کہتا ہے فلک
لو شبیہہ پاک کا تیار خاکا ہو گیا

رحمتِ حق کیوں نہ ہو نازل محب پر آپ کے
آشنا ہے آشنا جو آشنا کا ہو گیا

روح نے جلوہ جو دیکھا آپ کا قندیلِ عرش
آشیانہ اُس گرفتارِ بلا کا ہو گیا

خاتمہ جب ہو گیا بالخیر تو سمجھا یہ میں
ختم مجھ پر لطف ختم الانبیا کا ہو گیا

التجا پر امّتِ عاصی کی جب آمین کہی
بول بالا اِن غریبوں کی دعا کا ہو گیا

دونوں رخساروں کی مدحت میں ہوا موزوں جو شعر
ترجمہ شمس الضحٰی بدر الدجیٰ کا ہو گیا

نعت میں ہم نے جو لکھا ایک پرچہ بھی امیر
مل گئی دولت وہ نسخہ کیمیا کا ہو گیا

حسنِ مطلق کا ازل کے دن سے میں دیوانہ تھا
لامکاں کہتے ہیں جس کو وہ مرا کاشانہ تھا

دل کا عالم جان کا مالک غمِ جانانہ تھا
میہماں جس کو میں سمجھا تھا وہ صاحب خانہ تھا

بے تعلق کیا ہمیں اُس کے تصور نے کیا
جب جھکایا سر گریباں اپنا خلوت خانہ تھا

باغِ عالم کا تماشا باعثِ غفلت ہوا
دیکھنا آنکھوں کا کانوں کیلیے افسانہ تھا

شکر صد شکر اُس حسین کے نور سے روشن ہے دل
شمعِ رُخ پر جسکے جبریلِ امین پروانہ تھا

اِس قدر اُس کے تصور نے ستایا ہے مجھے
شبہ ہوتا ہے کہ ہستی میں کبھی تھا یا نہ تھا

کیا ہوا انکار اگر اصرارِ موسیٰ پر ہوا
یہ کمالِ شوق تھا وہ نازِ معشوقانہ تھا

گل سراپا گوش بنتے کیوں نہ سننے کے لیے
چہچہے بلبل کے گلشن میں ترا افسانہ تھا

دار پہ چڑھ کر انا الحق جو کہا منصور نے
وہ بھی اِک تیرا کرشمہ ہمتِ مردانہ تھا

ہم غلط فہمی سے سمجھے قتل کرنے کو عتاب
اور وہاں اک چھیڑ تھی اک نازِ معشوقانہ تھا

سن لیے دو حرف جسنے ہو گیا مستِ عشق
چشمِ افسوں ساز کا افسوں مرا افسانہ تھا

غنا کی مجلس میں بھی آئے تو یوں مستانِ عشق
مے کی بوتل تھی بغل میں ہاتھ میں پیمانہ تھا

جھمگھٹے لیلیٰ وشوں کے دیکھنے سے شہر میں
جا کے جنگل میں بسا مجنوں بڑا دیوانہ تھا

وصل ہوتا کس طرح خلوت کہاں تھی رات کو
پھول تھی نرگس کے رکھے شمع تھی پروانہ تھا

مزرعِ عالم میں مجھ سا سوختہ قسمت کہاں
جل گیا قسمت کا میری کھیت میں جو دانہ تھا

دیر کی تکفیر کر اتنی نہ اے شیخِ حرم
آج کعبہ بن گیا کل تک یہی بت خانہ تھا

آزما دیکھا اُسے سو بار ہم نے اے امیر
آشنا سے آشنا بیگانے سے بیگانہ تھا

میں پرانا مست ہوں جنت مرا کاشانہ تھا
حوضِ ساقی چشمۂ کوثر مرا پیمانہ تھا

موسمِ گل میں چمن کیسا پری میخانہ تھا
پھول جو تھا وہ کسی محبوب کا پیمانہ تھا

پھول بھی تھے پھل بھی تھے اُس سرزمیں کیا نہ تھا
آج ہے ویران کبھی آباد ہر ویرانہ تھا

ہائے کیا دن تھے کہ دورِ بادۂ و پیمانہ تھا
بادشاہوں کا جلوخانہ در میخانہ تھا

دی گئی منصور کو سولی ادب کے ترک پر
تھا انا الحق حق مگر اک حرفِ گستاخانہ تھا

میں تڑپ کر کیوں لگاتا نازبرداری ہے داغ
رُک کے خنجر پھیرنا تو نازِ معشوقانہ تھا

پھول جس گھر میں چُنے جاتے تھے اب ہوتے ہیں پھول
آج وہ ماتم سرا ہے کل جو عشرت خانہ تھا

یار اُدھر بدمست ہیں بیخود تکلف برطرف
ایسی صحبت میں جو آتا ہوش کیا دیوانہ تھا

نیند کے جھونکے چلے آتے تھے کیوں ہنگامِ ذبح
تیغِ قاتل کی زباں پر کون سا افسانہ تھا

حسنِ خطِ سبز نے کیسا مجھے دھوکا دیا
میں نہ سمجھا کچھ یہ سبزہ سبزۂ بیگانہ تھا

آج جس دل کا کوئی گاہک نہیں کل تک یہی
حور کا آئینہ تھا زلفِ پری کا شانہ تھا

بیٹھے بیٹھے حکم دے بیٹھے وہ قتلِ عام کا
جب کہا یہ کیا تو بولے نازِ معشوقانہ تھا

کہتے ہیں فرہاد و شیریں کا سنا کل ہم نے حال
خاک پتھر تھا مزہ پھیکا سا اک افسانہ تھا

گور میں آکر ہوا کوئی نہ غربت میں شریک
جو یگانہ تھا جھپکتے ہی پلک بیگانہ تھا

پوچھتا پھرتا ہے غم اُس کا مرے سینے میں اب
کیا ہوا وہ جو یہاں دل نام اک ویرانہ تھا

حال میرا سُن کے وہ بولے کہ جی دُکھنے لگا
ہائے کس کمبخت کا کس درد کا افسانہ تھا

تڑپنے ہی میں شمعیں تیری محفل کی رہیں
گو پروں سے پنکھیا جھلتا ہر اک پروانہ تھا

واں نگاہیں تیز تیز اور یاں نظیریں آہیں درد خیز
وصل کی شب اُس طرف افسوں اِدھر افسانہ تھا

جامِ جم کو دیکھتے ہی میں نے پہچانا امیر

میرے ہی میخانے کا چھوٹا سا اک پیمانہ تھا

آنکھوں میں نور تیرا دل میں سرور تیرا
دروازے سے ہے گھر تک سارا ظہور تیرا

جنت میں بھی ہے چرچا اے رشکِ حور تیرا
شہرہ ہے اللہ اللہ اب دور دور تیرا

تو مہر تیرے آگے سب قطرہائے شبنم
ان کا کہاں ٹھکانا جب ہو ظہور تیرا

اے چشمِ شوق وہ تو ہر رنگ میں ہے ظاہر
اب بھی جو تو نہ دیکھے تو ہے قصور تیرا

میں آئنہ ہوں تیرا تو آئنہ ہے میرا
تجھ میں ظہور میرا مجھ میں ظہور تیرا

مدہوشِ عشق ہو کر جا بزمِ معرفت میں
پردہ نہ بیچ میں ہو غافل شعور تیرا

ہے بیخودی ہی جس سے ہوتا ہے قرب حاصل
غائب جو آپ سے ہو پائے حضور تیرا

خورشید و ماہ سب میں جلوے تیرے ہیں لیکن
ایسی کہاں ہیں آنکھیں دیکھیں جو نور تیرا

اے دل جو اسکے غم کو تجھ میں جگہ ملی ہے
رکھا ہے نام ہم نے دار السرور تیرا

نادان امیر ناحق امیدوار ہے تو
دل لیکے پھیر دے گا وہ اب ضرور تیرا

نہ شوقِ وصل کا موقع نہ ذوقِ آشنائی کا
میں اک ناچیز بندہ اور اسے دعویٰ خدائیکا

پڑا صد شکر جو داغ اپنے سینے میں جدائی کا
ستارا بن گیا آخر وہ صبح آشنائیکا

درازی دھیان میں آتی ہے کب روزِ قیامت کی
کہ اک پیوند ہے پیراہنِ روزِ جدائیکا

بنے جو موج اپنے بحرِ خوں میں حلقہ اے قاتل
الٰہی ہو وہ چھلا تیری انگشتِ حنائیکا

نوید وصل عاشق کے لیئے ہے صدمۂ فرقت
ابھرنا بیٹھ جانا ہے محیطِ آشنائیکا

جلاتا کیوں ہے اے دل مجھکو شوقِ وصل بھڑکا کر
ارے اس آگ سے تو پھونک دے پردہ جدائیکا

الٰہی کون سے مجرم کی آمد ہے قیامت میں
ہوا ہے حکم رحمت کو یہ کس کی پیشوائیکا

ہدف دل کو بناتے ہیں جو کچھ کہیے تو کہتے ہیں
سکھاتے ہیں چلن تیروں کو اپنے دلربائیکا

پہنچکر یار تک بیخود ہوئے پہنچے نہ مطلب کو
رسائی نے دیا کیا داغ ہمکو نارسائیکا

قدم تیرا جہاں پڑتا ہے بو منہدی کی آتی ہے
ترے نقشِ قدم میں رنگ ہے پائے حنائیکا

شبِ وصلت نزاکت اُنکی شوقِ وصل سے بولی
ترس کھا مجھ پہ ظالم وقت ہے بیدستوپائیکا

وفا منظور اسکو بھی نہیں ہے اُسکی فرقت میں
سبق پڑھنے چلی ہے عمر اُس سے بیوفائیکا

تمھیں تم آئنہ خانے میں ہو چاروں طرف دیکھو
کہو جی اب بھی کچھ ارمان نکلا خود نمائیکا

لپٹ کر سینکڑوں کالی بلائیں بوسے لیتی ہیں
انہیں باتوں سے منہ کالا ہی شبہائے جدائیکا

سر اُسکے پاؤں پر رکھیئے بنائے ہیں یہ بُت جسنے
مزہ ہے خاک پتھر پائے بت پر جبہ سائیکا

بہت ہی بھر گیا ہے عمر کا پیمانہ اب چھلکا
چراغ اِک جھلملاتا سا ہے بزمِ آشنائیکا

قفس میں ہوں مگر سارا چمن آنکھوں کے آگے ہے
رہائی کے برابر اب تصوّر ہے رہائیکا

نہیں ممکن ہے سونا ہجر میں نیند آ نہیں سکتی
طلایہ پھر رہا ہے آنکھ میں طوقِ طلائیکا

امیرِ خستہ جان آفت میں ہے یا حیدرِ صفدر
کرو امداد اسکی وقت ہے مشکلکشائی کا

ترے بندو نسے کرتے ہیں بت دعویٰ خدائیکا
تماشا دیکھتا ہوں تیری شانِ کبریائیکا

دکھایا مہر نے جلوہ جو اُن کو خود نمائیکا
تو بولے چور ہے تو بھی مرے رنگِ طلائیکا

لچکتی ہے جو شاخِ گل ہوا میں اس غیرت سے مرتا ہوں
کہاں دیکھا لچکنا اسنے اُس نازک کلائیکا

نئی وضع اُسنے مقتل میں دکھائی نیمجانوں کو
لگایا بانکپن پر اور طرّہ کج ادائیکا

نیا افسانہ کہہ واعظ تو شاید گرم ہو مجلس
قیامت تو پُرانا حال ہے روزِ جُدائیکا

نہ پہنچے ہائے بے بال و پری سے شاخِ گل تک بھی
چمن سے لیچلے ہم پھول داغِ نارسائیکا

خدا کی شان ہے ترسا کریں ہم دیکھنے والے
مزہ آئینہ لوٹے یار تیری خود نمائیکا

رُلایا حسرتِ پابوس میں مجھکو لہو برسوں
تصور رنگ لایا کیا ترے پائے حنائیکا

نزاکت دیکھنا رنگِ حنا سے وہ یہ کہتے ہے
کہ تجھ پر خون ہے ظالم مری نازک کلائیکا

کہا جب وصل میں میں نے کہ آنکھوں سے اڑیں آنکھیں
تو بولے ہاں ابھی ارمان باقی ہے لڑائیکا

کیا رسوائے عالم چھپ کے پردے میں مجھے تو نے
تری عصمت کے سر پر خون میری پارسائی کا

کہیں کالا نہ ہو خورشید محشر بھی نہ ہو جائے
بہا ہے پھیل کر کاجل مری شام جدائی کا

اُسے دیکھا جو آتے نزع میں اُمید بول اُٹھی
کہ دیکھو رو کئے والا وہ آیا میری آئی کا

ہزار آئینے آئیں روبرو آنکھیں نہ کھولیں ہم
پسند آتا نہیں ہم کو یہ شیوہ خود نمائی کا

کف ہمت ہے مثل مہر دل ہے بادشاہ اپنا
ہلال آسماں ناخن نہیں کاسہ گدائی کا

یہ کودک طبع کیا جانیں کہ میں جوہر معلم ہوں
پڑا ہے چہرۂ نیکی پہ پردہ بد نمائی کا

سیہ بختی نے پہنچایا ہے مجھ کو اہل بینش تک
گزر آنکھوں میں سرمے کی بدولت ہے سلائی کا

ہوا ظاہر یہ ہندو کی جبیں پر دیکھ کر ٹیکا
کہ ہے کافر کو بھی داغ اُسکے در کی جبہ سائی کا

امیر اک بات بھی واعظ نہیں کہتا خدا لگتی
خدا جانے بکا کرتا ہے کیا جھوٹا خدائی کا

لئے ہے آفتاب حشر بھی کاسہ گدائی کا
ستارہ خوب ہی چمکا ترے رنگ طلائی کا

یہ شکوہ بیوفائی کا یہ رونا کج ادائی کا
سزا ہے دل لگانے کی مزہ ہے آشنائی کا

بُرا ہو ہائے اس عمر رواں کی بیوفائی کا
نہ راتیں وصل کی دیکھیں نہ دن ہم نے جدائی کا

خدا نے ان بتوں کو کچھ نئی طینت عنایت کی
خمیر ان کا بنا ہے کھچ کے جوہر بیوفائی کا

کنیز و اگر اُسی کے تاج بنوائے سلاطین نے
کوئی ٹکڑا جو ہاتھ آیا مرے دلق گدائی کا

ہوا تیغ ادا سے دل دو نیم اپنا تو سمجھے ہم
دو ورقہ ہاتھ آیا یہ کتاب آشنائی کا

کرے کوئی جہاں میں مجھ سے بڑھ کر بندگی تیری
تعجب کیا ہے اے بت کارخانہ ہے خدائی کا

بخوبی جنس کج کر لے جنس کی بازار ہستی میں
فریب ان جو فروشوں سے نہ کھا گندم نمائی کا

پھنسا اگر حلقۂ گیسو میں میرے دل کو کہتے ہیں
اسی زندان میں رہتا ہے گنہگار آشنائی کا

دیا بے مانگے بوسہ میں نے پھر مانگا تو وہ بولے
نہیں چھٹتا ہے پڑ جاتا ہے جب لپکا گدائی کا

اکیلا ہم کو تکیے میں سلا کر چل دیے یارو
بڑا ہم کو بھروسا تھا تمہاری آشنائی کا

ترقی پر کسی کی شوخیاں ہیں خیر ہو یا رب
حیا کی جان کا دشمن ہے پکا خود نمائی کا

حیا کو چھیڑتی ہیں شوخیاں چلاتی ہے عصمت
کہ اب اُٹھتا ہے اب اُٹھتا ہے پردہ پارسائی کا

عروسِ مرگ آئی مجھ سے ہم آغوش ہونے کو
ہوا مشاطگی پیشہ مری شامِ جدائی کا

پڑی ہیں حسرتیں مُردہ جلا دے اُنکو اے عیسیٰ
ذرا ہم بھی تو دیکھیں کھیل قدرت آزمائی کا

بہار آتی ہے اَب عصمت کا پردہ فاش ہوتا ہے
جنوں کا ہاتھ ہے آج اور دامن پارسائی کا

گرے سجدہ میں جب چوکھٹ پر اُسکی چوم لی چوکھٹ
بڑھایا لیکے بوسے ہم نے رتبہ جبہ سائی کا

مجھے اے سیمتن یہ ضعف سے چکر نہیں آتا
نگاہیں طوف کرتی ہیں ترے طوقِ طلائی کا

یہ کس بیدرد نے دستِ نگاریں خواب میں چوما
کہ فریادی ہے اب تک نیل اُس نازک کلائی کا

امیر اس خرقہ و عمامہ کو تم رہنِ مے کردو
ابھی تم پر نہیں پھبتا ہے جامہ پارسائی کا

اِن شوخ حسینوں پہ جو مائل نہیں ہوتا
کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا

کچھ وصل کے وعدے سے بھی حاصل نہیں ہوتا
خوش اب تو خوشی سے بھی مرا دل نہیں ہوتا

گردن تنِ بسمل سے جُدا ہو گئی کب کی
گردن سے جدا خنجرِ قاتل نہیں ہوتا

دنیا میں پریزاد دیے خُلد میں حوریں
بندوں سے وہ اپنے کبھی غافل نہیں ہوتا

بسمل تو ہوئے سیکڑوں ہی سرد تڑپ کر
ٹھنڈا مرے قاتل کا مگر دل نہیں ہوتا

دھبّا نہیں دیتا ہے لہو حسرتِ دل کا
اس خُون سے تر دامنِ قاتل نہیں ہوتا

دل مجھ سے لیا ہے تو ذرا بولیے ہنسیے
چٹکی میں مسلنے کے لیے دل نہیں ہوتا

دیوانہ ہے دنیا میں جو دیوانہ نہیں ہے
عاقل وہی ہوتا ہے جو عاقل نہیں ہوتا

کہتے ہیں ہم آئینہ میں حُسن اپنا نہ دیکھیں
اچھی کہی معشوقوں کے کیا دل نہیں ہوتا

تم کو تو میں کہتا نہیں کچھ حضرتِ ناصح
پر جس کو ہو ٹیک ایسی وہ عاقل نہیں ہوتا

پہلو میں اُٹھ نہیں غیر کے بیچین ہی کردے
اتنا بھی تو تجھ سے تپشِ دل نہیں ہوتا

غم گشتگیوں نے وہ مزا مجھ کو دیا ہے
عاشق کے بہل جانے کو اتنا بھی ہے کافی
کہتے ہیں دم ذبح وہ رک رک کوئی پوچھے
فریاد کروں دل کے ستانے کی اُسی سے
اُٹھنے کو کہے کوئی تو بنجاتی ہے جی پر
فریاد بھی کرتا ہوں تو اللہ سے اپنے
انداز کسی کان کی بجلی کا اڑا لے
مرنے کی بتوں پر یہ ہوئی مشق کہ مرنا
دلداریوں کو آئیں حسین چار طرف سے
جس بزم میں رخ سے اُٹھا دیتے ہیں پردہ
کہتے ہیں کہ دل ہیکلے تڑپتے ہیں جو عاشق

اب مُنہ بھی کبھی جانب منزل نہیں ہوتا
غم دل کا تو ہوتا ہے اگر دل نہیں ہوتا
اس ناز سے ناراض تو بسمل نہیں ہوتا
راضی مگر اس پر بھی میرا دل نہیں ہوتا
اُس بزم میں جانا مجھے مشکل نہیں ہوتا
اُس در کے سوا میں کہیں سائل نہیں ہوتا
یہ حُسن تڑپ میں تری اے دل نہیں ہوتا
سب کہتے ہیں مشکل مجھے مشکل نہیں ہوتا
پرپائے ستم ایک طرف دل نہیں ہوتا
پروانہ وہاں شمع پہ مائل نہیں ہوتا
ہوتا ہے کہاں درد اگر دل نہیں ہوتا

یہ شعر وہ فن ہے کہ امیر اس کو جو برتو
حاصل یہی ہوتا ہے کہ حاصل نہیں ہوتا

خضر رہ مقصود اگر دل نہیں ہوتا
برسوں سے تڑپتا ہوں میں بسمل نہیں ہوتا
جھٹکے دئے موباف کے کوڑے بھی لگائے
زخموں کی ہنسی پر بھی نہیں آتی ہے غیرت
آتا ہے جو کچھ منہ میں وہ کہہ جاتا ہے واعظ
کیا سحر ہے اُس بت کی نظر میں بھی الٰہی
رک رک کے نہ خود پھیرتے ہیں حلق پہ خنجر
آئینے کو بھی روک دیا ہے کہ نہ آئے

منزل کا پتہ سینکڑوں منزل نہیں ہوتا
اتنا سا مرا کام بھی قاتل نہیں ہوتا
گیسو سے کسی طرح جُدا دل نہیں ہوتا
پورا کوئی وار اے مرے قاتل نہیں ہوتا
اور اُس پہ یہ طرّہ ہے کہ قائل نہیں ہوتا
جب تک وہ اِدھر آئے یہاں دل نہیں ہوتا
اور مجھ سے شکایت ہے کہ بسمل نہیں ہوتا
اب آپ بھی وہ اپنے مقابل نہیں ہوتا

راحت کا نکلتا نہیں اُس کی کوئی پہلو
مایوس بھی کمبخت مرا دل نہیں ہوتا

اُڑتا بھی ہوا سے ہے تو اُڑتا ہے اُدھر ہی
لیلیٰ سے الگ پردۂ محمل نہیں ہوتا

دریائے محبّت سے جو پار اُتریں وہ جا نہیں
ہوتا ہے خدا جانے کہ ساحل نہیں ہوتا

تیر اُس نے لگایا وہ پڑا آ کے جگر پر
بچپن ہے وہ کیا جانے اِدھر دل نہیں ہوتا

جو لُطف ہے آزارِ محبّت میں وہ مجھ کو
عیسیٰ بھی کرے پیار تو حاصل نہیں ہوتا

بولے یہ خضرؑ پار اُترنے کو جو پوچھا
دریائے محبّت کا تو ساحل نہیں ہوتا

وہ ہم ہیں کہ زندہ ہیں اور اس کوچے میں پہنچے
بے موت کوئی خُلد میں داخل نہیں ہوتا

جب دردِ محبت میں یہ لذّت ہے تو یارب
ہر عضو میں ہر جوڑ میں کیوں دل نہیں ہوتا

شرم اُسکی مجھے مانعِ دیدار نہیں ہے
نازک سا یہ پردہ ہے کہ حائل نہیں ہوتا

ٹکڑے بھی ہے گل خون میں ڈوبا بھی ہے لیکن
اب بھی دلِ عاشق کے مقابل نہیں ہوتا

حسرت سے اِدھر اور اُدھر دیکھ رہا ہے
بھوکا ترے دیدار کا سائل نہیں ہوتا

تُم اور کوئی کام امیرؔ اس کو سکھاؤ
تڑپا ہے تڑپنے کے لیے دل نہیں ہوتا

غم نہیں جی تن سے نکلا دل گیا
مل گئے تم مجھ کو سب کچھ مل گیا

بولے وہ سینے پہ میرے رکھکے ہاتھ
کہیے اب تو اضطرابِ دل گیا

اے نگاہِ یاس تیرا ہو بُرا
گھر تلک روتا ہوا قاتل گیا

تیغِ قاتل ہے اسے بادِ بہار
جب چلی وہ غنچۂ دل کھِل گیا

کوچۂ گیسو نہ ہاتھ آیا مجھے
کالے کوسوں سیکڑوں منزل گیا

مٹ گیا کاجل کا تل اصلاح میں
مصحفِ عارض کا نقطہ چھل گیا

آ بنی دم پر جہاں بگڑے حضور
لب ہلائے آپ نے دل ہل گیا

مرحلے طے کنجِ عزلت میں کیے
بیٹھے بیٹھے سیکڑوں منزل گیا

برہمن کو بت مجھے تو اے صنم
جمع ہیں سینے میں پیکان تیر کے

جسنے جو مانگا خدا سے مل گیا
سیکڑوں دل ہیں اگر اک دل گیا

حل میرے مشکلکشا نے کی امیر
لیکے کیسی ہی کوئی مشکل گیا

داغ غم روز ازل ہی مل گیا
کوچۂ قاتل میں اپنا دل گیا
خواب میں آنکھیں جو تلووں سے ملیں
اُٹھ کے جا بیٹھا جو اُن کے پاس میں
مسکرانے میں کھلا کیا وہ دہن
ہڈیوں کی چاٹ پاتے ہی ہما
آئی جب صحرا میں خوش چشموں کی یاد
پھونکدیتی کیوں نہ پروانے کو شمع
مانگنے پر بوسے کے کاٹی زبان
اُس کا رُخ پھرتے ہی آنکھیں پھیردیں
کیا مِلا مجھ کو مِلا کر خاک میں

تن میں جان آنے سے پہلے دل گیا
خاک میں ملنے کا رستہ مل گیا
بولے اُف اُف پاؤں میرا چھل گیا
بولے کچھ مل بیٹھنے سے مل گیا
غنچۂ تصویر گویا کھِل گیا
کیا سگِ محبوب سے ہِل مِل گیا
سامنے نرگس کا تختہ کھِل گیا
پیار کرنے کو سرِ محفل گیا
اب دعا دینے سے بھی سائل گیا
لو اُدھر قاتل ادھر بسمل گیا
ہاں لقب عاشق کُشی کا مل گیا

وائے قسمت غافل آیا میں امیر
عُمر بھر غافل رہا غافل گیا

دامنوں کا نہ پتہ ہے نہ گریبانوں کا
گھر ہے اللہ کا گھر بے سروسامانوں کا
خاطرِ رنج وغم وددر سے فرصت ہی نہیں
کب کسی اور کی جم سکتی ہے اس پر پڑی

حشر کہتے ہیں جسے شہر ہے عریانوں کا
پاسبانوں کا یہاں کام نہ دربانوں کا
میزبان ہو کے ہوا میں انہیں مہمانوں کا
توسنِ ناز ہے خوکردہ تری رانوں کا

گورِ کسریٰ و فریدوں پہ جو پہنچوں پوچھوں
تم یہاں سوتے ہو کیا حال ہے ایوانوں کا

اُنکے حکموں کی ہو تعمیل کہاں تک مجھ سے
ڈھیر سقّوں کا ہے انبار ہے پروانوں کا

کون گُل چہرۂ رنگین کا نہیں دیوانہ
باغ غنچہ ہے ترے چاک گریبانوں کا

قحط روزی یہ جہاں میں ہے کہ کہتے ہیں ہنود
رمضان خوب مہینا ہے مسلمانوں کا

کیا لکھیں یار کو نامہ کہ نقاہت سے یہاں
فاصلہ خامہ و کاغذ میں ہے میدانوں کا

دل یہ سمجھا جو ترے بالوں کا جوڑا دیکھا
ہے شکنجے میں یہ مجموعہ پریشانوں کا

مانعِ بادہ کشی مجھ کو ہیں ناحق واعظ
خرچ کیا ہوتا ہے ان خلق کے دربانوں کا

سبزہ خط نے گھٹا دی ترے عارض کی بہار
تھا جو لالے کا چمن کھیت ہے اب دھانوں کا

حشر میں قفل بھی رضوان نے نہ کھولا تھا ابھی
جا پڑا خُلد میں ڈاکا مرے ارمانوں کا

سو جبیں دریا میں جو اُٹھتی ہوئی دیکھیں سمجھا
یہ بھی مجمع ہے ترے چاک گریبانوں کا

سُننے والوں کے نہ کسطرح پھنسیں طائرِ دل
دام صیاد کا لچھا ہے تری تانوں کا

عرصۂ ہستی و طولِ شبِ گور و محشر
ابعاد ہے بندہ و رب میں ابھی میدانوں کا

تیر پر تیر لگاتا ہے کماندارِ فلک
خانۂ دل میں ہجوم آج ہے مہمانوں کا

درِ جاناں سے نکل کر میں پھنسا زنداں میں
گرد حلقہ پے انعام ہے دربانوں کا

عشقِ رخسار میں اقبالِ سکندر پایا
آئنہ دست نگر ہے ترے حیرانوں کا

لال موباف صنم گیسوئے شبگوں میں نہ ڈال
خُون ہو جائیگا دو چار مسلمانوں کا

توڑ کر بال و پر اُسکے جو بنایا ہے چنور
ہے ہوا خواہ ہما تیرے مگس رانوں کا

بسملوں کی دمِ رخصت ہے مدارات ضرور
یار بیڑا تیری تلوار میں ہو پانوں کا

آنکھ قاتل کی نہ کیونکر مرے زخموں پہ ہو تر
زہرہ پانی ہوا جاتا ہے نمکدانوں کا

آدمی غیروں کے اغوا نے نہ رکھا اُن کو
کھیل سارا ہے بگاڑا انہیں شیطانوں کا

بیخودی آٹھ پہر گم یہ مجھے رکھتی ہے
دن کو شب رات کو ہوں خواب نگہبانوں کا

میرے اعضا نے پھنسایا ہی مجھے عصیاں میں
شکوہ آنکھوں کا کروں یا میں گلہ کانوں کا

قدرداں چاہیے دیوان ہمارا ہے امیر
منتخب مصحفی و میر کے دیوانوں کا

تابع دین کبھی دولت پہ نہ شیدا ہوگا
پیرو شیر خدا کیا سگ دنیا ہوگا

یہی کاہش ہے تو کیسا تن لاغر کا پتا
آج ہے موئے کمر کل پر عنقا ہوگا

معرفت کے لیے ہے ترک تعلق لازم
خوب سمجھے گا وہ تنہا کو جو تنہا ہوگا

مرگ کے بعد ہے بیدار دلوں کو آرام
نیند بھر کر وہی سوئے گا جو جاگا ہوگا

ٹکڑے ٹکڑے نہیں بیوجہ مرا دل ساقی
کوئی شیشہ کسی میخانے میں ٹوٹا ہوگا

ہمنے اندیشۂ پیری میں جوانی کاٹی
رات بھر خوف رہا صبح کو اب کیا ہوگا

دل کو آغاز محبت میں نہ سمجھو تھوڑا
بڑھتے بڑھتے یہی قطرہ کبھی دریا ہوگا

بیوفائی سے تمہاری یہی ہردم ہے خیال
تم جو اپنے نہ ہوئے کون کسی کا ہوگا

یہ نہ ہوگا کہ جگہ دوست کی خالی دیکھوں
دل بھر آئے گا تبھی مے سے جو مینا ہوگا

شہر کو چھوڑ کے کیوں دشت میں وحشی جائیں
خاک اڑاتے جدھر آجائیں گے صحرا ہوگا

کیا ہوا لاش پہ میری جو وہ ہنستا آیا
چھپ کے اغیار سے تنہائی میں رویا ہوگا

عشق مژگاں میں کہاں صورت آرام امیر
نیند اڑ جائیگی بستر پہ جو کانٹا ہوگا

کی جو کچھ عشق نے تاثیر تماشا ہوگا
تیری صورت پہ مری شکل کا دھوکا ہوگا

یہی ساقی کی کدورت ہے جو میرے دل سے
جاے ہے دُرد سے لبریز یہ مینا ہوگا

جانے دے قتل مجھے کرکے نہ غم کر قاتل
تھا جو ہونا وہ ہوا رونے سے اب کیا ہوگا

تو ہی مجھ گم شدہ سے چھٹ کے نہ ہوگا نالاں
اے جرس قافلے کا قافلہ روتا ہوگا

قیس لیلے کے تصور میں ہے لیلی کیسی
اپنے ہی دل کا سویدا کبھی دیکھا ہوگا

بے سبب زلزلہ عالم میں نہیں آتا ہے
کوئی بیتاب تہِ خاک تڑپتا ہوگا

ہجرِ ساقی میں ہے دل چور کروں کیا گلگشت
سبزہ زیرِ کفِ پا ریزۂ مینا ہوگا

دیکھ لے درد جدا ہو نہ دلِ محزوں سے
اور اُلجھے گا یہ بیمار جو تنہا ہوگا

جوشِ سودا کے گھٹانے کی نہ کر فکر اے قیس
بڑھ کے آخر کو یہی طرۂ لیلیٰ ہوگا

وہ جہاں اوج پر آیا یہ چمک اُٹھتے ہیں
پھر فقروں کے مقدر کا ستارا ہوگا

گنجِ قاروں بھی ملا مجھ کو جو اے حرص تو کیا
عمر مفلس کی طرح صرفِ تمنا ہوگا

عشق اُسکے لبِ شیریں سے میں رکھتا ہوں امیر
درد بھی ہوگا مرے دل میں تو میٹھا ہوگا

سرد آہیں جب کسی نے کھینچیں وطن یاد آگیا
چار جھونکے جب چلے ٹھنڈے چمن یاد آگیا

جس جگہ دو گز زمیں پائی کھدی سمجھا میں گور
جب نئی دو چادریں دیکھیں کفن یاد آگیا

تن سے باہر آ کے عصیاں آیا عدم کا رُخ کو
قید سے چھٹ کر مسافر کو وطن یاد آگیا

نزع میں سنگین دلی کا حال شیریں پر کھلا
موت کی سختی اُٹھائی کوہکن یاد آگیا

گور میں بھی ہم نہ بھولے صحبتِ احباب کو
گوشۂ خلوت میں لطفِ انجمن یاد آگیا

کھینچ کر چادر جو پھر تربت پہ میری ڈال دی
سچ بتا کیا تجھ کو اے دزدِ کفن یاد آگیا

جامۂ صد پارۂ گل جب نظر آیا مجھے
سو جگہ سے چاک اپنا پیرہن یاد آگیا

رہ گیا اپنے گلے میں ڈال کر باہیں غریب
عید کے دن جس کو غربت میں وطن یاد آگیا

شاعروں میں تھی سخن سازی بہت پیارے امیر
رہ گئے مُنہ کھول کر جب وہ دہن یاد آگیا

روبرو آئینے کے تو جو مری جان ہوگا
آئینہ ایک طرف عکس بھی حیران ہوگا

آشنا جام سے جس دن لبِ جاناں ہوگا
ساقیا روح پہ جمشید کی احسان ہوگا

رنگِ اخفائے محبت جو نمایاں ہوگا
درد پہلو کی طرح داغ بھی پنہاں ہوگا

ہوں وہ دیوانہ مرے ہاتھ میں روز محشر
عوض نامۂ اعمال گریبان ہوگا

غنچۂ گل کو تو سو بار شگفتہ دیکھا
غنچۂ دل بھی الٰہی کبھی خندان ہوگا

اے جوانی یہ ترے دم کے ہیں سارے جھگڑے
تو نہ ہوگی تو نہ یہ دل نہ یہ ارمان ہوگا

خواہش وصل تو کیونکر کہوں لیکن ناصح
دیکھ لینے کا تو حضرت کو بھی ارمان ہوگا

اک پری رو نے ہماری یہ بنائی صورت
سیکڑوں پریوں میں کیا حال سلیمانؑ ہوگا

دست وحشت تو سلامت ہے رفو ہونے دو
ایک جھٹکے میں نہ دامن نہ گریبان ہوگا

زلف شانے سے یہ کھنچی ہے نہ سر چڑھ اتنا
پیچ کچھ ایسے پڑینگے کہ پریشان ہوگا

آگ دل میں جو لگی تھی وہ بجھائی نہ گئی
اور کیا تجھ سے بھلا اے دیدۂ گریان ہوگا

جان دیکر جو ملے بوسۂ جانان تو ہے مفت
دل نہیں ہے کسی عاشق کا جو ارزان ہوگا

اے اجل دوڑ کہ غربت میں پڑا ہوں تنہا
اس طرح کاہے کو خالی کبھی میدان ہوگا

میرے اور غیر کے مقتل میں کھلینگے جوہر
امتحان عشق و ہوس کا سر میدان ہوگا

رات دن گیسوئے محبوب کا رہتا ہے خیال
خواب آنکھوں میں مری آکے پریشان ہوگا

ہیں دم ذبح جو انداز یہ جلادی کے
ملک الموت کو بھی موت کا ارمان ہوگا

اور بڑھ جائیگا دیدار سے شوق دیدار
یہ وہ نعمت ہے کہ سیر اس سے نہ مہمان ہوگا

اپنے مرنے کا تو کچھ غم نہیں یہ غم ہے امیر
چارہ گر مفت میں بیچارہ پشیمان ہوگا

مرے بس میں یا تو یارب وہ ستم شعار ہوتا
یہ نہ تھا تو کاش دل پر مجھے اختیار ہوتا

پس مرگ کاش یوں ہی مجھے وصل یار ہوتا
وہ سر مزار ہوتا میں تہ مزار ہوتا

ترا میکدہ سلامت ترے خم کی خیر ساقی
مرا نشہ کیوں اترتا مجھے کیوں خمار ہوتا

مرے اتقا کا باعث تو ہے میری ناتوانی
جو میں توبہ توڑ سکتا تو شراب خوار ہوتا

میں ہوں نامراد ایسا کہ بلک کے یاس روتی
کہیں پا کے آسرا کچھ جو امیدوار ہوتا

نہیں پوچھتا ہے مجھ کو کوئی پھول اس چمن میں
دلِ داغدار ہوتا تو گلے کا ہار ہوتا

وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یارب
مرے دونوں پہلوؤں میں دلِ بیقرار ہوتا

دمِ نزع بھی جو وہ بت مجھے آکے منہ دکھاتا
تو خدا کے منہ سے اتنا نہ میں شرمسار ہوتا

نہ ملک سوال کرتے نہ لحد فشار دیتی
سرِ راہِ کوئے قاتل جو مرا مزار ہوتا

جو نگاہ کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں چرائی
وہی تیر کیوں نہ مارا جو جگر کے پار ہوتا

میں زباں سے تم کو سچا کہو لاکھ بار کہہ دوں
اسے کیا کروں کہ دل کو نہیں اعتبار ہوتا

مری خاک بھی لحد میں نہ رہی امیر باقی
انہیں مرنے ہی کا اب تک نہیں اعتبار ہوتا

نہ چھریں چلتیں قاتل جو کبھی دوچار ہوتا
کہ اُدھر سے وار ہوتا تو اِدھر سے پیار ہوتا

ترے عکس کا جو قاتل کبھی تجھ پہ وار ہوتا
تو نثار ہونے والا یہی جان نثار ہوتا

رہی آرزو کہ وہ دو ترے تیر ساتھ چلتے
کوئی دل کو پیار کرتا کوئی دل کے پار ہوتا

اثر اس قدر تو ہوتا مرے لوٹنے کا ان پر
کہ وہ کروٹیں ہی لیتے جو میں بیقرار ہوتا

ترے ناوکِ ادا سے کبھی ہارتا نہ ہمت
جگر اس سے آگے ہوتا جو جگر کے پار ہوتا

مرے دل کو یوں مٹایا کہ نشان تک نہ رکھا
ہمیں لپٹ کے رو تو لیتا جو کہیں مزار ہوتا

ترے تیر کی خطا کیا مری حسرتوں نے روکا
نہ لپٹتیں یہ بلائیں تو وہ دل کے پار ہوتا

میں جیوں تو کس کا ہو کر نہیں کوئی دوست میرا
یہ جو دل ہے دشمنِ جاں یہی دوستدار ہوتا

مرے پھولوں میں جو آتے تو نئے وہ گل کھلاتے
کہ کلائیوں میں گجرے تو گلے میں ہار ہوتا

ترے ننھے دل کو کیونکر ہر جاں میں دکھاتا
وہ دھڑکنے کیا نہ لگتا جو میں بیقرار ہوتا

مرا دل جگر جو دیکھا تو ادا سے ناز بولا
یہ ترا شکار ہوتا وہ مرا شکار ہوتا

سرِ قبر آتے ہو تم جو بڑھا کے اپنا گہنا
کوئی پھول چھین لیتا جو گلے میں ہار ہوتا

دمِ رخصت ان کا کہنا کہ یہ کاہے کا ہے رونا
تمہیں میری قسموں کا بھی نہیں اعتبار ہوتا

میں نثار تجھ پہ ہوتا تو رقیب جان کھوتا
میں ترا شکار ہوتا وہ مرا شکار ہوتا

شبِ وصل تو جو بھیجو نہ ہوا امیر چوکا
ترے آنے کا کبھی تو اُسے انتظار ہوتا

بُوباف کھُل گیا ہے کسی گلعذار کا
آنچل لٹک رہا ہے عروسِ بہار کا

کچھ تو سبب ہے گردشِ لیل و نہار کا
اس پر پڑا ہے صبر کسی بے قرار کا

کیا دل جلا رہا ہے پس مرگ ہے دعا
ٹھنڈا رہے چراغ الٰہی مزار کا

جن کو ملا کے خاک میں خوش ہو رہے ہو تم
تنکوں میں دیکھو رقص بھی اُنکے غبار کا

گردِ نظر سے ہو نہ مکدّر الٹ نقاب
غافل غبار ہے یہ رہِ انتظار کا

پھولوں کا قافلہ ہے کہ اُتری ہے یہ برات
ہر شاخِ گل ہے پاؤں عروسِ بہار کا

آئیں وہ یا نہ آئیں ترس کھائیں یا نہ کھائیں
کیا اختیار گریۂ بے اختیار کا

پھر بیٹھے بیٹھے وعدۂ وصل اُسنے کر لیا
پھر اُٹھ کھڑا ہوا وہی روگ انتظار کا

دلسوز بیکسی سا نہیں کوئی بعدِ مرگ
پروانہ ہوگئی صرصرِ شمعِ مزار کا

روؤں تو اُن کو آتی ہے بیساختہ ہنسی
اچھا ہے جوڑ گریۂ بے اختیار کا

ایسا مزا ملا ہے تڑپ میں کہ ہے دعا
بڑھ جائے اور طولِ شبِ انتظار کا

پر لگ گئے چمن کے تم آئے جو سیر کو
کیا اُڑ چلا ہے رنگ عروسِ بہار کا

وہ شوخ اپنی راہ ہے یہ اپنی راہ ہے
قابو کا دل رہا ہے نہ دل اختیار کا

ساقی کے ہاتھ سے جو گرا جام کہہ اُٹھا
ٹوٹا وہ دل کہیں کسی اُمیدوار کا

ہمراہ ہے جو حسرت و ارمان کی بھیڑ بھاڑ
تابوت اُٹھا امیرِ غریب الدیار کا

جھونکا ادھر نہ آئے نسیمِ بہار کا
عالم وہی ہے سِن سے اُتر کر بھی یار کا

نازک بہت ہے پھول چراغِ مزار کا
جوبن خزاں نے چھین لیا ہے بہار کا

یارب مٹے نہ دل سے کبھی داغ آرزو
ٹھنڈا نہ ہو چراغ شب انتظار کا

شاخوں سے برگ گل نہیں جھڑتے ہیں باغ میں
زیور اُتر رہا ہے عروس بہار کا

شیشوں نے ہچکیوں کی بٹھائی ہے ڈاک کیوں
میخانے کو ارادہ ہے کس بادہ خوار کا

میری لگی بجھانے کو آتا ہے بار بار
ممنون ہوں میں گریۂ بے اختیار کا

ہر گل سے لالہ زار میں یہ پوچھتا ہوں میں
تو ہی پتا بتا دے دل داغدار کا

اِس پیار سے فشار دیا گور تنگ نے
یاد آ گیا مزہ مجھے آغوش یار کا

آنسو اِدھر رواں ہیں اُدھر پھنک رہا ہے دل
نالہ مرا دھواں ہے سمندر کے پار کا

گردوں نے لیکے اُسکو ستاروں میں رکھ لیا
اُونچا ہوا جو ذرہ ہمارے غبار کا

ہلتی نہیں ہوا سے چمن میں یہ ڈالیاں
مُنہ چومتے ہیں پھول عروس بہار کا

پھولوں سے فرش خاک پہ تارے چھٹک گئے
دھاگا کبھی جو ٹوٹ گیا اُن کے ہار کا

آئینہ دیکھتے ہی وہ خود لوٹ ہو گئے
آخر پڑا ہی عکس دل بیقرار کا

لپٹا میں خواب میں بھی تو بولے الگ الگ
مُرجھا نہ جائے پھول کوئی میرے ہار کا

اُٹھتا ہے وہ نزع میں وہ سرہانے سے اے امیر
مٹتا ہے آسرا دل اُمیدوار کا

جمالِ یار کو کہتے ہو تم کہ ہاں دیکھا
کلیم ہوش میں آؤ کبھی کہاں دیکھا

وہی چراغ وہی گل وہی قمر وہی برق
نئے لباس میں دیکھا اُسے جہاں دیکھا

دکھائی آئنے نے اُنکو عکس کی تصویر
تو ہنس کے بولے کہ تو نے مجھے کہاں دیکھا

نہیں ہے دختر رز سا بھی کوئی حسن پرست
ٹپک پڑی یہ جہاں کوئی نوجوان دیکھا

کہیں تو دیکھ چکے ہیں یقین ہے دل کو
مگر یہ یاد نہیں ہے تمہیں کہاں دیکھا

فنا ہے حسن کو دولت کو زندگانی کو
جہاں میں نہ کوئی باغ بے خزاں دیکھا

پھنسی جو دام میں بلبل تو کن نگاہوں سے
کبھی چمن کو کبھی سوئے آشیاں دیکھا

شب وصال وہ سامان وہ روشنی وہ نشاط
ہوئی جو صبح تو اُجڑا ہُوا مکان دیکھا

بہار میں جو نکالا ہمیں تو کیا پایا
خزاں میں حالِ چمن تو نے باغباں دیکھا

ترے وصال کی فرقت میں ہم کو یاد آئی
لُٹا ہُوا جو کہیں کوئی کارواں دیکھا

کہیں گے وقتِ ملاقات اُن سے اتنی بات
جو کچھ سُنا تھا وہ آنکھوں سے مہرباں دیکھا

دکھائی ترکِ تعلّق نے شان بے رنگی
بڑھے مکاں سے آگے تو لامکاں دیکھا

نکیلی چتونیں آنکھوں میں کیا جگر میں چُبھیں
امیرؔ آج عجب نوک کا جواں دیکھا

وہ پاؤں تھے جو شاہدِ آغوشِ نقشِ پا
افسوس اب ہیں خوابِ فراموشِ نقشِ پا

سر کے وہ پاؤں ہو کے جو ہمدوشِ نقشِ پا
فریاد کر اُٹھے لبِ خاموشِ نقشِ پا

کیا جانے آئی شہرِ خموشاں سے کیا خبر
اب تک اُسی طرف ہیں لگے گوشِ نقشِ پا

بیدرد چلنے والو ٹھہر جاؤ دم تو لو
کچھ تم سے کہتے ہیں لبِ خاموشِ نقشِ پا

حیرت کی ہے نگاہ نہ سننا نہ بولنا
آنکھیں کھلی ہیں بند لب و گوشِ نقشِ پا

ہم بے زبان خاک نشینوں کا عیش کیا
تھا اک تبسّم لبِ خاموشِ نقشِ پا

کیا راہ چلنے والوں کا غربت میں آسرا
جب نقشِ پا کو چھوڑ گئے ہوشِ نقشِ پا

اے دل چل اُسکے ساتھ دبے پاؤں اسطرح
آوازِ پا ذرا نہ سُنے گوشِ نقشِ پا

ڈرتے ہیں پاؤں رکھتے کہ ایسا نہو کہیں
چپکے سے چُوم لیں لبِ خاموشِ نقشِ پا

نازک بہت ہیں پاؤں نہ رکھ اسطرح قدم
چھالے نہ ڈالے گرمیِ آغوشِ نقشِ پا

کیا چین سے ہیں خواب میں آسودگانِ خاک
دیتے ہیں یہ خبر لبِ خاموشِ نقشِ پا

اُس گرم رو کی شوخیِ رفتار سے امیر
اُڑتے ہیں رنگِ رُخ کی طرح ہوشِ نقشِ پا

کیونکر رہے نہ زار تن و توشِ نقشِ پا
جز خاک کچھ نہیں ہے خور و نوشِ نقشِ پا

دشتِ جنوں میں اب وہ کہاں جوشِ نقشِ پا
سوتے ہیں دونوں پاؤں ہم آغوشِ نقشِ پا

وہ تیز رو ہے زارتن و توشِ نقشِ پا
ڈر ہے کہ پس نہ جائے کہیں دوشِ نقشِ پا

رکھدیں وہ آکے پاؤں سرِ دوشِ نقشِ پا
اس شوق میں کشادہ ہے آغوشِ نقشِ پا

نسبت ہے راہِ عشق سے راہِ حرم کو کیا
یاں کثرتِ سجود وہاں جوشِ نقشِ پا

اے مستِ ناز دیکھکے رکھ راہ میں قدم
چھلکے کہیں نہ بادۂ سرجوشِ نقشِ پا

رفعت سے تیرے خاک نشینوں کو کام کیا
افسرِ طلب نہیں سرِ مدہوشِ نقشِ پا

بیٹھا ہے راستے میں ہدایت کے واسطے
کیا رہنما ہے پیرِ صفا کوشِ نقشِ پا

دورِ خرامِ ناز ہے کس مستِ حسن کا
ساغر بکف ہے دستِ قدح نوشِ نقشِ پا

یہ تو کہاں نصیب کہ ہاتھ آئیں وہ قدم
آغوش حور ہے مجھے آغوشِ نقشِ پا

وحدت کی جلوہ گاہ ہے یہ مشتِ خاک امیر
ہیں ایک چشم و گوش و بر و دوشِ نقشِ پا

پہلو سے تو اٹھا تھا کہ میں سرد ہو گیا
بیدرد مہربان کو تو درد ہو گیا

ہنگامۂ جفائے فلک گرد ہو گیا
نالے جو گرم میں نے کئے سرد ہو گیا

کترا جو اپنے دستِ نگارین سے یار نے
کاغذ کا پھول برگِ گلِ زرد ہو گیا

ہنگامِ سیرِ باغ جو وہ شوخ ہنس پڑا
اتنا ہنسا ہو کہ غنچہ کا منہ زرد ہو گیا

دل کو ہمارے اب کسی پہلو نہیں قرار
یہ درد آشنا ہمہ تن درد ہو گیا

سر سے اٹھا کے ہاتھ ہوا سرفراز میں
دنیا پہ لات مار کے پامرد ہو گیا

یکتائیِ جمال کا لکھا جو میں نے وصف
دیوان کا ہر ایک ورق فرد ہو گیا

مجھ سا کہاں ہے کوئی زمانے میں خاکسار
رخ سے مرے جو رنگ اڑا گرد ہو گیا

عالم کی سیر آٹھ پہر ہے نصیب امیر
خلوت میں بیٹھکر میں جہان گرد ہو گیا

آنکھ اُسنے نہ کھولی جسے سفاک نے تاکا
منہ دیکھ کے اُٹھی تھی قضا کس کی ادا کا

نادان ہو دھوکا ہے تمہیں زلفِ رسا کا
سایہ ہے بتو سر پہ تمہارے یہ خدا کا

غازہ ہی نہیں لوٹ ہے گالوں پہ تمہارے
ہاتھوں پہ بھی لوٹا ہوا ہے رنگِ حنا کا

مجھ مست کو گلشن کی ہوا راس نہ آئی
آنکھیں نکل آئیں کوئی انگور جو تاکا

ایسا تری رحمت پہ بھروسا ہے کہ مجھسے
احسان اُٹھایا نہیں جاتا ہے دعا کا

اللہ رے شبِ غم کی سیاہی کہ سحر بھی
بڑھتی ہوئی آتی ہے عمل ردِّ بلا کا

کیا جانئے کیا ہے ترے بیمار کی حالت
عیسیٰ بھی یہ کہتے ہیں کہ ہے وقت دعا کا

گلزار میں پھولو نہ بہت لالہ و گل پر
مرغانِ چمن یہ کوئی جھونکا ہے ہوا کا

کیا خوف ہے آندھی کی طرح آئے جو دولت
رہبان کبھی نہ میلا ہو گلیمِ فقرا کا

وعدہ جو کیا وصل کا آئے وہ پئے قتل
ہے حسن کے مشرب میں وفا نام جفا کا

کی آڑ سے مژگان کی نگہ خیر ہو یارب
غمزے نے جھروکے سے مجھے جھانک کے تاکا

دم توڑ رہا ہے ترا بیمارِ محبت
یہ کوسنے کا وقت ہے ظالم کہ دعا کا

ماتم میں جو کھلتا ہے اُس شوخ کا جوڑا
اُڑ چلتا ہے رنگ اور مری بزمِ عزا کا

پرسش کو نکیرین کی جا آئیں گی حوریں
کشتہ ہوں میں اک صاحبِ عصمت کی حیا کا

خوش ہوں کہ ترے کوچے کی میں خاک ہوا ہوں
بے مانگے ملا کرتا ہے بوسہ کفِ پا کا

کیا کہتا ہے شبِ وصل نگہبانیِ عصمت
چوکی ہے نزاکت کی تو پہرہ ہے حیا کا

دل چھلنی کیے دیتے ہیں موئے مژۂ یار
ان ننھے سے تیروں میں بھی ہے توڑ بلا کا

کچھ نیند نے کچھ نشے نے شوخی کی کمک کی
مشکل سے شبِ وصل اُٹھا پردہ حیا کا

رونے دے تڑپنے دے مجھے بیخودیِ شوق
کیوں ساتھ چھڑاتی ہے قدیمی رفقا کا

اللہ رے اُس گل کی کلائی کی نزاکت
بل کھا گئی جب بوجھ پڑا رنگِ حنا کا

مشتاقوں سے اپنے جو کیا کرتی ہے غمزے
کیا سیکھی ہے اندازِ قضا تیری ادا کا

کیا جانئے آجائیگا کس روز وہ جلاد
بازو پہ اپنے دل بیمار کے باندھوں
اللہ ہی اُس ابرو و مژگاں سے بچائے

انسان کو معلوم نہیں وقتِ قضا کا
تعویذ جو ہاتھ آئے مزارِ شُہدا کا
یہ قہر کی تلوار وہ ناوک ہے بلا کا

مشتاق امیر اُٹھ گئے دنیا سے ہزاروں
پردۂ رُخِ محبوب سے اُٹھا نہ حیا کا

ایک دل ہمدم مرے پہلو سے کیا جاتا رہا
سب کرشمے تھے جوانی کے جوانی کیا گئی
درد باقی غم سلامت ہے مگر اب دل کہاں
آنے والا جانے والا بیکسی میں کون تھا
آنکھ کیا ہے یونہی ہے سحر ہے اعجاز ہے
مرگیا میں جب تو ظالم نے کہا افسوس آج
درد باقی داغ باقی دل ہی پہلو میں نہیں
جھوٹے وعدوں سے وہ راحت کا سہارا بھی گیا
بے تکلف تذکرے نے تو آنکھو کر دیا
شربتِ دیدار سے تسکین سی کچھ ہو گئی
آیتِ لاتقنطوا اُتری تو عاصی بول اُٹھے
مجھ کو گالیوں میں جو دیکھا چھیڑ کر کہنے لگے
نیند بھی فرقت میں کہاں بیٹھی ہے انکی قسم
جب نہ تھا تک تم تھے کب وہ دل غبار شکووں سے بھرا
مرگِ دشمن پر کفِ افسوس تم ملتے تو ہو
شیخ جی ہیں اور شب بھر دختِ رز سے اختلاط

سب تڑپنے تلملانے کا مزا جاتا رہا
وہ اُمنگیں مٹ گئیں وہ ولولہ جاتا رہا
ہائے وہ غم دوستی وہ درد آشنا جاتا رہا
ہاں مگر اک دم غریب آتا رہا جاتا رہا
اِک نگاہِ لُطف میں سارا گِلا جاتا رہا
ہائے ظالم ہائے ظالم کا مزا جاتا رہا
رہ گئے نا آشنا سب آشنا جاتا رہا
وائے قسمت یاس کا بھی آسرا جاتا رہا
پردہ شرمیلی نگاہوں کا مزا جاتا رہا
دیکھ لینے سے دوا کے درد کیا جاتا رہا
آج سب اندیشۂ روزِ جزا جاتا رہا
کیوں میاں کیا ڈھونڈتے پھرتے ہو کیا جاتا رہا
خواب میں بھی دیکھنے کا آسرا جاتا رہا
تم گلے سے مل گئے سارا گلا جاتا رہا
پھر ملوگے ہاتھ تو رنگِ حنا جاتا رہا
وہ تقدس ہو چکا وہ اتقا جاتا رہا

شوخیاں رگ رگ میں ہیں جمتا وہاں کس کا ہے رنگ
ہائے وہ صبح شب وصل انکا کہنا شرم سے
بیخودی کا ہو بُرا محروم رکھا وصل سے
دل وہی آنکھیں وہی لیکن جوانی وہ کہاں
تیرے دشمن سوگ دشمن کا ارے جانے بھی دے
میں نے چھاتی سے لگا کر جسکو رکھا عمر بھر
گھورتے دیکھا جو چشموں میں جھنجلا کر کہا
کیا بُری شے ہے جوانی رات دن ہے تاک جھانک

آتے آتے ہاتھ میں رنگ حنا جاتا رہا
اب تو میری بیوفائی کا گلا جاتا رہا
آپ جب آئے تو دل سے مدعا جاتا رہا
ہائے اب وہ تاکنا وہ جھانکنا جاتا رہا
بوالہوس بدنام کُن اچھا ہوا جاتا رہا
ہائے وہ نازوں کا پالا دل مرا جاتا رہا
کیا لحاظ آنکھوں کا بھی او بے حیا جاتا رہا
ڈر بتوں کا اک طرف خوف خدا جاتا رہا

کھو گیا دل کھو گیا رہتا تو کیا ہوتا امیر
جائے وہ اک بیوفا جاتا رہا جاتا رہا

غنی ساتھ دنیا سے کیا لے گیا
بڑی پیچ در پیچ تھی راہ دیر
تری آنکھ کا تل وہ ہادی ہے جو رہ
عجب ترک غمزہ بھی چالاک تھا
گیا غم نے تاراج جب صبر کو
گیا سامنے یار کے میں تو یوں
گیا دل تو طاقت بھی جاتی رہی
بظاہر رہا مجھ سے غافل مگر
بہت تھے اسیران زندان ہوش
وہ جب تک رہا مجھ سے برسا کیا

مگر جو کسی کو دیا لے گیا
خدا ہم کو لایا خدا لے گیا
اشاروں میں دل کو اڑا لے گیا
لگاوٹ سے ہم کو لگا لے گیا
کہا دل نے وہ لیگیا لے گیا
کہ ہاتھوں سے دل کو سنبھالے گیا
تڑپنے کا بھی وہ مزا لے گیا
کنکھیوں سے وہ دیکھے بھالے گیا
جنوں آ کے سب کو چھڑا لے گیا
نگار اپنے دل کا نکالے گیا

سگ یار کا مستحق اے امیر

مرے اُستخواں کیوں ہما لے گیا

پُرسش کو مری کون مرے گھر نہیں آتا
تیور نہیں آتے ہیں کہ چکر نہیں آتا

تُم لاکھ قسم کھاتے ہو ملنے کی عدو سے
ایمان سے کہدوں مجھے باور نہیں آتا

قاتل ہی کے کھنچنے کی شکایت نہیں ہمدم
خنجر بھی تو پہلو کے برابر نہیں آتا

ہیں واسطے دیتا ہوں وہ خط لے نہیں جاتا
قاصد کو ذرا خوف پیمبر نہیں آتا

ڈرتا ہے کہیں آپ نہ پڑ جائے بلا میں
کوچے میں ترے فتنۂ محشر نہیں آتا

غیروں نے بُرا مجھ کو کہا ہو تو کہا ہو
باور اُنہیں آیا ہو یہ باور نہیں آتا

ناوک کی خطا ہے نہ کماندار کی تقصیر
لے طائرِ دل وقت برابر نہیں آتا

جو مجھ پہ گزرتی ہے کبھی دیکھ لے ظالم
پھر دیکھوں کہ رونا تجھے کیونکر نہیں آتا

پھول اُس نے کھلائے کہ بتو یہ نہ کہو تم
اللہ کے گھر سے ہمیں زیور نہیں آتا

دو دانوں پر اشکوں ہی کے دن فاتحۂ دل
افسوس ہے اتنا بھی میسر نہیں آتا

کہتے ہیں یہ اچھی ہے تڑپ دل کی تمہارے
سینے سے تڑپ کر کبھی باہر نہیں آتا

بنجاتی ہیں چلمن رُخِ روشن کی شعاعیں
آنا بھی ہے باہر تو وہ باہر نہیں آتا

سلجھاتے ہیں جب زلف تو اُلجھاتے ہیں اک دل
فرق اس میں کبھی بال برابر نہیں آتا

چوٹ اُس نگہِ ناز کی کھاتا نہیں ناصح
یہ صید کبھی تیر کی زد پر نہیں آتا

دشمن کو بھی ہوتی ہے مرے حال پہ رقّت
پر دل یہ ترا ہے کہ کبھی بھر نہیں آتا

غیروں سے اشارے مرے آگے سرِ محفل
پھر آپ کہیں گے کہ مجھے شر نہیں آتا

کب آنکھ اُٹھاتا ہوں کہ آتے نہیں تیور
کب بیٹھ کے اُٹھتا ہوں کہ چکر نہیں آتا

غربت کدۂ دہر میں ہیں صدمے سے صدمے
اس پر بھی کبھی یاد ہمیں گھر نہیں آتا

ہم جسکی ہوس میں ہیں امیر آپ سے باہر
وہ پردہ نشیں گھر سے بھی باہر نہیں آتا

کچھ ٹھکانا ہے ناتوانی کا
نہ اُٹھا بوجھ زندگانی کا

داغ دل میں جو ہے جوانی کا
گُل ہے یہ شمع زندگانی کا

جانتا ہوں کہ خود نما ہو تم
پردہ کب تک یہ لن ترانی کا

اور اے پیر چرخ کیا کوسوں
صبر تجھ پر مری جوانی کا

راہ میں وہ مجھے ملے تو ہوا
سامنا مرگِ ناگہانی کا

حلقۂ چشم وقتِ نزع نہیں
ہے یہ چھلّا تری نشانی کا

جوشِ فصلِ بہار میں اے گُل
رنگ ہے تیری نوجوانی کا

ناز اُن کے بھی اُٹھ نہیں سکتے
زور ہے اب یہ ناتوانی کا

اسطرف بھی نگاہِ لُطف کبھی
صدقہ اے نوجوان جوانی کا

مرگ جس کو جہاں میں کہتے ہیں
نام ہے میری زندگانی کا

مثلِ شبنم ہماری قسمت میں
ایک دانہ ہے وہ بھی پانی کا

رُخ ترا کس طرح میں دیکھ سکوں
زلف ہے لام لن ترانی کا

اے غمِ یار میں نہیں مٹتا
نام مٹتا ہے ناتوانی کا

چھلّا آیا مجھے تو یہ سمجھا
اُسنے چھلّا دیا نشانی کا

ہے سر نامِ سکندر آئینہ
چشمۂ ہے آبِ زندگانی کا

پُر چھلّیں بانکپن کو دیتا ہے
جوبن اُبھرا ہوا جوانی کا

گھُل کے سمجھا یہ میں کہ دیدۂ تر
چہرہ ہے شمع زندگانی کا

چودھویں کا بھی چاند صدقے تھا
ہائے عالم تری جوانی کا

نہ اُٹھا مفلسی میں حسنِ سوال
ہے یہ احسان ناتوانی کا

پورا پورا شبیہہ یوسف ہیں
رنگ ہے تیری نوجوانی کا

کیوں نہ پیری میں داغِ دل ہو عزیز
پھول ہے باغِ نوجوانی کا

دل بتوں سے اُٹھا نہیں سکتا
منتظر حشر میں ہے دامنِ تر
رہ گیا ہے فراق میں مجھ کو
دل تو میں نذر کر چکا اے جان

شکر کرتا ہوں ناتوانی کا
مہرِ محشر کی مہربانی کا
آسرا مرگِ ناگہانی کا
اب سبب کیا ہے مہربانی کا

زیست کا اعتبار کیا ہے امیر
آدمی بُلبُلا ہے پانی کا

گھر میں تمہارے غیر سے جایا نہ جائیگا
دل گیسوؤں میں ہم سے پھنسایا جائیگا
بیخود نہ کر وصال میں اے جلوۂ صنم
کہتا ہے دل چھپاؤنگا میں خوابِ رازِ عشق
تلوار اُن سے کچھ نہیں سکتی نہ کچھ سکے
جب دیکھ لو گے یاس بھری میری شکل تم
لاکھوں کو خاک میں تو ملا دیگا آسمان
چہرہ چھپالیں آنکھ چُرالیں حیا سے وہ
لاؤں میں ان سے دل میں کدورت محال ہے
پہنائے جن کو پھول کے ہار اُنسے بعد مرگ
ترکِ ادب ہے دل سے مٹاؤں جو داغِ عشق

آغوشِ نور میں کبھی سایا نہ جائیگا
اس چاند کو یہ داغ لگایا نہ جائیگا
ہوں ناتوان پھر آپ میں آیا نہ جائیگا
آنکھیں یہ کہتی ہیں کہ چھپایا نہ جائیگا
کیا سُرمہ آنکھ میں بھی لگایا نہ جائیگا
پھر تم سے میرے دل کو دُکھایا نہ جائیگا
ظالم سے دو دلوں کو ملایا نہ جائیگا
جوبن اُبھار پر ہے چھپایا نہ جائیگا
یہ لعل خاک میں تو ملایا نہ جائیگا
دو پھولوں سے کفن کبھی بسایا نہ جائیگا
مسجد کا ہے چراغ بجھایا نہ جائیگا

وہ اس چمن میں مرا دل ہے اے امیر
بادِ بہار سے بھی کھلایا نہ جائیگا

دل میں خیال اُن آنکھوں کا لایا نہ جائیگا
آہوں سے سوزِ عشق مٹایا نہ جائیگا

میخانہ گھر خدا کا بنایا نہ جائے گا
آندھی سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

یہ تیرہ شامِ غم ہے کہ کہتا ہے سایہ بھی
اب مجھ سے پاس آپ کے آیا نہ جائیگا

گر ہیں یہی جفائیں تو ظالم جزا کے دن
آڑے مری وفا سے بھی آیا نہ جائیگا

کیوں یاس توڑتی ہے مرے دل کا آسرا
یہ گھر اُجڑ گیا تو بسایا نہ جائیگا

وحشت میں تھک کے مجھ سے یہ ہمزاد نے کہا
مجھ سے تو ساتھ آپ کے آیا نہ جائیگا

چلّو ہی سے پلا دے مجھے ساقیا شراب
ہوں ناتوان جام اُٹھایا نہ جائیگا

دکھلا کے سب کو دستِ حنائی وہ کہتے ہیں
عاشق کا یہ لہو ہے چھپایا نہ جائیگا

روؤں گا دردِ دل سے کبھی میں جو باغ میں
پھولوں کو پھر صبا سے ہنسایا نہ جائیگا

دوزخ نے مجھ کو دیکھ کے مالک سے یہ کہا
مجھ سے تو یہ غریب جلایا نہ جائیگا

سو غمگسار لاکھ ہوں غمخوار آس پاس
دل میں جو درد ہے وہ بٹایا نہ جائیگا

مجھ رُوسیہ کو قبر میں رہنے دے اے کریم
یہ مُنہ کسی کو مجھ سے دکھایا نہ جائیگا

تیرے ہزار غمزے میں قاتل اُٹھاؤنگا
خنجر کا تیرے ناز اُٹھایا نہ جائیگا

دیدار یار کا نہ اُٹھے گا مزہ امیرؔ
جب تک دوئی کا پردہ اُٹھایا نہ جائیگا

کھولے ہوئے جوڑا تجھے اے جان نہیں دیکھا
اس باغ میں سنبل کو پریشان نہیں دیکھا

وہ خار ہوں جس نے کبھی داماں نہیں دیکھا
وہ پھول ہوں میں جس نے گریباں نہیں دیکھا

کیا کہتے ہو بس دیکھ لیا حال تمہارا
دیکھو گے ابھی تم نے مری جان نہیں دیکھا

ہاں دستِ جنوں دیکھیں تو ہم نے کبھی اب تک
آغوش میں دامن کے گریبان نہیں دیکھا

بیفائدہ تم کھینچتے ہو تیر کو دل سے
اس گھر سے نکلتے ہوئے مہمان نہیں دیکھا

برباد کیا مجھ کو ہوا آپ بھی برباد
نادان کوئی تجھ سا دلِ ناداں نہیں دیکھا

کیا شوق ہے دکھلا کے وہ رُخ پوچھیں جو مجھ سے
اب بھی نہیں دیکھا تو کہو ہاں نہیں دیکھا

دل لینے میں ہر طفل حسین ہوتا ہے اُستاد
اس فن میں تو نادان کو بھی ناداں نہیں دیکھا

تیر نگہِ یار نے بھی رُخ نہ کیا ہائے
اُجڑے ہوئے دل کا کوئی خواہاں نہیں دیکھا

وہ دل تھا ہمارا کہ تری تیغِ نظر نے
تلوار کے مُنہ پر بھی ہراساں نہیں دیکھا

ہے محفلِ دنیا بھی عجب درد کی محفل
وہ آنکھ نہ دیکھی جسے گریاں نہیں دیکھا

دیکھا تو مرے حال کو سو مرتبہ تم نے
پر دیکھنے کی طرح مری جان نہیں دیکھا

جاں آنکھوں سے دم تن سے نکلتے ہوئے دیکھے
پر دل سے نکلتے ہوئے ارمان نہیں دیکھا

آنکھوں نے جو دیکھا اُسے تو دل یہ پکارا
میں نے ابھی اے جلوۂ جاناں نہیں دیکھا

افسردہ امیر اپنی تباہی سے ہے تو کیوں
کیا حوصلۂ کلبِ علی خاں نہیں دیکھا

میں کبھی وقت پہ مقتل سے نہ ٹل جاؤں گا
کچھ زمانہ نہیں کروٹ جو بدل جاؤں گا

لاکھ دنیا میں پھنسوں چال وہ چل جاؤں گا
کہیں اس بھول بھلیاں سے نکل جاؤں گا

اس سرا میں ہیں مسافر نہیں رہنے آیا
رہ گیا تھک کے اگر آج تو کل جاؤں گا

خبر آئی کہ وہ آتا ہے عیادت کے لئے
اب کچھ اُمید پڑی ہے کہ سنبھل جاؤں گا

سوچتا ہے مری تپ دیکھ کے فرقت میں طبیب
نبض کو ہاتھ لگاؤنگا تو جل جاؤں گا

ہوں سبک روح کریگا مجھے کیا قید کوئی
مثل آواز سلاسل سے نکل جاؤں گا

مستی اُن آنکھوں میں آتی ہے تو کہتا ہے حجاب
دیکھ تو آئی تو میں گھر سے نکل جاؤں گا

باغ عالم میں ہوں گویا شجر آتش باز
اور بھی پھولوں پھلوں گا جو میں جل جاؤں گا

سامنے سے جو وہ سرکیں گے تو ہوگی یہ تڑپ
عکسِ آئینہ صفت گھر سے نکل جاؤں گا

دیکھنے دے مجھے رخسار ترا حرج ہے کیا
دو گھڑی دیکھ کے پھولوں کو بہل جاؤں گا

مر کے بھی دل سے مٹے گا نہ حسینوں کا خیال
ساتھ لیکر میں یہی حُسنِ عمل جاؤں گا

جوشِ وحشت میں مجھے قیدیِ زنداں نہ کرو
سیل ہوں توڑ کے دیوار نکل جاؤں گا

آتشِ عشق مجھے ہوگئی گلزارِ خلیل
دل میں سمجھا تھا وہ کافر کہ میں جل جاؤں گا

قدردان مصحفی و حضرت سودا تھے امیر
لیکے تربت پہ انہیں کی یہ غزل جاؤنگا

چال وحشت کی کسی روز جو چل جاؤنگا
دو قدم میں میں دو عالم سے نکل جاؤنگا

جوہری ہو کہ نہ ہو کوئی سخن کا پس مرگ
تھوک کر میں تو لہو لعل اگل جاؤنگا

اب میں گریاں ترے کوچے میں جو آیا آیا
کوئی جھالا ہوں برس کر جو نکل جاؤنگا

کوئے جاناں میں یہ کہتا ہے مرا دل مجھ سے
تو اٹھانا مجھے میں گر کے مچل جاؤنگا

مجھ سے کہتا ہے شب وصل یہ جوبن انکا
تیرے آغوش کے سانچے میں میں ڈھل جاؤنگا

پھونکنے آئی ہے کیوں آتش فرقت مجھ کو
میں پتنگے کی طرح وصل میں جل جاؤنگا

غش سنبھلنے نہیں دیتا مجھے اے شوق وصال
ہاں اگر تو نے سنبھالا تو سنبھل جاؤنگا

جھونک دیگی جو مجھے آگ میں قسمت میری
میں سپند محبت وصال بن کے نکل جاؤنگا

آج بوسہ تجھے دیتے ہی بنے گا ایجان
کچھ ترا وعدہ نہیں میں کہ میں ٹل جاؤنگا

نور شمع تہ فانوس ہوں میں زیر فلک
قید رہنے کا نہیں صاف نکل جاؤنگا

چکنی چکنی تری باتیں نہیں سنتا ناصح
ڈر رہا ہے کہ نہ سنبھلوں گا پھسل جاؤنگا

وعدہ وصل پہ چاہی جو قسم ہنس کے کہا
رنگ رخ میں نہیں تیرا کہ بدل جاؤنگا

وصل میں اس سے مرا حوصلہ کہتا ہے امیر
کیا میں ارمان عدو ہوں کہ نکل جاؤنگا

حریم کوچۂ قاتل کی راہ گر لینا
سمند عمر سے او شہسوار اتر لینا

جگر سے اٹھتے ہیں شعلے کہ دل سے اے ہمدم
کدھر یہ آگ لگی ہے ذرا خبر لینا

یہ مجھ کو دیکھ کے پلکوں کو حکم ابرو ہے
بچے جو تیغ سے تم برچھیوں پہ دھر لینا

پڑا ہے دیر سے مٹی خراب ہوتی ہے
لگا دو ہاتھ جنازے کو پھر سنور لینا

لٹک کے کہتی ہی وہ زلف لاکھ پیچ پڑیں
بلائیں اس کی مجھے سر تا کمر لینا

مزے اڑا کہ در توبہ باز ہے زاہد
حسین شراب جو دیں پی کے توبہ کر لینا

وہ مسکرا کے مرے چھیڑنے کو کہتے ہیں
کہاں چمک کے یہ بجلی گری خبر لینا

کباب سیخ کی گردش سے کم نہیں اے دل
شب فراق میں کروٹ ادھر ادھر لینا

شہید ناز کا تابوت اٹھا تو فرمایا
برات جاتی ہے کس کی ذرا خبر لینا

امیر جاتے ہو بتخانے کی زیارت کو
پڑیگا راہ میں کعبہ سلام کر لینا

دم اخیر ہے لازم نظارہ کر لینا
خدا سے کام پڑا ہے بتو خبر لینا

چلا تو ہے طرف کعبہ دیکھ اے حاجی
جو دیر راہ میں آئے طواف کر لینا

پکارتے ہیں یہ کشتے تمہارے مقتل میں
پڑے ہیں کھیت ہماری ذرا خبر لینا

مریض غم کی عیادت کو جب ہوئے وہ سوار
کہا قضا سے کہ بڑھ کر ذرا خبر لینا

یہ تیر غمزہ سے کہتی ہے تیغ ناز اسکی
جو دل پہ قبضہ مرا ہو تو تو جگر لینا

ہجوم ہوگا بہت جلوہ گاہ حشر میں یار
اگر پہنچ نہ سکوں میں مری خبر لینا

نہ لوٹ شام سے اے دل شب فراق میں دم
ابھی تو رات ہی ساری پڑی ہے مر لینا

گلے سے قتل کے دن غصہ غصہ کہتا ہے
مری طرف سے بھی خنجر کو پیار کر لینا

چمک کے ابر سے عالم پہ گر پڑی بجلی
یہ کس نے پردے سے جھانکا ذرا خبر لینا

تڑپ کے منہ سے کلیجا نکل پڑے نہ امیر
بہت جو درد اٹھے دل پہ ہاتھ دھر لینا

ناوک ناز سے مشکل ہے بچانا دل کا
درد اٹھ اٹھ کے بتاتا ہے ٹھکانہ دل کا

لوٹ جاتے تھے حسیں دیکھ کے آنا دل کا
کیا موافق تھا جوانی میں زمانہ دل کا

کہتے ہیں کیا میں کروں سن کے فسانہ دل کا
وہی جھگڑا وہی دکھڑا ہے پرانا دل کا

آفریں کشتہ سے رک جاتا ہے قاتل میرا
لذت قتل گھٹاتا ہے بڑھانا دل کا

اِسنے دیکھا اُسے اور اُسنے اِسے دیکھ لیا
آج اس شوق سے پیکاں مرے دل میں آیا
ہائے وہ پہلی مُلاقات میں میرا رُکنا
عشق میں صبر کہاں ضبط کہاں تاب کہاں
نچلے بیٹھے رہو قدموں میں پڑا رہنے دو
قیس کم ظرف تھا فرہاد تنک حوصلہ تھا
سینہ چھلنی کیے دیتی ہیں نگاہیں اُنکی
یوں نہ ہاتھ آئیگا یہ مال کبھی دزدِ حنا
متصل آہ کی پہلو سے صدا آتی ہے
نِگہ ناز سے کہتے ہیں اُڑا دے اِس کو
جی لگے آپ کا ایسا کہ کبھی جی نہ بھرے
حسرت و درد کا اللہ رے فرقت میں ہجوم
دِل مرا لیکے دِکھا دی مجھے مٹھی خالی
ہائے وہ دیکھ کے اُبھرا ہوا جوبن اُن کا
مشربِ عشق میں کیسی ہیں یہ اُلٹی باتیں
تیر پر تیر لگا کر وہ کہا کرتے ہیں
دِل جو دیں اُن سے تو اے جان یہ کہہ کر دو
کسی پہلو پہ وہ آئیں مگر آئیں تو سہی
گرمیاں کرنے کا ہے خوب سلیقہ اُنکو
پھیر کر منہ مجھے تڑپاتے ہیں اور کہتے ہیں
جتنے ارمان تھے جی بھر کے نکالے ایجان

اب تو دشوار ہے پہلو میں چھپانا دل کا
آگیا یاد کسی شوخ پر آنا دِل کا
اور اُس کا وہ لگاوٹ سے بڑھانا دل کا
جان جانا نہیں ہمارم یہ ہے جانا دل کا
دیکھو اچھا نہیں ایجان اُٹھانا دل کا
دل لگی ہم تو سمجھتے ہیں لگانا دِل کا
ڈھونڈتے پھرتے ہیں تیر ٹھکانا دِل کا
سیکھ دُزدیدہ نگاہی سے چُرانا دِل کا
اب وہ ہے درد کا گھر تھا جو ٹھکانا دِل کا
سامنے آہی گیا اب تو نشانا دِل کا
دل لگا کر جو سنیں آپ فسانا دِل کا
کہ نہیں اب کسی گوشے میں ٹھکانا دِل کا
پھر کہا دیکھ لیا ہاتھ سے جانا دِل کا
دونوں ہاتھوں سے مرا شکوہ دبانا دِل کا
دلکے جانے کو یہ کیوں کہتے ہیں آنا دِل کا
کیوں جی تم کھیل سمجھتے تھے لگانا دِل کا
اور روا رکھتے ہو پردے میں بھی آنا دِل کا
نہ سنیں بات مری سُن لیں فسانا دِل کا
سیکھو آنکھوں کی شرارت سے جلانا دِل کا
رُخ بدلکر ہم اڑاتے ہیں نشانا دِل کا
وصل میں لوٹ لیا تم نے خزانا دِل کا

نگہِ ناز سے غمزے نے کہا تڑپا کر
یوں اُڑا دیتے ہیں اُستاد نشانا دل کا

ہر نگہ وصل میں اُس شوخ کی کہتی ہے امیر
ہو جسے حکم اُڑا دے وہ نشانا دل کا

کیا میں اے پردہ نشیں قتل کا خواہاں ہوتا
شرم آتی تجھے خنجر بھی جو عریاں ہوتا

رونے والا کوئی ہوتا تو کچھ آنسو چھپتے
ابر ہی آ کے مری خاک پہ گریاں ہوتا

داغ ہی دینے کو لیتا کوئی لیتا تو سہی
کوئی بے رحم ہی دل کا مرے خواہاں ہوتا

درد ہی تھا دلِ بیمار کا غمخوارِ قدیم
اب یہ صورت ہے کہ وہ بھی نہیں پرساں ہوتا

حلقۂ زلف میں وہ رُخ جو جھلک دکھلاتا
جلوہ گر کفر کے آغوش میں ایماں ہوتا

لطف تھا دست درازی کا جب اے وحشتِ دل
بڑھ کے دامن سے ہم آغوش گریباں ہوتا

دیکھتے چاہ سے تم پیار سے ہم تو شبِ وصل
دل میں جو کچھ تھا سب آنکھوں سے نمایاں ہوتا

پیکے واعظ مے گلگوں مرے دشمن پچتائیں
تیر سے کہنے سے نہ پیتا تو پشیماں ہوتا

بوسہ کیا مجھ کو دیا ہے کہ خریدا ہے غلام
اس سے احساں نہ کرتے وہ تو احساں ہوتا

ہلکے زخموں نے مزہ کچھ نہ دیا خوب ہوا
مفت ان اوچھوں کا شرمندۂ احساں ہوتا

ایسے ہنگامے بہت دیکھے ہیں اُس کوچے میں
حشر کیا فتنہ ہے جس سے میں پریشاں ہوتا

جب وہی حور نہیں خلد میں تو داورِ حشر
جھونک دیتا ہے تجھے دوزخ میں تو احساں ہوتا

ایک ارمان نکلتا ہے تو سو آتے ہیں
دل عجب گھر ہے کہ ہرگز نہیں ویراں ہوتا

چھوٹ پڑتی نہ اگر شیخ و برہمن میں یہاں
تو نہ کافر کوئی ہوتا نہ مسلماں ہوتا

کہہ اُٹھا اس لئے منصور اناالحق کہ وہ شوخ
خونِ ناحق سے پسِ قتل پشیماں ہوتا

کیا مزہ دیتی ہے رہ رہ کے کھٹک اسکی امیر
دل کے بدلے بھی مرے سینے میں پیکاں ہوتا

ہم سے دل دردِ محبت کا دُکھایا نہ گیا
زخم کھایا کیے ناز کا کبھی کھایا نہ گیا

نبض کی چال سکھائی تپشِ دل نے مجھے
عمر چلتے ہوئے گزری کہیں آیا نہ گیا

کتنا نازک تھا دلِ زار کہ پژمردہ رہا
رنگ کا بوجھ بھی اس گل سے اُٹھایا نہ گیا

کبھی کاجل کبھی آنکھوں میں لگایا سرمہ
رات تھا کونسا جادو کہ جگایا نہ گیا

یہ مرا دل ہے کہ ہے اس میں نہاں الفتِ زلف
دیکھو آئینے سے اک بال چھپایا نہ گیا

کبک طاؤس نے ہر گام پہ کھائی ٹھوکر
تیری رفتار کا انداز اُڑایا نہ گیا

دخترِ رز شوخ تھی مستوں ہی کی صحبت میں رہی
چار دن پردے میں ساقی سے بٹھایا نہ گیا

قیس کی خاک اڑانے کو ہوا آندھی تھی
پردۂ محمل لیلیٰ کو اُٹھایا نہ گیا

جامِ مے فرقتِ جاناں میں پلانا کیسا
قدحِ زہر بھی ساقی سے پلایا نہ گیا

لاش بے گور و کفن وادیٔ غربت میں رہی
مر کے بھی غیر کا احسان اُٹھایا نہ گیا

بزمِ غم میں مجھے قسمت نے بنایا ہے چراغ
کس کا مہمان ہوا میں کہ جلایا نہ گیا

چرخِ مسک نے مٹانے میں بہت کوشش کی
نامِ ماتم تھا مگر میں کہ مٹایا نہ گیا

تیغ قاتل بھی ہے کیا چشمۂ فیض امیر
کوئی قطرہ کسی پیاسے کو پلایا نہ گیا

دردِ الفت نے وہاں سے کبھی نکالا ہوتا
قید اگر عرش کی زنجیر میں نالا ہوتا

گال میں تجلیوں سے حسن دوبالا ہوتا
اشہبِ ناز کو چمکا کے نکالا ہوتا

طور پہ ہم سا اگر دیکھنے والا ہوتا
دیکھتے برقِ تجلی کو سنبھالا ہوتا

جیب میں کہتا ہوں جھگڑا سرِ گردن کا مٹا
تیغ کہتی ہے مجھے بیچ میں ڈالا ہوتا

اور سامان جنوں میں ہمیں درکار نہیں
کوئی نشتر کوئی کانٹا کوئی چھالا ہوتا

ناتوانوں کو گرایا تو فلک کیا پایا
کسی گرتے ہوئے بیکس کو سنبھالا ہوتا

منحصر ساغرِ جم ہی پہ نہیں بادہ کشی
ٹوٹا پھوٹا کوئی مٹی کا پیالا ہوتا

مجھ پہ آنکھیں جو جما لیں تو ہوا گیا حاصل
کوئی ارمان مرے دل کا نکالا ہوتا

شوق ہوتا مرے قاتل کو جو گلبازی سے
میں نے سرکاٹ کے مقتل میں اچھالا ہوتا

ہاتھ سے یار کے مے پینے تو ہوتا نہ گناہ
کورے بچ جاتے چھوتا جو پیالہ ہوتا

حسنِ بے پردہ سرِ طور پکارا آگر
چھپتے جب ہم کہ کوئی دیکھنے والا ہوتا

دلِ بیتاب پہ بجلی کی طرح گرتی تھی
شرم نے وصل میں شوخی کو سنبھالا ہوتا

ٹکریں موڑیں مجھے کھانے میں عدم کو بھاگا
لاکھ منہ ایک میں کس کس کا نوالا ہوتا

پھول سا ہنس ہنس کے مرے زخم جگر بنجاتے
کوئی خوش ہوکے اگر دیکھنے والا ہوتا

وادیِ گرم محبت میں ہیں کانٹے پیاسے
کاش اک چھوٹی سی چھاگل لیے چھالا ہوتا

او بت اللہ تو ہے آپ رگِ گردن میں
ہاتھ ہی تو نے گلے میں مرے ڈالا ہوتا

رگِ جان آپ ہی گر ڈوب کے اچھلی تو کیا
اس کے ڈوبے ہوئے نشتر کو اچھالا ہوتا

پیاس سے خلق میں بسمل کے پڑے ہیں کانٹے
چھیڑتے خنجر قاتل میں جو چھالا ہوتا

کیا بلا جھوم کے گھنگور گھٹا آئی ہے
ہائے اس وقت سر گیسوؤں والا ہوتا

لذتِ داغ محبت سے جو ہوتا آگاہ
ہوتی ہر پھول کو حسرت کہ میں لالا ہوتا

لطف حسرت کی نگاہوں کا تو جب تھا کہ امیر
ان نگاہوں کا کوئی دیکھنے والا ہوتا

اٹھکے اس محفل سے گھبراہٹ کا احسان رہ گیا
زانوئے جاناں کے نیچے دب کے داماں رہ گیا

قافلہ منزل پہ پہنچا ہائے لے درماندگی
میں پریشان صورتِ گردِ بیاباں رہ گیا

یوں تو رکھا سیکڑوں نے تیری مقتل میں قدم
رہ گیا جو کھیت اُسکے ہاتھ میداں رہ گیا

بوسے کی لذت میں بھولے شکوۂ دشنامِ یار
عیب منعم پردۂ ہمت میں پنہاں رہ گیا

جانتے ہیں گل اُسی کو ہم اسیرانِ قفس
دل میں جو داغِ تماشائے گلستاں رہ گیا

قالبِ بے روح کی کیا خاک ہو عالم میں قدر
کوچ یوسف نے کیا خالی یہ زنداں رہ گیا

دیدۂ بسمل پہ حیرانی نے پٹی باندھ دی
مرتے دم نظارۂ قاتل کا ارماں رہ گیا

پردہ پوشی تو بہت کی زخمِ دامن دار نے
خنجرِ قاتل مگر عریاں کا عریاں رہ گیا

پردہ اُلٹا رخ سے اُسنے سبکو دکھلایا جمال
رہ گیا تو اک مری آنکھوں سے پنہاں رہ گیا

شکر کی جا ہے پڑی سینہ شگافی کی اُمید
جذب دل سے ٹوٹ کر قاتل کا پیکاں رہ گیا

وائے حسرت مار ڈالا مجھ کو شوقِ قتل نے
ذبح کرنے کا مرے قاتل کو ارمان رہ گیا

پردۂ وحشت ہوا فرطِ نقاہت سے نہ فاش
ہاتھ دامن سے جو پہنچا تا گریباں رہ گیا

ساتھ ہی گیسو کے آیا مصحفِ رخ کا خیال
خیر گذری جا چکا تھا آج ایمان رہ گیا

دل جو میرا بہ گیا ہو کر لہو تو بہ گیا
شکر ہے اُسکی جگہ پہلو میں پیکان رہ گیا

کوچ ہے درپیش سب کو ہو گدا یا بادشاہ
آگیا اس گھر میں جو وہ روز مہمان رہ گیا

آئے بیٹھے اُٹھ گئے کتنے حسین لیکن امیر
شکلِ آئینہ میں اُس محفل میں حیران رہ گیا

تصور میں زلفوں کے رویا کیا
میں بالوں میں موتی پرویا کیا

وہ ہنس ہنس کے نشتر چبھویا کیا
میں رو رو کے دامن بھگویا کیا

دہان و کمر کو دکھا کر وہ بُت
مجھے دونوں عالم سے کھویا کیا

عجب قدرتِ حق کے اے بت ہیں کھیل
کہ مٹی کے پُتلے کو گویا کیا

بُرا خواب غفلت کا ہو وقت کوچ
گئے میرے ساتھی میں سویا کیا

ہُوا جب سے وہ گل طرفدارِ غیر
مرے حق میں کانٹے ہی بویا کیا

تصور مژہ کا تری رات بھر
رگِ جاں میں نشتر چبھویا کیا

تڑپنے کی بسمل کے دیکھی نہ سیر
لہو سے وہ تلوار دھویا کیا

رہا خواب میں اُن سے شب بھر وصال
مرے بخت جاگے میں سویا کیا

خطِ سبز کے غم نے غوطے دیئے
خضر میری کشتی ڈبویا کیا

جوانی میں بھی یہاں نہ آئی ہنسی
میں اپنے لڑکپن کو رویا کیا

مزا وصل کی شب کا یوں بڑھ گیا
کہ کچھ دن چڑھے تک وہ سویا کیا

پسِ مرگ مٹی بھی اُس نے نہ دی
امیر آبرو مفت کھویا کیا

ہر جام میں ہے جلوۂ مستانہ کسی کا
میخانہ ہمارا ہے جلوخانہ کسی کا

جس آنکھ کو دیکھا ہے جلوخانہ کسی کا
جس دل پہ نظر کی وہ ہے کاشانہ کسی کا

جب دیکھتے ہیں ابر سیاہ کہتے ہیں ہم مست
جاتا ہے یہ اُڑتا ہوا میخانہ کسی کا

بُو زلف کی لاتی جو صبا میں نے یہ جانا
دل لینے کو آیا ہے یہ بیعانہ کسی کا

بدلی ہے کہ میخانہ ہے بجلی ہے کہ مے ہے
یہ رعد ہے یا نعرۂ مستانہ کسی کا

بیچل مجھے اُس قاتل عالم کی گلی میں
کچھ کام کرا ہے ہمتِ مردانہ کسی کا

ساقی نہ دکھا بہرِ خدا ساغر خالی
لبریز ہوا جاتا ہے پیمانہ کسی کا

یہ حُسن کے بازار میں کیا لوٹ پڑی ہے
سو دیتے ہیں پھرتا نہیں پیمانہ کسی کا

اے طالع بیدار میں سوتا ہوں خبردار
پہلو سے مرے ہو نہ جدا شانہ کسی کا

کیا تم سے کہوں دل کی خرابی کا میں احوال
برباد ہو اللہ نہ گھر ایسا کسی کا

ساقی ہے حیا بوجہ ستے ہے نگہ شرم
وہ جھپی ہوئی آنکھ ہے پیمانہ کسی کا

فرہاد پہ کیا گزری جو مجھ پر نہیں گزری
میں اپنے را کیوں کہوں افسانہ کسی کا

کچھ اور بڑھا دیتی ہے اُس حُسن کی مستی
ہر آئینہ چھوٹا سا ہے پیمانہ کسی کا

آوازِ پری صُور کی آواز کو سمجھا
محشر میں ہے مست اور دیوانہ کسی کا

نادان سمجھتے ہیں کہ ڈہا رہا ہے
کیا جانئے کس دھن میں ہے دیوانہ کسی کا

مستوں میں کیے کی دل بدمست کو ڈھونڈا
ہوگا انہیں دیوانوں میں دیوانہ کسی کا

ہوتی ہے جگہ گنج کی ویرانہ ہمیشہ
جو دل ہے شکستہ وہ ہے کاشانہ کسی کا

نکلا ہے کسی شمع جہاں سوز کی دھن میں
خورشید قیامت بھی ہے پروانہ کسی کا

کیونکر نہ ُسنیں شوق سے گل کان لگا کر
مرغانِ چمن کہتے ہیں افسانہ کسی کا

وہ حُسن ہے اللہ کی قدرت کا تماشا
رنگ اور بتوں سے ہے جدا گانہ کسی کا

بیکار امیر اپنے دل و دیدہ نہیں ہیں
آئینہ کسی کا ہے یہ وہ شانہ کسی کا

حیا بولی اُبھرا جو جوبن کسی کا
مٹا دوں گی میں چُلبلا پن کسی کا

کہا میں نے حاضر ہے دل تو وہ بولے
کہ احسان لیں میرے دشمن کسی کا

خراماں ہوئے وہ تو بولی نزاکت
کہ مجھ سے نہ سنبھلے گا دامن کسی کا

مہ چار دہ ہو کہ خورشیدِ محشر
کسی سے دبے گا نہ جوبن کسی کا

رقیبوں سے وہ خوش رقیب اُن سے راضی
بُرا کہلے میں کیوں ہوں دشمن کسی کا

چمکتی نہیں ابر سے برقِ تاباں
لٹکتا ہے پردے سے دامن کسی کا

نہیں پہلوئے گل میں دل تنگ غنچہ
جوانی سے روٹھا ہے جوبن کسی کا

ادھر بھی کرم اے نسیمِ بہاری
ترستا ہے پھولوں کو مدفن کسی کا

نظر جاتے ڈرتی ہے چین جبیں سے
یہ چلمن چھپائے ہے جوبن کسی کا

نہ کر خشک اے سوزِ غم خون میرا
مجھے اس سے رنگنا ہے دامن کسی کا

وہ کیا جانے ہوتی ہے کیسی جوانی
ابھی کھیلتا ہے لڑکپن کسی کا

گیا اس زرد سے عشق میں کوئی رویا
اٹھا چیخ اُٹھا سن کے شیون کسی کا

جوانی کی آمد ہے ہوتا ہے رخصت
وہ نازوں کا پالا لڑکپن کسی کا

شباب آچکا اب کسے دیکھنا ہے
امیر اُٹھ گے ہر بار جوبن کسی کا

تابِ گویائی نہیں رکھتا دہن تصویر کا
خامشی کہتے ہیں جس کو ہے سخن تصویر کا

ساتھ جائیگا عدم تک پیرہن تصویر کا
پیرہن تصویر کا ہو گا کفن تصویر کا

صدمۂ فرقت نے یہ صورت بدل دی ہے مری
بھیجدوں تو منہ تکیں اہلِ دل تصویر کا

حسن کھلتا ہے حسینوں کا جسے تکتی نگاہ
جسقدر دیکھو اُبھرتا ہے بان تصویر کا

فکرِ رنگیں کب ہوا کرتی ہے پیری میں ضعیف
خشک ہوتا ہے کہیں نا عملِ کہن تصویر کا

دیکھ جو کچھ سامنے آجائے منہ سے کچھ نہ بول
آنکھ آئینے کی پیدا اگر دہن تصویر کا

اور سب حسن ان گلوں میں ہیں بُو لیکن نہیں
رنگ لاکھوں بو نہیں رکھتا چمن تصویر کا

صانعِ قدرت کی ہے عالم میں صنعت سے نمود
بانکپن نقاش کا ہے بانکپن تصویر کا

غیر ممکن ہے کہ فیضِ اصل آئے نقل میں
نافہ کرتا ہے کہاں پیدا ہرن تصویر کا

کم نگاہی سے جو دیکھے حسنِ یوسف کی شبیہ
ایک کاغذ بھر اُتر جائے بدن تصویر کا

جلوہ گاہ یار میں ہر اک ہے حیرت سے دوچار
کرتی ہے نظارہ ساری انجمن تصویر کا

کشتۂ حیرت ہوں مجھ میں دم نہیں اے تیغ دار
زخم کھا کر کیا لہو دے گا بدن تصویر کا

جب سے پھولا ایک بھی گل اس کا مرجھایا نہیں
کیا دلِ پُر داغ میرا ہے چمن تصویر کا

مصور روشنی کھینچتا ہے جب مرا نقشہ امیر
تو کر دیتا ہے پانی پسینہ تن تصویر کا

شوق خلوت میں ہوا ہی انجمن آرائی کا
آئینہ خانہ ہے گوشہ مری تنہائی کا

پاؤں پر تیرے جو سر ہے ترے شیدائی کا
بوسہ مقصود ہی پردہ ہے جبیں سائی کا

پاؤں صحرا میں ٹکا کب ترے سودائی کا
دل میں لالے کے رہا داغ ہی تنہائی کا

در پر خون جو ٹپکا ترے سودائی کا
داغ اُچھلکر وہ ہوا لالۂ صحرائی کا

ہم ترے حسن کے بازار سے پھر جائیں کہاں
طور ٹھبکا ہو جو ہوشی سے تماشائی کا

بے ثباتیِ چمن حیرتِ نرگس سے کھلی
مل گیا کور سے سرمہ ہمیں بینائی کا

شگفتۂ شام نہیں ہے یہ مرے ماتم میں
منہ کو آیا ہے کلیجا شبِ تنہائی کا

لامکاں پر طلب احمد کو خدا نے بھی کیا
متحمل ہو بشر کیا غمِ تنہائی کا

روسفیدی مجھے حاصل ہے سیہ کاری میں — میں بھی کیا خطِ عمل ہوں کسی رسوائی کا

شوقِ دیدار میں اُٹھتی ہے جو ہر وقت نگاہ — ناتواں میں نہیں شبہہ ہے ناتوائی کا

دل کفار اُسی سے کیئے اللہ نے خلق — بچ رہا کچھ جو اندھیرا شبِ تنہائی کا

اُس رُخِ صاف کو دیکھوں تو بڑھے اور فروغ — سُرمہ ہو گردِ نظر آنکھ کی بینائی کا

ٹال جاتے ہیں مجھے دیکھ کے وہ خُلق کہاں — رنگ ہے مفلس و منعم کی شناسائی کا

دستِ گستاخ سحر کرد امنِ یوسف کو نہ چاک — اے زلیخا ہے یہ کوچہ تری رسوائی کا

کوئی آتا نہیں مجھ تک جو بجز یادِ خدا — لامکاں گوشہ ہے شاید مری تنہائی کا

تیغِ مژگاں کا غضب ہاتھ لگایا تونے — کٹ گیا ہائے نگہ چشمِ تماشائی کا

عین سجدے میں میسر ہے نظارہ اُس کا — چشمِ بینا ہے کہ داغ اپنی جبیں سائی کا

صحبتِ سردِ مہ جبیں میں بہلتا نہیں دل — لاکھ تصویریں ہوں پر رنج ہے تنہائی کا

شوق سے تیغ لگاؤ مجھے لیکن ہے یہ ڈر — خندۂ زخم ڈھنڈورا نہ ہو رسوائی کا

پیاس اس کی جو بجھے گی تو یہ کوثر سے
ظرف عالی ہے امیر احمد مینائی کا

داغ دیگا تجھے یہ شوق خود آرائی کا — دیکھ آئینہ ہے دشمن تری یکتائی کا

جسنے دیکھا ہے تجھے دیکھتے ہیں سب اُسکو — خلق ہے جمع تماشا ہے تماشائی کا

آنکھ دیکھ کے آئے ہیں مزے یں ایسے — خود وہ منہ چومتے ہیں اپنے تماشائی کا

راستی قلزمِ الفت میں رہی ہمکو پسند — جب کہا قصد کیا شبیر کی پیرائی کا

جو رپھولوں کے اُٹھا جی نہ چرائی بلبل — گھر میں صیاد کے ہے محکمہ گیرائی کا

تو بھی آئے تو نہ وہ آنکھ اُٹھا کر دیکھے — اور ہی رنگ ہے اب تیرے تماشائی کا

پیچ اُٹھا لوٹ گیا تونے اٹھائی جو نقاب — آج بھی چھوٹ گیا تیرے تماشائی کا

اے اجل جلد خبر لے کہ ڈراتا ہے مجھے — دیو بن بن کے اندھیرا شبِ تنہائی کا

دل مرا سینے میں کیا اتبو دو عالم میں نہیں
چلدیا بن کے خیال اُس بت ہرجائی کا

تجھ کو بھی جلوہ گہِ ناز میں روکا تھا ما
حوصلہ دیکھ لیا اپنے تماشائی کا

پھرتی ہے حسرتِ پابوس دو عالم میں تباہ
اک جگہ پاؤں ٹھہرتا نہیں ہرجائی کا

اپنے جلوے کو وہ خود دیکھ کے کہہ اُٹھتے ہیں
واہ کیا آنکھ ہے کیا دل ہے تماشائی کا

دشت میں لالہ ہے گلزار میں گل بزم میں شمع
ہر جگہ رنگ نیا ہے مرے ہرجائی کا

دوڑ کر برقِ تجلی نے سنبھالا اُس کو
لڑکھڑایا جو قدم تیرے تماشائی کا

سرِ شب و روز جو وحشت سے ہے چکر میں امیر
یہ بھی شاید ہے قدم اُس بت ہرجائی کا

موقوف بیخودی پہ ہے جلوہ حبیب کا
اپنی خودی پہ ہے مجھے دھوکا رقیب کا

صیاد کچھ تو پاس ہے لازم غریب کا
لٹکا ہے شاخ گل سے قفس عندلیب کا

اللہ رے پاس عشق میں مجھ کو حبیب کا
آنسو ٹپک پڑے جو دُکھا دل رقیب کا

ہوں وہ مریضِ غم کہ بدلتا ہے روز رنگ
ٹھہرا مرا مزاج بھی نسخہ طبیب کا

عشاق کی خزاں سے ہے معشوق کی بہار
غازہ ہے روئے گل کو لہو عندلیب کا

کس نے دہن یہ غنچے کو یارب دکھا دیا
اتنا سا ہو گیا ہے جو منہ اس غریب کا

سمجھے جسے تجلیِ نورِ خدا کلیم
در پردہ تھا جمال خدا کے حبیب کا

ہر سرو پر نثار ہوں ہر گُل پہ سینہ چاک
قمری کا دل ملا ہے جگر عندلیب کا

مارے خوشی کے جامے سے باہر ہے آئنہ
منہ دیکھ کر اُٹھا تھا یہ کس خوش نصیب کا

تار ایک ہی ہے سبحہ زنار کا امیر
اسلام و کفر میں بھی ہے رشتہ قریب کا

شبنم و گُل کو جو ہمنے ترے ہوتے دیکھا
تو اُسے چاک گریبان اُسے روتے دیکھا

کبھی موتی نہ ہوئے یار کے دانتوں سے سفید
آبرو مفت میں جھوٹوں کو ڈبوتے دیکھا

گھر مرا گورِ غریبان سے بھی بڑھ کر ہے خراب
گُل کو ہنستے نہ یہاں شمع کو روتے دیکھا

بن پڑی کیسی کہ غفلت میں لیا بوسۂ رُخ
جاگ اُٹھے بخت مرے اُسکو جو سوتے دیکھا

عیش میں سوختہ بختوں کو ہے اندوہ نصیب
شمع کو محفلِ شادی میں بھی روتے دیکھا

دِل ترے عاشقِ حیران کا شگفتہ کیا ہو
کس نے گُل غنچۂ تصویر کو ہوتے دیکھا

ہوں وہ عاشق کہ جلا دیں ہم رقابت سے جگر
شمع کو اشک سے دامن جو بھگوتے دیکھا

فتنہ ہے سارے زمانے کا ترا دانۂ خال
سیکڑوں محفلوں میں بس اسے لوتے دیکھا

کیا بُرا عشق کا کوچہ ہے کہ اس میں سبکو
جان کو مال کو ایمان کو کھوتے دیکھا

ہے مرض تم کو تو رونے کا ہمیشہ سے امیر
یوں ہی رومال پہ رُومال بھگونے دیکھا

تھا دھیان میں نقشہ جو تری جلوہ گری کا
مُنہ پھیر لیا دیکھ کے رُخ ہمنے پری کا

آخر ہوں میں عالم ہے چراغِ سحری کا
لو جلد خبر وقت نہیں بے خبری کا

ہر صبح کو یہ شور ہے مرغِ سحری کا
چونکو کہ زمانہ نہ رہا بے خبری کا

وقفہ نہیں اب بزم سے ہوتا ہے یہ رخصت
مُنہ دیکھ رہا ہوں میں چراغِ سحری کا

دیتا ہے خبر پر خبر احباب کا اُٹھنا
پر وہ نہیں اُٹھتا ہے مگر بیخبری کا

مستی میں کہیں دیکھ لی اُس ماہ کی رفتار
بہکا ہوا پڑتا ہے قدم کبکِ دری کا

اللہ کی قدرت کا تماشا وہ صنم ہے
چہرہ ہے اگر حور کا جوبن ہے پری کا

میخانے میں دورِ گلِ رنگ نہیں ہے
اندر کے اکھاڑے میں یہ ہے رقص پری کا

یاد آتا ہے گلزار میں اُس گُل کا وہ سونا
آنا وہ دبے پاؤں نسیمِ سحری کا

ڈر ہے یہ خبر اُڑ کے نہ صیاد کو پہنچے
اچھا نہیں چرچا مری بے بال و پری کا

کچھ روز ابھی صبر کر اے پنجۂ وحشت
بے موسمِ گل لُطف نہیں جامہ دری کا

احباب دمِ نزع مجھے دیکھ رہے ہیں
مُنہ تکتے ہیں پروانے چراغِ سحری کا

گھبرا کے چلے آئے مرے گھر وہ امیر آج
احسان ہُوا مجھ پر مری بے خبری کا

عمر برق و شرار ہے دنیا
کتنی بے اعتبار ہے دنیا

داغ سے کوئی دل نہیں خالی
کیا کوئی لالہ زار ہے دنیا

ہر جگہ جنگ ہر جگہ ہے نزاع
عرصۂ کارزار ہے دنیا

نشۂ عیش یاں نصیب کسے
کہ سراپا خمار ہے دنیا

یار باشی کا شوق ہے اس کو
یار لوگوں کی یار ہے دنیا

اہل رغبت سے کرتی ہے نفرت
بڑی پرہیزگار ہے دنیا

آنے جانے پہ سانس کے ہے مدار
سخت ناپائدار ہے دنیا

اپنے مستوں سے بھاگتی ہے مدام
کس قدر ہوشیار ہے دنیا

ایک جھونکے میں ہے اِدھر سے اُدھر
چاروں کی بہار ہے دنیا

کوئی کافر کوئی مسلمان ہے
مجمع نور و نار ہے دنیا

بدتر اسکو سمجھ خزاں سے امیر
دیکھنے کو بہار ہے دنیا

جی ہی لے گا غمِ جاناں میرا
مجھ کو کھا جائیگا ہجران میرا

ملک الموت جسے کہتے ہیں
زندگی بھر ہے نگہبان میرا

تجھ سے دامن ہے ترا چیں بہ جبیں
تنگ ہے مجھ سے گریبان میرا

شرم کی بات ہے اے دُزدِ کفن
گور دیکھے تن عریان میرا

چھیڑ ہے یہ بھی پریزادوں کی
نام رکھا ہے سلیمان میرا

ہوں وہ غم دوست جلوں میں پڑا آگ
بھُن کے دانہ ہو جو خندان میرا

رنگ لائی ہے یہ خوں بازیِ چشم
دامنِ گل ہے گریبان میرا

دفترِ دہر پریشان ہوا ابھی
دل جو ہو جائے پریشان میرا

بیت ابرو کے لکھے ہیں مضمون
دفترِ حسن ہے دیوان میرا

چار آنسو جو ندامت سے بہے
دھو گیا نامۂ عصیان میرا

پھر کہاں میں غمِ محبوب کہاں
اور دو دن ہے یہ مہمان میرا

ضعف سے ہوں صفتِ تارِ نظر
کیا کرے گی صفتِ مژگان میرا

رحم کر رحم گرا سے دستِ جنوں
پاؤں پڑتا ہے گریبان میرا

کیوں اُٹھا درد مرے پہلو سے
کیوں خفا مجھ سے ہے مہمان میرا

کیا دو رنگی ہے زمانے کی امیر
ہیں خوں زخم ہے خندان میرا

میرے دل میں اگر آپ آئیے گا
درد کی طرح چمک جائیے گا

میری تُربت پر اگر آئیے گا
عُمرِ رفتہ کو بھی بُلوائیے گا

سب کی نظروں پہ نہ چڑھیے اتنا
دیکھئے دل سے اُتر جائیے گا

آپ کے در سے میں اُٹھنے کا نہیں
کیا جنازہ ہے جو اُٹھوائیے گا

دیر کو چاہیے ابھی حضرتِ دل
کبھی کعبے کو بھی ہو آئیے گا

میں تو ہوں حضرتِ ناصح مدہوش
کون سمجھے گا جو سمجھائیے گا

زندگی میں تو نہ آئے اِک دن
آپ مرقد پہ ضرور آئیے گا

شیخ تا کیں تو کہے دخترِ رز
کیا میں شربت ہوں جو پی جائیے گا

اس قدر کیوں ہے دلِ زار سے ناز
بوجھ بیمار سے اُٹھوائیے گا

حکم ہے شمع بجھا دو شبِ وصل
کیا اندھیرے میں نہ گھبرائیے گا

آئیے نزع میں بالیں پہ مری
کوئی دم بیٹھ کے اُٹھ جائیے گا

وصل میں بوسۂ لب دیکے کہا
منہ سے کچھ اور نہ فرمائیے گا

زرق برق آپ کی بیوجہ نہیں — دردِ دل کو مرے چمکائیے گا
ہاتھ میں نے جو بڑھایا تو کہا — بس بہت پاؤں نہ پھیلائیے گا
زہر کھانے کو کہا تو بولے — ہم جلالیں گے جو مرجائیے گا
حسرتیں نزع میں بولیں مجھ سے — چھوڑ کر ہم کو کہاں جائیے گا
رنگ گُل ہو کے چمن میں رہیئے — بُوئے گُل ہو کے نہ اُڑ جائیے گا
دل مرا لے تو چکے ہیں سرکار — کہیں ناز اس سے نہ اُٹھوائیے گا
آپ سُنیئے تو کہانی دل کی — نیند آجائے گی سو جائیے گا
آنکھ میں پھیل نہ جائے کاجل — دیکھئے بن کے بگڑ جائیے گا

جس طرح عمر گذرتی ہے امیر
آپ بھی یوں ہی گزر جائیے گا

ہو چکا وعدہ کہ کل آیئے گا — دیکھئے اب نہ بدل جائیے گا
آئنہ دیکھ کے پچتائیے گا — دیکھیے دیکھیے شرمائیے گا
رنگ لے حضرتِ دل لائیے گا — کسی منہدی میں جو بس جائیے گا
وعدہ آنے کا جو فرمائیے گا — جیسے آج آئے تھے کل آئیے گا
دل کو قابو میں اگر لائیے گا — شوخ ہے خوب اسے تڑپائیے گا
اتنی گھر جانے کی جلدی کیا ہے — بیٹھیئے جائیے گا جائیے گا
داغ پر داغ وہ دے کر بولے — دل کو ان پھولوں سے بہلائیے گا
داورِ حشر سے میں ڈرتا ہوں — وہ زبردست ہے چھن جائیے گا
کہتے ہیں کہہ تو دیا آئیں گے — اب یہ کیا چڑ ہے کہ کب آئیے گا
ڈبڈبائے مرے آنسو تو کہا — روئیے گا تو ہنسے جائیے گا
ہائے کیا دیکھ کے دل دے کوئی — آنکھ کی طرح بدل جائیے گا

لاکھ پردوں میں وہ ہیں حضرتِ دل / کہیں دھوکا نہ کوئی کھائیے گا
ہے شبِ وصل حیا شام سے کیوں / جانِ من صبح کو شرمائیے گا
گھر سے چلیے مرے تابوت کے ساتھ / کہیں کترا کے نکل جائیے گا
بولے وہ آئنہ دکھلانے پر / کیا مجھی سے مجھے لڑوائیے گا
بیخودی کہتی ہے غش میں مجھ سے / آپ میں اَب نہ کبھی آئیے گا
رات اپنی ہے ٹھیریئے تو ذرا / آئیے بیٹھیے گھر جائیے گا
کہتے ہیں ہجر کا رونا کیا ہے / میں نہ آؤنگا تو آپ آئیے گا
گرمیاں دیکھیے کہتی ہے وہ تیغ / ٹھنڈے ہو لیجئے پھر جائیے گا

گرمیِ شوق یہی ہے تو امیر
آپ اسی آگ میں جل جائیے گا

کہا مژہ نے ہُوا جب مقابلہ دل کا / کہ اتنے نیشتر اور ایک آبلہ دِل کا
اُٹھو گلے سے لگا لو مٹے گلہ دل کا / ذرا سی بات میں ہوتا ہے فیصلہ دِل کا
دم آ کے آنکھوں میں اٹکے تو کچھ نہیں کھٹکا / اٹک نہ جائے الٰہی معاملہ دِل کا
مری بغل میں وہ بیٹھا تو غیر کو لیکر / دبا کے توڑ دیا اُس نے آبلہ دِل کا
کڑی نگاہ کی او سنگدل اٹھیگی نہ چوٹ / کہ شیشے سے کہیں نازک ہے آبلہ دِل کا
تمہارے غمزوں نے کھوئے ہیں ہوش صبر قرار / انہیں لٹیروں نے لُوٹا ہے قافلہ دِل کا
خدا ہی ہے جو کڑی چتونوں سے جان بچے / ہے آج دلشکنوں سے مقابلہ دِل کا
تم اپنی اُٹھتی جوانی کی شوخیاں دیکھو / اُبھر اُبھر کے بڑھاتی ہے ولولہ دِل کا
لپٹ گئے مرے سینے سے اُٹھ کے وصل کی شب / اُنہیں بھی آج مزہ دیگیا مزہ دِل کا
بدل کے یار نے چتون مٹا دئے جھگڑے / نہ میں رہا نہ رہا دل نہ وہ گلہ دِل کا
ہوئی رسائی تو ظالم نے کھول دی چوٹی / کہاں پہنچ کے ہوا قطع سلسلہ دِل کا

تڑپ ہے اُسکو جو ناوک کی اُسکو پیکاں کی
وہ مشغلہ ہے جگر کا یہ مشغلہ دل کا

پڑی نگاہ جو دل پر تو حسرتوں نے کہا
کہ تیر بھر کا ہے دلبر سے فاصلہ دل کا

جرس پکار رہا ہے کہ خیر ہو یا رب
چلا ہے راہِ محبت میں قافلہ دل کا

میں کاروان میں لڑاؤنگا تم کو یوسف سے
جرس سے نالوں میں ہوگا مقابلہ دل کا

وہ دن کہاں ہیں جو رہتا تھا ویسے شکوہ یار
اب اُس سے جا کے میں کرنے لگا گلہ دل کا

لگا کے یار کی تصویر اپنے سینے سے
نکال لیتے ہیں فرقت میں حوصلہ دل کا

عجب بہار جنوں خیز ہے کہ غنچے بھی
چٹک چٹک کے دکھاتے ہیں ولولہ دل کا

نہ سیرِ عرش ہے مشکل نہ قطعِ راہِ حرم
خدا کرے کہیں طے ہو یہ مرحلہ دل کا

تجلیاں دلِ سوزاں کی عشق میں دیکھو
بنا ہے عرش کی قندیل آبلہ دل کا

یہ جھک کے کہتی ہیں کانوں میں بجلیاں اُنکی
تڑپ میں ہوگا نہ ہمسے مقابلہ دل کا

امیر بھول بھلیاں ہے کوچۂ گیسو
تباہ کیوں نہ پھرے اس میں قافلہ دل کا

پرتو نہیں کب اسمیں کسی خوش جمال کا
بزمِ پری ہے آئنہ اپنے خیال کا

ہر ذرّہ آفتاب سے کرتا ہے ہمسری
اللہ رے داغ ترے پائمال کا

سمجھے ہیں جس کو اہل زمیں چرخ آبگوں
اِک شیشہ ہے مرے عرق انفعال کا

روشن دلوں کا عیب بھی بے شبہہ ہے ہنر
کیونکر نہ بڑھ کے بدر ہو ناخن ہلال کا

اے چشمِ یار بھاگ نہ مجھ تیرہ بخت سے
ہمراہ ہے غزال کے سایہ غزال کا

تیرِ نگہ جب اُس کا چلا ہے سوئے فلک
چلّہ اڑا دیا ہے کمانِ ہلال کا

کس زلفِ مشکفام کا عکس اسمیں پڑ گیا
عالم ہے آرسی میں جو نافِ غزال کا

ہل ہل کے ایسی دامنِ گیسو نے دی ہوا
شعلہ بھڑک گیا ترے حسن و جمال کا

کیا کام آئیگی تری گردش ارے فلک
فرقت کی شب سے روز بدلدے وصال کا

مجھ تک کب آسکیگی سپاہِ سزائے جرم
دریا ہے بیچ میں عرقِ انفعال کا

احمدؐ جو تھے رحیم نہ تھا سایہ اسلیے
دل پس نہ جائے زیرِ قدم پائمال کا

شوقِ جوابِ خط ہے دمِ نزع بھی امیر
ہوں منتظر میں قاصدِ فرخندہ فال کا

گور میں تم نے جو لاشے کو اُتارا ہوتا
اے بتو خاتمہ بالخیر ہمارا ہوتا

رُخِ جاناں کا میسّر جو نظارا ہوتا
مہرِ تاباں مری قسمت کا ستارا ہوتا

دیکھتے چہرے کو اپنے اگر آئینے میں
حال جو کچھ ہے ہمارا وہ تمہارا ہوتا

دل کو اُس زلف کا لازم تھا تصوّر اتنا
کہ دھواں آہ کا بھی عنبرِ سارا ہوتا

ہم وہ میکش ہیں کہ ہے اپنی نگاہوں میں اثر
سر کے بل دوڑتے شیشے جو اشارا ہوتا

وعدۂ قتل میں منظور تھا ایسا جو خلاف
ہاتھ پر ہاتھ نہ جلّاد نے مارا ہوتا

چاہی فرعون نے موسیٰ سے مدد چوک گیا
غرق ہوتا نہ اگر تم کو پکارا ہوتا

کیا نگہ بھی نہیں اُٹھ سکتی تھی خنجر کیطرح
تاک کر تم نے کوئی تیر ہی مارا ہوتا

نزع کے وقت چھپانی تھیں نہ تم کو پلکیں
ڈوبتے وقت تو تنکے کا سہارا ہوتا

خط مرا لیکے کبوتر جو پہنچتا اُس تک
نسرِ طائر مرے طالع کا ستارا ہوتا

غیر کے ساتھ پلاتے تو نہ پیتا میں شراب
ننگ کیونکر یہ مرے دل کو گوارا ہوتا

برخلاف ایسی ہوا باغِ جہاں کی ہے امیر
پھول کو ہاتھ لگاتا تو شرارا ہوتا

میری طرح نہ اک دن ابرِ بہار رویا
وہ ایک بار رویا میں لاکھ بار رویا

مجنوں سے میں نے پوچھا کل حال بیخودی کا
کچھ کہہ سکا نہ منہ سے پر زار زار رویا

کیا بیکسی کا عالم میرے مزار پر ہے
جو آگیا وہ بنکر شمعِ مزار رویا

آواز دے رہے ہیں مقتل میں زخمِ بسمل
خنداں ہوا جو پہلے انجام کار رویا

پوچھی امیر سے کل میں نے جو دل کی حالت
سینے پہ ہاتھ رکھ کر بے اختیار رویا

یہ گرم اپنا داغِ جگر ہوگیا
پسینے میں خورشید تر ہوگیا

سفر میرے حق میں حضر ہوگیا
جہاں تھک کے بیٹھا میں گھر ہوگیا

غضب اشکباری سے عقدے پڑے
کہ کوتاہ تارِ نظر ہوگیا

دکھائی سرے عشق نے شانِ حسن
تنِ زار موئے کمر ہوگیا

غضب ہیں تری چٹکیاں اے فلک
کلیجہ گلِ نیلوفر ہوگیا

دیا مژدۂ آبرو اشک کو
جو پانی کا قطرہ گہر ہوگیا

گیا اُڑ کے اُس شوخ کے ہاتھ تک
مرا نامہ خود نامہ بر ہوگیا

ملے ہیں شرر کے مجھے بال و پر
اڑا اور بے بال و پر ہوگیا

کہاں ہم کہاں در ترا شاہِ حسن
فقیرانہ یاں بھی گزر ہوگیا

وہاں پُرزے پُرزے ہُوا خط امیر
یہاں خاک میرا جگر ہوگیا

موقوف جُرم ہی پہ کرم کا ظہور تھا
بندے اگر قصور نہ کرتے قصور تھا

میرے سیاہ خانے میں شب کو وہ حُور تھا
پُتلی کی طرح پردۂ ظلمت میں نُور تھا

اے برقِ حُسنِ یار یہ اچھا ظہور تھا
دیدار کو کلیم تھے جلنے کو طُور تھا

واعظ دبی زبان سے کرتا تھا ذکرِ حُور
اتنا لحاظ دخترِ رز کا ضرور تھا

بانٹا تمام خلق کو اللہ نے وہی
جو کچھ بچا ہُوا تری خلقت سے نور تھا

اے شورِ حشر قہر کیا کیوں جگا دیا
گوشہ مزار کا مجھے آغوشِ حُور تھا

ہم کیا کہ میکدے میں ترے جامِ چشم سے
جو شیشہ تھا وہ نشۂ مستی سے چُور تھا

آیا بڑا مزہ مجھے مجلس میں وعظ کی
واعظ تھا مست ذکرِ شرابِ طہور تھا

آجائے بس میں وہ تو کہوں میں شب وصال
عجز و نیاز اِدھر تو اُدھر تو تھا غرور و ناز

میرے عمل تو قابلِ دوزخ ہی تھے مگر
جتنے تھے ہم قریب وہ اُتنا ہی دُور تھا

لپٹا میں بوسہ لیکے تو بولے کہ دیکھئے
کرتا جو وہ نہ رحم تو رحمت سے دُور تھا

کِس کِس کو روکتا شبِ فرقت کہ میں تو ایک
یہ دوسری خطا ہے وہ پہلا قصور تھا

تھا اُن کی شوخیوں سے مقابل جگر بھی کچھ
اور جان بیقرار تھی دلِ ناصبور تھا

نیچی رقیب سے نہ ہوئی آنکھ عمر بھر
پورا مگر جواب دلِ ناصبور تھا

فرقت میں کیوں نہ تھا کسی کروٹ مجھے قرار
جھکتا میں کیا نظر میں تمہارا غرور تھا

وہ شوخیاں کہاں گئیں جن پر غرور تھا
کیا دونوں پہلوؤں میں دلِ ناصبور تھا

کیا بات امیرؔ جوشِ نشاطِ شباب کی
غم آتے آتے دل میں ہمارے سرور تھا

اُستاد میل جول میں اُس کا ظہور تھا
پریوں میں تھا پری وہ حوروں میں حور تھا

جب تک کہ چشمِ شوق میں وحدت کا نور تھا
جس بام پر نگاہ پڑی کوہِ طور تھا

ہم سے گناہگار جو محروم رہ گئے
ساقی مگر یہ جامِ شرابِ طہور تھا

صورت تیری دکھا کے کہونگا یہ روزِ حشر
آنکھوں کا کچھ گناہ نہ دل کا قصور تھا

قاتل نہ چھوڑنا تھا غریبوں کو نیم جان
ایک آدھ ہاتھ اور لگانا ضرور تھا

وہ لطفِ انتظار وہ سامانِ وصل ہائے
دل کو غمِ فراق میں بھی کیا سرور تھا

مہمان ایک آن کی تھی آن حُسن کی
اتنی سی بات پر تمہیں اِتنا غرور تھا

پیتے تھے ہم ادب سے وضو کرکے جن دنوں
ہر ایک جام جامِ شرابِ طہور تھا

اس شان سے وہ آئے کہ ہم کر سکے نہ بات
آنکھیں تھیں مستِ ناز نظر میں غرور تھا

دشمن مرے بُرائی کریں اور تم سُنو
اُن سے یہ نہ تھا بعید مگر تم سے دُور تھا

تڑپا جو وقتِ ذبح تو میری تھی یہ خطا
خنجر کیا نہ تیز یہ کِس کا قصور تھا

آغازِ عشق ہی سے سب آثار تھے بُرے
پہلے ہی تجھ سے صبرِ دلِ ناصبور تھا

شکوہ کسی سے دل شکنی کا کروں میں کیا
یہ شیشہ چوٹ کھانے سے پہلے ہی چُور تھا

اُس حُور نے نقاب اُٹھا کر دکھا دِیا
ستر ہزار پردوں میں پنہاں جو نور تھا

وہ شوخ آنکھ شوخ نگہ شوخ تھی مگر
سب کا جواب ایک دلِ ناصبور تھا

ہمزاد کا پتہ تو کہاں دستِ عشق میں
سایہ بھی میرا مجھ سے بہت دُور دور تھا

اک نیمجان کا کام نہ پورا ہُوا امیر
قاتل کو تیغِ ناز پہ ناحق غرور تھا

پہلو میں میرے بیٹھ کے بھی مجھ سے دُور تھا
تصویر کی طرح وہ سراپا غرور تھا

جنت تھا جسم روح میں اندازِ حُور تھا
سمجھے نہ ہم یہ فہم کا اپنے قصور تھا

اُس حُور نے جو ہاتھ سے اپنے پلا دیا
پانی میں بھی سُرورِ شرابِ طہور تھا

جتنی تھی عاجزی وہ مجھی کو عطا ہوئی
بخشا خدا نے آپ کو جتنا غرور تھا

ہُو حق تمام وعظ کی مجلس میں مچ گئی
چوتھی شراب ذکرِ شرابِ طہور تھا

سمجھے تھے جس کو مردمکِ چشمِ یار ہم
دستِ پری میں دامنِ گیسوی حُور تھا

شاہوں سے پوچھتی ہے تہِ خاکِ عاجزی
کیسی یہ تمکنت تھی یہ کیسا غرور تھا

وحدت میں قرب و بُعد کی گنجائشیں کہاں
کیونکر کہوں قریب کہ وہ مجھ سے دُور تھا

صبحِ شبِ وصال وہ بولے کہ واہ واہ
کیا سستے چھوٹے کہکے کہ میرا قصور تھا

جب تک وہ آئیں آئیں تڑپ کر یہ چلدیا
کیا جلد باز ہائے دلِ ناصبور تھا

اُسکی کڑی نظر کی اُٹھائی گئی نہ چوٹ
لگتے ہی ٹھیس شیشۂ دل چُور چُور تھا

کیا کہئے تھا وصال میں کس کس کو اضطراب
رگ رگ میں میری رنگِ دلِ ناصبور تھا

تھے خال رُخ پہ رُخ تھا نہ گیسوے سیاہ
ظلمت وہ نُور میں تھی یہ ظلمت میں نور تھا

پہلو میں وہ جو آئے تو کیسا ٹھہر گیا
بگڑا ہُوا مجھی سے دلِ ناصبور تھا

آئی جو شامِ وعدہ تو مہندی طلب ہوئی
مطلب کے وقت دیکھئے کیسا شعور تھا

بجلی چمک گئی تو یہ عشاق سے کہا
تم میں سے یہ کسی کا دلِ ناصبور تھا

سو شعر ایک جلسے میں کہتے تھے ہم امیر
جب تک نہ شعر کہنے میں ہم کو شعور تھا

غیر تو زندہ ہے پھر غم ہے مری جان کس کا
سوگ رکھے ہوئے ہے زلفِ پریشان کس کا

عمر گزری مجھے اس بزم میں لیکن نہ کھلا
میزبان کون ہے میرا میں ہوں مہمان کس کا

وصل میں بھی جو نکلتا نہیں دل سے باہر
منہ چھپائے ہوئے بیٹھا ہے یہ ارمان کس کا

دیکھ کر مجھ کو وہ انداز و ادا سے بولے
کہ اسے کس نے بلایا یہ ہے مہمان کس کا

منہ ترا چومتی ہے روز شکایت کس کی
ذکر رہتا ہے بدی سے یہ مری جان کس کا

میں بھی ہوں تم بھی ہو آئنہ بھی ہو محفل میں
دیکھو پھر حال زیادہ ہے پریشان کس کا

رو رہا ہوں میں یہ کس پردہ نشیں کے غم میں
ڈھونڈنے نکلے ہیں آنسو مرے دامان کس کا

یاں تو ہے دل میں کھٹک اور وہ فرماتے ہیں
سچ کہو تم یہ چرا لائے ہو پیکان کس کا

خون میں بھر کے جو نکلا مرے دل سے تو کہا
لپٹ آیا یہ مرے تیر سے ارمان کس کا

جب کہا روز نمک زخم پہ چھڑکے کوئی
بولے وہ مفت کا ایسا ہے نمکدان کس کا

بوسہ جوڑے کو دیا میں نے تو ہنس کر بولے
آگیا کفر کی مٹھی میں یہ ایمان کس کا

لٹ گیا وصل میں جوبن تو یہ غمزے سے کہا
ہٹ مرے پاس سے اب ہے نگہبان کس کا

سوچ تو کس کے نکلنے کی یہ حسرت ہے امیر
بیمروت یہ ترے دل میں ہے ارمان کس کا

پردہ اُس چہرے سے جُدا نہ ہُوا
ہائے دم بھی مرے ہوا نہ ہوا

جب ہوا وعدہ اور وفا نہ ہُوا
ہو گیا ایک سب ہُوا نہ ہوا

کامِ جان حسبِ مُدعا نہ ہُوا
دل پسا تو مگر حنا نہ ہُوا

ہائے بیدرد کیا مزہ ہوتا — تیرے پہلو میں دل مرا نہ ہوا
یار ثابت قدم تھا شوقِ وصال — کہ شبِ ہجر بھی جدا نہ ہوا
دھوم تھی اُن کی لن ترانی کی — کیا کہیں ہم سے سامنا نہ ہوا
ہائے رے شرم اُس پریرو کی — آئنہ صورت آشنا نہ ہوا
خامشی میں بھی کیا حلاوت ہے — گو کبھی لب سے لب جدا نہ ہوا
تیس دن مے پلائی ساقی نے — ایک روزہ مرا قضا نہ ہوا
فتنے کہتے ہیں اُن نگاہوں سے — چشم بد دُور تم سے کیا نہ ہوا
کیوں نہ منصور دار پر کھپتا — رازداری کا حق ادا نہ ہوا
داغ دلسوز تو ہوا اے درد — تو کسی درد کی دوا نہ ہوا
آئنہ دل کا بے مثال رہا — کسی صورت سے آشنا نہ ہوا
شکر کر اس نمک فشانی کی — مُنہ تو زخموں کا بے مزا نہ ہوا
کھیت لاکھوں بہے مگر قاتل — سبزہ شمشیر کا ہرا نہ ہوا
پتلیاں بھی بدل گئیں ہنگامِ نزع — وقت پر کوئی آشنا نہ ہوا
شرمِ عصیاں سے جو بہا آنسو — اُس کی رحمت کو اک بہانہ ہوا
مجھ کو دردِ آشنا کیا لیکن — درد خود درد آشنا نہ ہوا
اُسنے سو سو طرح گلا گھونٹا — خوف سے دم مرا خفا نہ ہوا
دل ہوا خون پر وفا ہے وہی — رنگ اس پھول سے جدا نہ ہوا
بیوفائی کو تیری لگتا داغ — وعدہ اچھّا ہوا وفا نہ ہوا
کہتے ہیں اب تو رُٹ ہے شکووں کی — چپڑہ ہماری ہوئی گلا نہ ہوا
کوئی دم رکھدے ہاتھ سے خودبیں — آرسی کٹھری آئنا نہ ہوا
کنگھی کیسی جو پھول کنگھی کا — چھو لیا اُس نے درد شانہ ہوا

صورتِ لالہ اس چمن میں امیر
داغ دل سے مرے جدا نہوا

اے فلک یہ رُت یہ متوالی گھٹا
اب تو راتیں ہجر کی کالی گھٹا

لائے ساقی کو بھی متوالی گھٹا
کچھ مزہ دیتی نہیں خالی گھٹا

تم بھی جوڑا کھولدو وہ آگئی
بال کھولے گیسوؤں والی گھٹا

گل نہیں پھولے چمن میں لائی ہے
میکشوں کی نذر کو ڈالی گھٹا

پھونک دینگی اُسکی ٹھنڈی گرمیاں
جیت لیگی برق سے پالی گھٹا

پان کی لالی پہ ہے بجلی نثار
مِسّی پر قربان ہے کالی گھٹا

جان پر تو بہ کی ٹوٹیں بجلیاں
خوب برسی بجلیوں والی گھٹا

حلقۂ گیسو نہیں پھرتی ہے گرو
دیکھ کر اُس کان کی بالی گھٹا

پھول چلکر باغ میں مستو بیو
آئی ہے لینے کو متوالی گھٹا

رنگ پھیکا آئے بجلی کا نظر
دیکھ لے اُس لب کی گر لالی گھٹا

ہے سیہ مستوں سے ایسا میل جول
رعد انہیں گھڑکے تو دے گالی گھٹا

کچھ تو ہو اے چرخ برسے یا کھُلے
کیسی امسال جنجالی گھٹا

کیا گلے ملتی ہے متوالوں سے آج
کھول کر آغوش متوالی گھٹا

ہجر ساقی میں برستی یہ نہیں
کرتی ہے رو رو کے دل خالی گھٹا

ساقیا مے چھان کر اس میں پلا
چھاننے کو لائی ہے جالی گھٹا

گورے گورے گال تیری بجلیاں
کالی کالی کاکلیں کالی گھٹا

لوٹتے ہیں سانپ سینے پر امیر
دیکھ کر فرقت کی شب کالی گھٹا

دیکھے ان کانوں کی گر بالی گھٹا
اپنی بجلی پھینکدے کالی گھٹا

دخترِ رز کو لاتی ہے مستوں کے پاس
کرتی ہے در پردہ دلالی گھٹا

رات دن لٹتے ہیں موتی ہر طرف
کیا تری سرکار ہے عالی گھٹا

ایسی ہے سرکار ساقی کی بلند
رعد ہے گھڑیال گھڑیالی گھٹا

مست تجھ کو دیکھ کر پیتے ہیں مے
ہے بڑی تیری خوش اقبالی گھٹا

جان کو مستوں کی تھی توبہ عذاب
یہ بڑی تو نے بلا ٹالی گھٹا

دل پہ غم چھایا ہے بدلی کی طرح
اے مرے مولا مرے والی گھٹا

آگئیں پھر واعظوں کی شامتیں
آج پھر آئی وہ کل والی گھٹا

ساقیا کرتی ہے مستوں کو نہال
تیری پھلواری کی ہے مالی گھٹا

تاک میں تیری ہوا میخوار مست
کس سے ہوگی تیری رکھوالی گھٹا

آپ اچھے وقت پر آئے امیر
خوب میخانے پہ جب چھالی گھٹا

نکالتی ہے چاند سا منہ کسی کا
ستارہ ہے چمکا ہوا آرسی کا

ہنسی آنے میں کیوں لجائیں نہ آنکھیں
تبسم یہ منہ چومتا ہے کسی کا

اڑاتی ہے آنکھ اس سے ڈرتی نہیں ہے
ذرا دیدہ دیکھے کوئی آرسی کا

یہ کیا ہے کہ جب مانگیے ان سے بوسہ
تو منہ دیکھنے لگتے ہیں آرسی کا

دبائے تو لاکھا ہی شاید دبائے
بہت شوخ ہے رنگ انکی مسی کا

چڑھاتی ہے منہ جب ملتے ہیں مسی
میں پاؤں تو منہ توڑ دوں آرسی کا

دمِ رقص ہاتھوں کو اتنا نہ پیسو
کہیں یار دل پس نہ جائے کسی کا

ہنسا عکس ہنسنے پر انکے تو بولے
کہ میرے ترے واسطہ کیا ہنسی کا

نہ غیروں کی حسرت بر آئی نہ میری
کبھی کام تم سے نہ نکلا کسی کا

جھلک انکے ہونٹوں پہ دکھلا کے چلدی
لجانا ذرا کوئی دیکھے ہنسی کا

قضا نے کچھ اس ناز سے جان مانگی
کہ یاد آگیا مجھ کو غمزہ کسی کا

کبھی اُس کے لب پر کبھی اُسکے لب پر
ٹھہرتا نہیں پاؤں چنچل ہنسی کا

کیا دل نے یہ کھکے سینے کو خالی
کہ ارمان اب اس میں رہیگا کسی کا

یہ اوچھا پن اے زخم اچھا نہیں ہے
کہ رونا ہے انجام ایسی ہنسی کا

مجھے موت آئی تو حسرت پکاری
کہ دُنیا سے وارث اُٹھا بیکسی کا

یہی ہے نزاکت جو اُنکی تو لے دل
کبھی وقت آجائیگا بے بسی کا

یہ گورِ غریباں میں کہتی ہے حسرت
کہ اصلی وطن ہے یہی بیکسی کا

کوئی اُن کو چھیڑے زہے بدگمانی
وہ کہتے ہیں یہ کام تو ہے اُسی کا

مرے ساتھ تربت میں حسرت تو آئی
ہوا حال کیا جانے کیا بیکسی کا

نہالِ محبّت مرا رنگ لایا
وہ پھولوں میں آئے یہ پھل ہے اُسی کا

کوئی بوسہ مانگے کوئی وصل چاہے
وہ کہتے ہیں لو ہوگیا میں اُسی کا

نہ پلٹا کبوتر نہ قاصد ہی آیا
وہاں جو گیا ہو رہا وہ اُسی کا

امیر اک مرقع ہے یہ دارِ فانی
غم و کلفت و حسرت و بیکسی کا

مرے پھولوں میں کیا ہے موقع ہنسی کا
نہ اتنا بھی بے درد ہو دل کسی کا

اُٹھانے کو رکھا ہے لاشہ کسی کا
یہ کیا وقت ہے آئنے آرسی کا

نہیں وصل و ہجر اک مرقع کھچا ہے
تری بے بسی کا مری بیکسی کا

دکھاتی ہے ہر صبح اُن کو وہ عالم
کہ مُنہ چوم لیتے ہیں وہ آرسی کا

وہ کہتے ہیں ہونٹوں کا بوسہ نہ دونگا
اُتر جائیگا رنگ میری مسی کا

مری چشمِ حیران میں دیکھ اپنا جلوہ
ترے پاس کیا کام ہے آرسی کا

بہم ملتی جلتی ہے دونوں کی رنگت
سلامت رہے جوڑ سُرمے مسی کا

نہ منہ ہی ملیں وہ نہ لاکھا جمائیں
وہاں رنگ جمتا نہیں ہے کسی کا

ترے لب جو نازک ہیں ڈرتی ہے آتے
جھجکتی ہے پڑتا نہیں مُنہ ہنسی کا

گھٹا کالی کالی جو آئی میں سمجھا
کھُلا ہوگا اس وقت جُوڑا کسی کا

تبسّم ہے غنچوں میں پھولوں میں خندہ
چمن میں کوئی رنگ دیکھے ہنسی کا

مناسب ہے ارمان دل سے نہ نکلے
اکیلے میں گھبرائے گا غم کسی کا

لبِ زخم مقتل میں کیسا تبسّم
بھلا یہ بھی موقع ہے کوئی ہنسی کا

یہ بے چھیڑے ہی روئے دیتی ہے ساقی
مزہ دخترِ رز سے کیا ہے ہنسی کا

ترس کھا کے کی اُس نے بیکس نوازی
مرے سر پر احسان ہے بیکسی کا

بنا ہی ہے حنا ہاتھ پاؤں میں اُنکے
ابھی چھیڑ لوں وقت ہے بے بسی کا

شبِ غم اجل کو بلایا تو بولی
مجھے دل دُکھانا نہیں بےکسی کا

بناوٹ سمجھتے ہو رونے کو میرے
مجھے تو ہے ایجان رونا اسی کا

شبِ غم کہو درد اُٹھے آہ نکلے
مزہ آج بھی بھر کے ہو بےکسی کا

وہ کہتے ہیں دو اور مجھ کو دعائیں
یہ سب گالیاں ہیں نتیجہ اُسی کا

دکھا کر اُسے روزِ محشر کہونگا
کہ سرکار میں نالشی ہوں اسی کا

نہ بھولوں گا خنجر مرے دم میں دم ہے
دمِ نزع بھی دم بھرونگا اُسی کا

غنی ہے مرا دل یہ کیا کم ہے دولت
گدا میرے دشمن کریں مُفلسی کا

نگہ برچھیاں غمزہ چھُریاں لگائے
مرا ایک دل ہوگیا وہ اسی کا

شبِ غم نہ دیگا کوئی ساتھ میرا
امیرؔ آسرا ہے تو کچھ بےکسی کا

دھیان آیا دل میں اُس ہنسی کا
غم کو موقع ملا خوشی کا

اُن ہونٹوں پہ کھیلنا ہنسی کا
کھِلنا دکھلا گیا کلی کا

گھورا جو اُنھیں بہت تو بولے | کچھ تو حق چھوڑو آرسی کا

کیں دست درازیاں صبا نے | اُمگا جوبن کلی کلی کا

مرنے نہیں دیتی مجھ کو یہ کوفت | وارث نہیں کوئی بے کسی کا

ڈورے نشے کے دختِ زر سے | در پردہ ہیں رشتہ دل لگی کا

جان بخش لبوں پہ ان بتوں کے | مرنے میں مزہ ہے زندگی کا

تھا عکس حریف کیوں نہ روکا | کیا مُنہ ٹوٹا تھا آرسی کا

ہے تازہ طلسم رُخ پہ وہ زُلف | اک حُور پہ سایہ ہے پری کا

گُلگیر ہوں میں وہ شمعِ محفل | رہتا ہے مزہ جلی کٹی کا

بجلی کی پڑے نقاب اُس پر | نقشہ جو کھچے تری ہنسی کا

کاجل یہ نہیں ہے انکھڑیوں میں | اُٹھا ہے دھواں تری مستی کا

ہنس ہنس کے چمن میں میرے گل نے | عقدہ کھولا کلی کلی کا

بجلی چمکی تو میں یہ سمجھا | آنچل اٹکا کبھی پری کا

بجلی شبِ مہ میں ہیں وہ آنکھیں | جل جائے نہ کھیت چاندنی کا

تکیوں میں مٹی ہوئی بھی قبریں | دیتی ہیں پتہ کسی کسی کا

آجائے اِدھر بھی دور کرتا | ساغر کسی چشمِ نرگسی کا

آتی ہے صدائے درد چھن کر | سینہ چھلنی ہے بانسلی کا

کیا ساتھ دیا امیر میرا
قائل ہوں میں وضعِ بے کسی کا

ردیف بائے موحدہ

پوری مراد دل ہو کہ چھوٹے مرا نصیب | چلتا ہوں اہنو کوچۂ قاتل کو یا نصیب

اُس رشکِ مہر کو ہے خود آرائیوں کا شوق / ان روزوں آئینے کا ہے چمکا ہوا نصیب

وہ دِل مجھے خدا نے دیا ہے کہ عشق میں / آیا یہاں جو غم تو پکارا خوشا نصیب

چاہِ ذقن سے چھوٹ کے پھنسا گیسوؤں میں دل / دیکھے نہیں زمانے میں ایسے بلا نصیب

دیکھا نہ ایک رنگ جہانِ دو رنگ میں / اچھا کسی کا ہے تو کسی کا بُرا نصیب

مقتل میں دیکھ کر مجھے بیکس ہوا وہ نرم / اُس جنگجو سے صلح ہوئی لڑ گیا نصیب

وہ داغ ہوں نہیں ہے جو مرہم سے آشنا / وہ درد ہوں میں جس کو نہیں ہے دوا نصیب

جا ہی چکا تھا گھر میں میں دیوار پھاند کر / دربانِ یار جاگ اُٹھا سو گیا نصیب

ساقی نے دے کے جام کفِ رعشہ دار میں / مجھ سے کہا کہ لے مگر آگے ترا نصیب

گزرا مہِ صیام وہی پھر ہے میکشی / دروازے میکدوں کے کھلے کھل گیا نصیب

پہنچے ہیں محنتوں سے درِ یار تک امیر
دیکھیں اب آگے ہم کو دکھاتا کیا نصیب

حالِ فنائے دہر سے غافل نہیں حباب / ہر دم کو جانتا ہے دمِ واپسیں حباب

اعلیٰ پر اسفلوں کو ہے بحرِ جہاں میں فوق / دریا میں موتیوں سے ہے بالانشین حباب

دیتا ہے بے ثباتیِ افلاک کی خبر / جامِ جہاں نما سے ہمیں کم نہیں حباب

تقلید میرے دیدۂ تر کی اگر کرے / کر لے تمام بحر کو زیرِ نگیں حباب

پہچانتے ہیں خوب جو ہیں معنی آشنا / دیتا ہے نقشِ آب سپہرِ بریں حباب

ساحل پہ بہرِ غسل اُتارو نہ پیرہن / دیکھے نہ تم کو آنکھ بچا کر کہیں حباب

دروازہ روئے خلق پہ گھر کا کیا ہے بند / رکھتا ہے طرفہ دیدۂ انجام بیں حباب

چشمِ غضب سے تم کبھی دیکھو تو کیا عجب / گھبرا کے پائے موج پہ رکھ دے جبیں حباب

ہے پانی پانی آنکھ اُٹھاتا نہیں امیر
کیا میری چشمِ تر سے ہوا شرمگیں حباب

عشق بت سے بھی تھا خدا مطلب
اور واللہ کچھ نہ تھا مطلب

ایک دیدار ہے مرا مطلب
دوسرا ہے نہ تیسرا مطلب

مانتے گو تو میں نہیں کہتا
جانِ من سُن تو لو ذرا مطلب

خط مرا کچھ اِدھر اُدھر سے پڑھا
بیچ سے وہ اڑا گیا مطلب

وصل کے نام پر کہا کیا خوب
جو مری چڑھ وہ آپ کا مطلب

اُس سے آنکھوں میں ہو گئیں باتیں
بے عبارت ادا ہوا مطلب

ایک جان اور حسرتیں لاکھوں
ایک دل اور ہزار ہا مطلب

مُنہ لگے کون روز ناصح کے
بات سمجھے نہ بات کا مطلب

کیوں ملائیں وہ آنکھ اب ہم سے
لے چکے دل نکل گیا مطلب

یہ ادب کا لحاظ تھا شبِ وصل
دِل سے لب تک نہ آسکا مطلب

عیش ہو اور امیر کا آقا
ہے یہ بندے کا یا خدا مطلب

ردیف بائے فارسی

کہتا ہوں یہیں سو رہو دیکھو ہے بڑی دھوپ
اِس وقت کہاں جاؤ گے پڑتی ہے کڑی دھوپ

ہو جائیگا اے شیخ مرا دامن تر خشک
میدانِ قیامت میں پڑیگی جو کڑی دھوپ

دونوں کو بڑا عشق ہے اُس گیسو و رُخ کا
آپس میں رقابت ہوئی سائے سے لڑی دھوپ

اے دل نہ شبِ وصل کی آمد میں ہو بیتاب
ہے شام قریب اور ہے دو چار گھڑی دھوپ

موقوف کرو قصدِ سفر آنے دو جاڑے
گرمی کا یہ موسم ہے بڑے دن میں بڑی دھوپ

اے ابرِ کرم باغ میں ہو سایہ فگن جلد
نرگس نہ کہیں غش ہو کہ کھاتی ہے کھڑی دھوپ

اللہ بچائے جو حلیم آئے غضب میں
ظاہر ہے کہ برسات میں ہوتی ہے کڑی دھوپ

ذرّوں سے ہوا گرم یہ گلشن جو ہلے نخل
شبنم کے عوض رات کو پتّوں سے جھڑی دھوپ

سختی سے دن اُس گل کی جُدائی میں ہوا ختم
کانٹے کی طرح آبلۂ دل میں گڑی دھوپ

کیا نور ہے فراش نے اُس مہر کے گھر میں
جب فرش کو جھاڑا عوضِ گرد جھڑی دھوپ

برسات میں دکھلاؤ کبھی رُخ کبھی گیسو
دو چار گھڑی سایہ ہو دو چار گھڑی دھوپ

اُس گھر میں امیر آئی ہے لیکر مجھے تقدیر
ہے شب کو جہاں اوس پڑے دن کو کڑی دھوپ

میری تربت پر کھلے بالوں اگر آئیں گے آپ
حشر تک خواب پریشان مجھ کو دکھلائیں گے آپ

حسن کے افشان چاند سا چہرہ جو دکھلائیں گے آپ
چاندنی چھٹکے گی خود تارے نکل آئیں گے آپ

کہدو رضوان سے یہی پھل پھول سبزہ واں بھی ہے
اور کیا جنت میں رکھا ہے جو دکھلائیں گے آپ

دیکھ کر زلف اُن سے کہتے ہیں ہوا خواہانِ عشق
کیا اسی دامن سے دل کی آگ بھڑکائیں گے آپ

وصل میں جب رنگ چہرے کا ہے زرد آنکھیں ہیں سُرخ
حضرتِ دل ہجر میں کیا رنگ دکھلائیں گے آپ

کیا ندامت کی ہے حاجت ہیں ہم مجرم تو کریم
دیکھا دریا تری رحمت کے لہرائیں گے آپ

مجھ سے ہمچشموں میں تو سرکار کا یہ حال ہے
جب نہ ہوگا کوئی تو کس طرح پیش آئیں گے آپ

حضرتِ غم دل مرا گھر آپ کا ہے آئیے
پر ہیں بے سامان بہت ہم آکے کیا پائیں گے آپ

کوئی ایذا آج ہی چھوڑی نہیں بہرِ امیر
کل جو وہ آئیگا تو کس طرح تڑپائیں گے آپ

مجھ کو کیا جس کو جب ملیں گے آپ
وہ یہ پوچھے گا کب ملیں گے آپ

آنے پائے جو بزمِ عیش میں ہم
مثلِ سازِ طرب ملیں گے آپ

ہاتھ پھیلا کے لی جو انگڑائی
ہیں یہ سمجھا کہ اب ملیں گے آپ

ہوش عاشق کے کھو کے وصل کی شب
مثلِ بنت العنب ملیں گے آپ

خاک میں بھی ملا چکے ہم کو
نہ ملے اب تو کب ملیں گے آپ

حرف مدغم کی طرح وصل کی شب
نہ جُدا ہونگے جب ملیں گے آپ

ق

ہے تعلی مزاجِ عالی میں / اور خوبوں میں کب ملیں گے آپ

رفتہ رفتہ جنابِ یوسف سے / جا کے مثلِ نسب ملیں گے آپ

خاصۃً آپ میں ہے دولت کا / بخت چمکیں گے جب ملیں گے آپ

جان دینے کا تب ملے گا مزہ / دل کے مانند جب ملیں گے آپ

آئیے دونوں وقت ملتے ہیں / رُک رہے اب تو کب ملیں گے آپ

ہجر ہے کون آپ میں آئیے / مل رہونگا میں جب ملیں گے آپ

آنکھ سے آنکھ دل سے دل ملجائے / کہیے اس طرح کب ملیں گے آپ

تپشِ دل کا میری ہوگا علاج / نبض کی طرح جب ملیں گے آپ

ڈھونڈنا ہے عبث امیر سبب / ایک دن بے سبب ملیں گے آپ

ردیف تائے قرشت

ہیں ترے عارض و گیسوئے معنبر دن رات / پر یہ حیرت ہے کہ یکجا ہوئے کیونکر دن رات

تیری شمشیر ادا سے ہے زمانہ بھی دو نیم / ہیں اسی وجہ سے دو ٹکڑے برابر دن رات

یہ بھی شاید تری بیداد کے فریادی ہیں / ماہ و خورشید جو پھرتے ہیں کھلے سر دن رات

میری آہوں کے دھوئیں سے یہ زمانہ ہے سیاہ / کہ نظر آتے ہیں اب چرخ پر اخضر دن رات

منزلِ کوچۂ جاناں کی ہے کیا انکو تلاش / ہے فلک پر جو مہ و مہر کو چکر دن رات

یوں مرے دل کو ہے عشقِ رُخ و گیسو یکساں / جیسے نوروز میں ہوتے ہیں برابر دن رات

اک زمانہ انھیں کرتا ہے رقم نامۂ شوق / بیٹھے رہتے ہیں لبِ بام کبوتر دن رات

کیا سپید و سیاہ دہر سے ہے کام انھیں / ہیں مےِ شوق سے بیخود جو قلندر دن رات

کم نہیں صورِ سرافیل سے نالے میرے / اُسکے کوچہ میں ہے ہنگامۂ محشر دن رات

سوتے ہیں دن کو عوض شب کے ملاقات کہاں / رات دن ہے انہیں اے وائے مقدر دن رات

مہربان یار ہے اب ہجر کا کیا ذکر امیر

شکر صد شکر کہ ہے وصل میسر دن رات

اُسے میرے گھر تک نہ لائیگی رات — قیامت تک آئیگی جائے گی رات

بلا ہجرِ جاناں میں لائے گی رات — سیاہی کی صورت دبائے گی رات

سپیدی ہے انجامِ موئے سیاہ — سحر ایک دن ہوگی جائے گی رات

یقین ہے وہ چھپکر چلے آئیں گے — مرے کام بگڑے بنائے گی رات

کمان کہکشاں تیر تیرِ شہاب — یہ کس کو نشانہ بنائے گی رات

چلو مِل کے بیٹھو غنیمت ہے وصل — نہ دن ہوگا ایسا نہ آئے گی رات

تڑپتے تڑپتے ہوا دن تمام — خدا جانے اب کیا دکھائے گی رات

نہ آئیں گے فرقت میں تارے نظر — غریبوں سے آنکھیں چرائے گی رات

مداوائے غم ہوگا فرقت میں غم — اُڑا دیں گے نالے جو آئے گی رات

جو فرقت میں ہے تیرہ روزی یہی — تو دن کو بھی گھر سے نجائے گی رات

رُلاتی ہے ہم کو سرِ شام ہجر — جو بھیگی تو طوفان لائے گی رات

وہ گیسو جو افشاں کے طالب ہوئے — ستارے ابھی توڑ لائے گی رات

ازل سے ہے یاں تیرہ بختی امیر
بھلا ہم کو کیا آزمائے گی رات

خدا دکھائے کسی گلعذار کی صورت — شگفتہ دل ہو گلِ نو بہار کی صورت

کہاں ہے دارِ فنا میں قرار کی صورت — نمودِ عمر ہے برق و شرار کی صورت

برنگِ سرو ہیں آزاد باغِ عالم میں — ہے ایک اپنی خزان و بہار کی صورت

ہزار حیف کہ منزل پہ قافلہ پہنچا — میں پھر رہا ہوں پریشان غبار کی صورت

شریک درد نہ کوئی تمام عمر ہوا — جلا کیا میں چراغِ مزار کی صورت

کیا نحیف یہ غم نے مجھے کہ ایک ہوئی — تری کمر کی مرے جسمِ زار کی صورت

ہماری آنکھ ہے یارب کہ چشمِ قربانی
مرے پہ بھی ہے وہی انتظار کی صورت

نہ راستی کا نشان سرو میں گُل میں ہے بُو
بدل گئی چمنِ روزگار کی صورت

اس اشتیاق میں ہاتھوں پہ ہم نے کھائے ہیں گل
پڑیں کسی کے گلے میں یہ ہار کی صورت

فراق یار نے مژدہ سنا دیا ایسا
مکان بھی نظر آیا مزار کی صورت

نہ چھیڑ اے دل اُنہیں گالیاں ہیں مُنہ پہ دھری
برس پڑیں گے وہ ابر بہار کی صورت

شگفتہ کیوں نہ ہوں بارش کا تار دیکھ کے مست
بندھی تو ہے بطِ مے کے شکار کی صورت

خوشا امیر وہ منعم کہ ہو کے دولتمند
جھکائے سر شجر میوہ دار کی صورت

ردیف تائے ثقیلہ

ہے میل جو آغاز میں کب تک ہے نئی چوٹ
ہے یہ تو کھلاڑی تری مدّت کی نئی چوٹ

چین اب کسی پہلو کسی کروٹ میں نہیں آتا
سچ ہے کہ دل لگی کی بھی ہوتی ہے بُری چوٹ

کیا اُس نگہ ناز کی چوٹوں میں مزہ تھا
دیکھا کیے آنکھوں سے بچائی نہ گئی چوٹ

اللہ ری محبّت میں نزاکت مرے دل کی
دیکھا جو کڑی آنکھ سے اُس نے تو پڑی چوٹ

تم ناز سے چلتے ہو چمن میں مجھے ڈر ہے
کھا جائے نہ ٹھوکر سے کہیں کبکِ دری چوٹ

آیا یہ کس اُبھرے ہوئے جوبن کا تصور
گھونسا مری چھاتی پہ لگا دل پہ لگی چوٹ

آسان نہیں صدمۂ الفت کا تحمل
دل تھا ہمارا ہی کہ ہمنے یہ سہی چوٹ

اللہ ہمارے دلِ نازک کو بچا لے
آتی ہے لگانے کو تری عشوہ گری چوٹ

مر کر بھی محبّت کی کسک دل سے نہ نکلی
بیٹھے مرے پہلو میں تو کیا خوب جمی چوٹ

کیا دردِ محبّت کا مزہ تجھ کو بتاؤں
کھائی نہیں بیدرد ترے دل نے کبھی چوٹ

مجروح ہوا جلوۂ دیدار سے عاشق
مارا نگہِ ناز نے چتون نے بھی کی چوٹ

نکلی نہ مرے پہ بھی گئی قبر میں ہمراہ
پڑ کر دلِ عاشق پہ مصیبت میں بڑی چوٹ

کہتی ہے امیرؔ اُس کی ادا تیغ قضا سے
دعوٰی ہے پھکیتی کا تو لے روک مری چوٹ

لچک گئی کمر اُسکی تو دل نے کھائی چوٹ
دوتا جو زلف ہوئی چوٹ پر لگائی چوٹ

کمر کے عشق میں ہم نے جگر پہ کھائی چوٹ
یہی سبب ہے جو دیتی نہیں دکھائی چوٹ

مقابل آئنہ آیا تو منہ کو پھیر لیا
کڑی نگاہ جو دیکھی تو کیا بچائی چوٹ

بڑھا کے رُتبہ گھٹایا غضب کیا قاتل
جھکا کے سر کو کمر کی عبث لگائی چوٹ

فسردہ دل ہوں مگر فصلِ گل تو آنے دو
اُبھر ہی آئیگی پچھلی دبی دبائی چوٹ

اُمید کیا ہو کسی سے کہ اُس زمانے میں
ملاپ جوڑ ہے یارونکی آشنائی چوٹ

نشانِ زخم ہوا بوجہ ناتوانی سے
زمین سے اُٹھ نہ سکے ہم اگر اُٹھائی چوٹ

جو وقت قتل اُٹھا ہاتھ کھل گئی وہ گات
اُبھر کے غنچے کے مانند مسکرائی چوٹ

امیرؔ دردِ دلِ سنگ کو ہکن سمجھا
لگا کے سر پہ جو تیشے کی آزمائی چوٹ

کسی پہ زخم پڑا یاں جگر پہ آئی چوٹ
بھلا ہو رحم کا اپنی ہوئی پرائی چوٹ

رقیب پر اگر اُس تُرک نے لگائی چوٹ
ہُوا یہ رشک مجھے پہلے میں نے کھائی چوٹ

پڑا ہوں رنج میں میں اپنے رحم کے ہاتھوں
چپیٹ دیتی ہے دلکو مرے پرائی چوٹ

یہ مجھ سے کہتی ہے غیرت کہ ہائے مر نہ گیا
خفیف اُس کو کیا تو نے کیوں بچائی چوٹ

مصیبتیں نہ خنجر ہزار ہا جھیلیں
نہ کی زبان سے اُف دل نے لاکھ کھائی چوٹ

ضرور کیا تھا کسی سنگدل کو دل دینا
جگر پہ بیٹھے بٹھائے عبث اُٹھائی چوٹ

جو پھول پھینک کے اُس نے رقیب کو مارا
ہُوا یہ صدمہ کہ پتھر کی ہم نے کھائی چوٹ

مٹا نہ دید کا لپکا نہ تاک جھانک گئی
ہزار بار اُٹھائی زک اور کھائی چوٹ

عیاں ہو زخم جو گُل کی طرح ہے دل مجبور
سمٹ کے غنچے کی صورت بہت چھپائی چوٹ

جہاں میں کوئی نہیں اُس صنم سا سنگین دل	کہ دل لگانے کے بدلے کڑی لگائی چوٹ

یہ کس کے سامنے فریاد کر رہا ہے امیر
کسی کے دل کو لگی ہے کہیں پرائی چوٹ

ردیفِ ثائے مثلثہ

ہجر میں ہے فضا عبث ابر عبث ہوا عبث	بادۂ جانفزا عبث نغمۂ دلکشا عبث
پوچھو نہ لاغری کی حد لقمۂ مور ہے جسد	کھولے ہوئے ہے منہ لحد صورتِ اژدہا عبث
قافلہ سب ہے پیش و پس پر نہیں کوئی ہمنفس	کون ترا ہے دادرس چیخ نہ اے درا عبث
آئی نہ اپنے کام عمر غم میں کٹی مدام عمر	تنکے چنے تمام عمر صورتِ کہربا عبث
دل بھی خدا کا ہے مکان کیوں نہیں آتی ہے یہاں	ہوتی ہے عرش کو رواں روز مری دعا عبث
ہوتے ہیں لاکھ ہم ملول کب ہے وہاں دعا قبول	گریۂ بے اثر فضول نالۂ نارسا عبث
منزلِ سیل ہے جہاں ہو گئے کتنے بے نشان	بیٹھے ہیں جم کے ہم یہاں صورتِ نقشِ پا عبث
ہوتی ہیں حاجتیں روا کس سے کریم کے سوا	کرتے ہیں حرص آشنا غیر سے التجا عبث

طرفہ امیر غم ہوئے پھر نہ کبھی بہم ہوئے
اُس گل تر سے ہم ہوئے صورتِ بُو جدا عبث

سبزہ مرے مزار پر بعد فنا اُگا عبث	عمر کی جب خزاں ہوئی باغ میں ہے فضا عبث
رہتے ہیں میرے چارہ ساز فکر میں مبتلا عبث	مجھ کو مزہ ہے درد کا کرتے ہیں یہ دوا عبث
زار ہوا ہوں اس قدر جسم نہاں ہے مثلِ جان	آتی ہے روز ڈھونڈنے مجھ کو مری قضا عبث
عیش کا دہر میں نشان دیگا کبھی نہ آسمان	گرگ سے ماہِ مصر کا پوچھتے ہو پتا عبث
دولتِ دہر کی نہیں زخمیوں کو کچھ آرزو	صرف کیے ہیں تیر میں تم نے پر ہما عبث
قوتِ فہم اگر نہیں علم پہ تکیہ ہے فضول	شل ہیں جو پائے راہرو ہاتھ میں ہے عصا عبث
گوشِ کریم تک کبھی چاہیے یہ سمٹ کے جائے	پھیلا رہی ہے شہر میں سائلوں کی صدا عبث

سرمے سے کام اب نہیں چشم سیاہ یار کو
عقدۂ دل مرا کھلے اسکی امید ہی نہیں

پسکے ہمارے استخواں ہوگئے سرمہ سا عبث
ناخن سعی خلق ہیچ فلک گرہ کُشا عبث

مال تلف ہُوا ہُوا تم نہ بہاؤ اشک امیر
خاک میں اب ملاتے ہو گوہر بے بہا عبث

ردیف جیم تازی

اس شان سے وہ برق وش آتا ہے ادھر آج
گلنار وہ پٹے سے بھی اُڑتے ہیں شرر آج

ہونا ہی تو ہے فیصلۂ گردن و سر آج
وہ قتل پہ ہیں مرگ پہ باندھے ہوں کمر آج

غیروں سے کبھی ہے کبھی مجھ سے ہے لگاوٹ
بہکی ہوئی پھرتی ہے محبّت کی نظر آج

گو جاتے ہیں آہستہ نزاکت سے وہ لیکن
دوڑی ہوئی جاتی ہے خوشی غیر کے گھر آج

گلزار میں سیکش ہوئے بے شبہہ بہشتی
بیعت انہیں ساقی سے ہوئی زیر سحر آج

ڈر ڈر کے ملک بھی ہوئے کاندھوں سے گریزاں
اب ہجر میں کوئی نہ ادھر ہے نہ اُدھر آج

غربت میں میں آیا تو اُڑی خاک وطن میں
اُڑتی ہوئی دی ہے یہ بگولوں نے خبر آج

باراں نہیں پتھر ہی گرا کشت پہ میری
اے ابر کرم خواہ غضب کچھ تو ادھر آج

گزریگی شب ہجر نہ تا روز قیامت
بے پر کی اُڑاتا ہے عبث مرغ سحر آج

جنت میں کرمیوں سے کہیں گے یہ فرشتے
بوسے تھے جو کل نخل ہلے اُن کے ثمر آج

کس شان سے بیٹھے ہیں سر بزم وہ آکر
ذرّوں میں ہیں خورشید چکوروں میں قمر آج

شیشے کی طرح جوش مے عشق ہے دل میں
ہو مُہر دہن منہ کو کہیں آ کے جگر آج

عالم میں رواج اب یہ ہوا بے ہنری کا
ہم عیب کے مانند چھپاتے ہیں ہنر آج

بیگانے ہوئے نزع میں جتنے تھے یگانے
آنکھیں جو پھریں پھر گئی عالم کی نظر آج

شاید کسی دلبر پہ امیر آہی گیا دل
کیوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے پھرتے ہو جگر آج

پردے سے جو اُس حور نے دیکھا ہے ادھر آج
آنکھوں کو مری چومتی ہے میری نظر آج

شوخی سے ہے بے چین وہ بجلی سی نظر آج
کہتی ہے حیا دیکھیے گرتی ہے کدھر آج

اللہ رے حیا وصل میں اُٹھتی ہی نہیں آنکھ
کیا بنکے دُلہن بیٹھی ہے پردے میں نظر آج

اُس ماہ سے ہے وصل تو اندھیر یہ دیکھو
شام آئی ہے لیتی ہوئی ساتھ اپنے سحر آج

کس لطف سے جھنجلا کے وہ کہتے ہیں شبِ وصل
ظالم تری آنکھوں سے گئی نیند کدھر آج

دیدار طلب تو بھی ہے اور میں بھی ہوں زاہد
لیکن ترے گھر کل ہے وہ دن اور مرے گھر آج

سب اچھے بُرے حشر میں ہیں حاضرِ دربار
دیکھیں نظرِ لطف و عنایت ہو کدھر آج

یاد آتی ہے رہ رہ کے یہ کسکی مرے دل میں
اُٹھ اُٹھ کے بٹھاتا ہے کسے دردِ جگر آج

قاصد کمرِ یار کے مضمون میں خط ہیں
ڈرتا ہوں کہ تیری بھی نہ غائب ہو کمر آج

آنکھیں مری نشئے سے نہیں سُرخ ہیں زاہد
کچھ کچھ چھلک آیا ہے اِدھر خونِ جگر آج

اے طولِ جدائی یہ بنا ہے ترا اندھیر
دن سارے زمانے میں ہے اور شب مرے گھر آج

دوزخ کے بھی جنت کے بھی دروازے کھلے ہیں
اے شانِ کرم تجھ کو ہے کیا مدِّ نظر آج

کہتی ہے قضا طولِ امل دیکھ کے مجھ سے
سامان توکل زادِ سفر کا ہے سفر آج

اک عمر ہوئی ہم ہیں تری یاد سے بیہوش
اے بیخبری تجھ کو ہوئی ہے یہ خبر آج

مانگی ہے دعا کس نے الٰہی کہ کھلا ہے
آغوشِ تمنا کی طرح بابِ اثر آج

پریاں بھی ہیں دیوانی اُسی رشکِ پری کی
آئی ہے پرستان سے اُڑ کر یہ خبر آج

کل کوچ ہے کچھ لیتے ہوئے بن نہ پڑیگی
لینا ہے مسافر کو تو لے زادِ سفر آج

تھی یاس جن اُمیدوں سے بر آنے لگی ہیں
ٹوٹی ہوئی شاخیں مجھے دیتی ہیں ثمر آج

رہ رہ کے دکھاتے ہیں وہ تیرِ نگہِ ناز
ڈرتا ہوں کہ مُنہ سے نکل آئے نہ جگر آج

خورشید قیامت کا بہت گرم ہے بازار
دے اُسکو بھی چھینٹا کوئی اے دامنِ تر آج

ہوتے ہیں وہ رخصت میں یہاں رہ کے کروں کیا
ساتھ اپنے لیے چل مجھے اے شمعِ سحر آج

کچھ کچھ جو شریک آنسوؤں میں خونِ جگر ہے
یاقوت سے رنگت میں نکلتے ہیں گہر آج

کس غیرتِ خورشید سے ہوتی ہے جُدائی
اوڑھے ہوئے کیوں شام کی کملی ہے سحر آج

بیٹھا ہے امیر اُسکی بغل میں مرا دشمن
رہ رہ جو اُٹھتا ہے مرا دردِ جگر آج

جو تجھ سے رُخ ملائیں چاند سورج
ابھی تو منہ کی کھائیں چاند سورج

سحر کو شام کو بھی یاد رکھیں
نہ اتنا سر اُٹھائیں چاند سورج

ترے رخساروں میں ایسی چمک ہے
کہ لیتے ہیں بلائیں چاند سورج

گزران کا جو تیری راہ میں ہو
ابھی آنکھیں بچھائیں چاند سورج

ترے نقشِ قدم کا پائیں رتبہ
یہ کرتے ہیں دعائیں چاند سورج

فروغ اپنا جو اس سے بڑھ کے چاہیں
تری چوٹی میں آئیں چاند سورج

ترے چہرے سے اُٹھ جائے جو گیسو
گہن میں منہ چھپائیں چاند سورج

وہ غازہ ملتے ہیں اب منہ پہ کہدو
کہ خیر اپنی منائیں چاند سورج

سپید و زرد ہیں اُس رُخ کے آگے
ذرا آنکھیں ملائیں چاند سورج

خدا کے نور ہیں سلطینؐ احمدؐ
کہاں یہ نور پائیں چاند سورج

امیر اُس عارضِ روشن کے آگے
بگڑ کر کیا بنائیں چاند سورج

ردیفِ جیمِ فارسی

عاشقِ ابرو کی یوں تصویر کھینچ
اے مصور حلق پر شمشیر کھینچ

اُس کمر سے مُو قلم مانی بنا
ناتواں ہوں یوں مری تصویر کھینچ

مُدّعا اے دل ہے ترکِ مدّعا
جنتی آہیں کھینچ بے تاثیر کھینچ

ہیں کہاں عشق اُسکی مژگاں کا کہاں
دیکھ کانٹوں میں نہ اے تقدیر کھینچ

قید میں اے دل کہاں تک ضبطِ غم
تو بھی نالے صورتِ زنجیر کھینچ

اُس عرق آلودہ رُخ کے لکھ صفات
اے قلم عطرِ گُل تصویر کھینچ

بڑھ کے آئے ہاتھ میں اے دل وہ زلف
ابکے ایسا نالۂ شبگیر کھینچ

اُس دہانِ تنگ پر عاشق نہ کر
یوں شکنجے میں نہ اے تقدیر کھینچ

جلوہ گر مانی ہو رنگِ اتحاد
میری اُس کی ایک جا تصویر کھینچ

عاشقِ احباب ہوں بہزاد میں
رنگِ صحبت سے مری تصویر کھینچ

راہ پا کر زخم سے نکلے نہ چور
بھر نمک قاتل جو دل سے تیر کھینچ

اے مصوّر جب وہ دیکھے آئنہ
پا کے موقع عکس کی تصویر کھینچ

قتل کی حسرت ہے تو اے دستِ شوق
اک ذرا بڑھ دامنِ شمشیر کھینچ

اے مصور ہے ترقّی پردہ حُسن
کھینچنی ذلّت جو ہو تصویر کھینچ

کیا حیا ہے کہتے ہیں مانی سے وہ
کھینچ پردہ رُخ پہ جب تصویر کھینچ

دولتِ عقبےٰ اگر چاہے امیر
دستِ دل سے دامنِ شبیرؓ کھینچ

منتِ قاتل نہ احسانِ کمان و تیر کھینچ
ہاتھ سے اپنے گلے پر آپ ہی شمشیر کھینچ

تیر کھا کر شکر کر نالے نہ او نخچیر کھینچ
سر جھکا کر ناز قاتل کے تہِ شمشیر کھینچ

مجھ کو ہو تیرا تصور تجھ کو ہو میرا خیال
میں تری تصویر کھینچوں تو مری تصویر کھینچ

جاں نثاروں میں ہے سچا کون جھوٹا کون ہے
یار ابھی کھُل جائیں گے جو ہر ذرا شمشیر کھینچ

سامنا بیدرد سے ہے دیکھنا خفت نہ ہو
اے دلِ پُر درد جب کھینچ آہ تاثیر کھینچ

ہو کے پابندِ محبت بندِ غم سے چھوٹ جا
ہاتھ دنیا سے پہنکر پاؤں میں زنجیر کھینچ

قتل گہ میں کچھ سرے قاتل سے بن پڑتا نہیں
روکتی ہے شرم کہتی ہے ادا شمشیر کھینچ

چارہ گر تدبیرِ دردِ عشق پیچھے سوچنا
خط رد تو پہلے بالائے خطِ تقدیر کھینچ

ایک دن تیری بھی یوں ہی کھال کھینچی جائیگی ۔ پوست آہو کا نہ اے صیاد آہو گیر کھینچ

ہاتھ میں اُس مست کے تلوار دے پھر سیر دیکھ ۔ چشمِ میگون میں ذرا سُرمے کی بھی تحریر کھینچ

سبزۂ خط اُس کا دکھلا کر نہ دیوانہ بنا ۔ بیگنہ ہوں مجھ کو کانٹوں میں نہ اے تقدیر کھینچ

بادہ خواروں پر عنایت چاہیے پیرِ مغاں ۔ ان مریدوں کو بھی اپنے رنگ میں اے پیر کھینچ

بندگی مولیٰ کی یکسو ہو کے کرنا چاہیئے ۔ اے مصلّی ہاتھ دنیا سے دمِ تکبیر کھینچ

مدِّ گیسو کی درازی کا ٹھکانا ہے کہیں ۔ اس کشش سے ابتو ہاتھ اے کاتبِ تقدیر کھینچ

جھیل کڑیاں سلسلۂ گیسو سے رکھنا ہے اگر ۔ قیدِ زنداں سے نہ گھبرا صدمۂ زنجیر کھینچ

تیر ٹوٹے ہیں جگر پر برچھیاں دل پر مرے ۔ بار بار آہیں نہ لے قاصد دمِ تقریر کھینچ

کُشتۂ مژگاں ہوں مانی ہاتھ سے رکھدے قلم ۔ کھچ سکے تو نوکِ خنجر سے مری تصویر کھینچ

ساتھ پیکاں کے لپٹ کر دل نہ کھچ آئے کہیں ۔ دیکھ او ظالم ذرا آہستگی سے تیر کھینچ

رو لے اپنے حال پر جاتی جوانی میں امیر
رات تھوڑی رہ گئی ہے نالۂ شبگیر کھینچ

ردیفِ حاے حطی

چلتے ہی گزری ہیں دم کی طرح ۔ ٹھہرے کہاں نقشِ قدم کی طرح

حفظِ لسان سے ہوں میں مشہورِ خلق ۔ نطق خموشی ہے قلم کی طرح

قصدِ سفر اُن کو ہوا مجھ کو مرگ ۔ گھر سے وہ نکلے مرے دم کی طرح

زاریہ اے ترک ہوں میں سخت جان ۔ خون نکلتا نہیں دم کی طرح

دیکھیے جب میکدے میں ہے بُلند ۔ دستِ سبو دستِ کرم کی طرح

عشق میں سرگرمی ہوگی نمود ۔ نام نکل جائے گا دم کی طرح

سر ہی غمِ عشق میں پیدا کیے ۔ ہاتھ رہا سر پہ علم کی طرح

ہوں وہ سیہ روز چلوں جسطرف ۔ شام رہے ساتھ قلم کی طرح

ضعف ہے ایسا کہ زمیں گیر ہے
سایہ مرا نقشِ قدم کی طرح

دَیر میں ٹھہرو تم اگر دم کے دم
صاحبِ حرمت ہو حرم کی طرح

پان بھی بھیجے ہیں تو غیروں کے ہاتھ
لطف وہ کرتے ہیں ستم کی طرح

ہوں میں وہ غم دوست ہے جسکو عزیز
برقِ غضب ابرِ کرم کی طرح

راہ ہے کعبے کی رہِ کوے یار
سجدہ کُناں چلیے قدم کی طرح

حیف کہ رستے میں مجھے ہم سفر
چھوڑ گئے نقشِ قدم کی طرح

زندہ محبت سے ہوں میں ناتواں
ہے یہ ہوا سینے میں دم کی طرح

بیٹھے امیر اُسکی گلی میں جو ہم
مِٹ کے اُٹھے نقشِ قدم کی طرح

مژہ بھی کرتی ہے بل ابروِ بتاں کی طرح
ستم ہے تیر بھی کھچنے لگے کمان کی طرح

مزہ یہ ذوقِ شہادت کا ہے کہ اے قاتل
زبانِ تیغ کو چوسوں تری زبان کی طرح

یہ لطف مقتلِ اُلفت میں ہے شہادت کا
تڑپ بھی ساتھ چلے عمرِ جاودان کی طرح

نویدِ وصل مٹاتی ہے دل کے داغوں کو
بہار لوٹتی ہے باغ کو خزان کی طرح

یہ میکدہ ہے کہ کوئی طلسم ہے ساقی
جو آئے پیر کی صورت گئے جوان کی طرح

فراقِ یار میں رویا جو میں تو غم اُس کا
لپٹ گیا وہیں معشوق مہربان کی طرح

بل ابرؤوں پہ ہے اللہ آبرو رکھ لے
کھچے ہیں خود بھی وہ شمشیرِ امتحان کی طرح

جو تیز رَو تھے مسافر وہ پہنچے منزل پر
میں اُٹھ کے بیٹھ گیا گردِ کاروان کی طرح

گلا یہ ضبط نے گھونٹا کہ تنگ آ گئے امیر
نکل گیا مرے سینے سے دم فغان کی طرح

ہے دل میں ٹھنی اب کہ اگر آئے گا ناصح
سمجھاؤں گا ایسا کہ سمجھ جائیگا ناصح

میں اُس کی نہ مانوں گا تو نقصان مرا کیا
میری جو نہ مانے گا تو پچھتائے گا ناصح

آتا ہے مرے پاس تو آنے دو نہ رو کو
دو چار گھڑی بیٹھ کے اُٹھ جائے گا ناصح

پہلے اُسے دیکھ آئے یہ کہنا مرا مانے
پھر پھیرے سر آنکھوں پہ جو فرمائے گا ناصح

کہدو کہ نہ باتوں میں مری شاخ نکالے
کہدونگا پتے کی میں تو پچتائے گا ناصح

سُنکر میں نصیحت نہیں لاتا جو حرارہ
اتنا ہے مجھے دھیان کہ جل جائے گا ناصح

رہ نا جو میں چھوڑونگا تو تڑپوں گا مقرر
بیکار تو مجھ سے نہ رہا جائے گا ناصح

آیا ہے اگر صحبتِ رندان میں تو بیٹھے
گھبرا کے امیر آپ ہی اُٹھ جائیگا ناصح

ردیف خائے معجمہ

ہے کسقدر کہ وہ صنم شوخ و شنگ شوخ
ایسے کبھی نہ ہونگے بتانِ فرنگ شوخ

آئینہ دیکھو جاتے ہو کیا سیرِ باغ کو
پھیکا گلوں کا رنگ تمہارا ہے رنگ شوخ

مانگا جو بوسہ میں نے جلیبسوں سے یہ کہا
دیکھو تو کس قدر ہے یہ بے نام و ننگ شوخ

ساقی شرابِ سُرخ وہ مجھ مست کو پلا
یاقوتِ آبدار سے جس کا ہو رنگ شوخ

مضمون جو سُوجھنے لگے اُڑنے لگا قلم
میدان پا کے اور ہُوا یہ سُرنگ شوخ

گھر والوں پر بھی ہوتی ہیں ہر وقت پھبتیاں
کتنا نزا مزاج ہے اے خانہ جنگ شوخ

ہے رنگ باندھنا تو ڈبو اس میں انگلیاں
منہدی سے تیری بیر لہو کا ہے رنگ شوخ

معشوق وہ ہے جسکی طبیعت بھی شوخ ہو
کیا فائدہ فقط ہو جو چہرے کا رنگ شوخ

بینش پہ ناز شیخ کو عینک سے ہے عبث
کیا وصف ہے جو مرکب تیمور لنگ شوخ

کہنے کی یہ غزل تو نہ تھی لیکن اے امیر
میں کیا کروں ہے میری طبیعت کا رنگ شوخ

ردیف دال مُہملہ

عاقلوں کو ہے آبادی کا شانہ پسند
ہم ہیں وحشی ہمیں سُنسان ہے ویرانہ پسند

قصہ گویوں سے جو سن لی ہے کہانی میری
انگلیاں کانوں میں اب دیتے ہیں افسانہ پسند

جان دی شمع پہ پروانوں نے گر گر سر بزم
ایسی آتی ہے ہمیں ہمتِ مردانہ پسند

مسجد و ظرفِ وضو تجھ کو مبارک زاہد
ہم کو ہے بزمِ مے و شیشۂ و پیمانہ پسند

مٹ گئے سامنے اُس شوخ کے جتنے تھے حسین
حسن پریوں کا کرے اب کوئی دیوانہ پسند

دل کو کیا لطف جو معشوق نہ ہو گرما گرم
شمع خاموش کو کرتا نہیں پروانہ پسند

آبلے پاؤں کے کافی ہیں مجھے وحشت میں
تاجِ سلطان کو رہے گوہرِ یکدانہ پسند

دونوں گھر اُسکے ہیں تمیز کہاں وحدت میں
ہم کو کعبے ہی کی مانند ہے بُتخانہ پسند

آئینہ جان کے زانو پہ جگہ دی اُس نے
جانتا دل جو مرا تو کبھی کرتا نہ پسند

مرگیا میں تو حسینوں نے بھی کی زینت ترک
رُخ کو آئینہ نہ اب زلف کو ہے شانہ پسند

اپنے مضمون تو پسند آتے ہیں عالم کو امیر
ہے وہ شاعر جو کرے معنیِ بیگانہ پسند

سچ کہہ پسند کس کی ہے اے خوبرو پسند
تجھ کو عدو پسند ہے مجھ کو ہے تو پسند

سب کو تری پسند ہے اے ماہرو پسند
عالم پسند وہ ہے کرے جسکو تو پسند

اللہ رے جوش ناز و ادا بزمِ یار میں
پس پس گیا ہے آج دلِ آرزو پسند

خنجر دکھا کے کہتے ہیں وہ بات بات پر
ہم کو تو اُس زبان سے ہے گفتگو پسند

آؤ جو میرے قتل کو اتنا رہے لحاظ
ناوک جگر پسند ہو خنجر گلو پسند

رحمت ہی رحمت اسکی ہے کر لے اگر قبول
میری نماز اُسے ہے نہ میرا وضو پسند

دیکھا کہ میرے یار کے کیونکر نباہ ہو
وہ دشمن آبرو کا ہے میں آبرو پسند

زینت کے وقت بھی ہے جو انجام کا خیال
مٹی کے عطر کی ہمیں آتی ہے بو پسند

احسان کسی کا کب ہے گوارا برنگ گُل
ہے چاک پیرہن نہیں منت رفو پسند

زاہد نگاہ کم سے کسی رند کو نہ دیکھ
کیا جانے اُس کریم کو وہ ہو کہ تو پسند

آ جائے جسپہ دل ہے وہی جان سی عزیز
یعقوبؑ کو ہے جامۂ یوسف کی بو پسند

کھُلکر کہو کہ بوسۂ گیسو نہ دینگے ہم
یہ اُلجھی اُلجھی ہم کو نہیں گفتگو پسند

بُلبُل نثارِ گُل پہ ہے پروانہ شمع پر
ذرّے کو مہر ہم کو ہے وہ ماہرو پسند

پیدا کیا ہے حُسن نے دولت کا خاصّہ
وہ کون ہے جہان میں نہیں جس کو تو پسند

سب آفتوں سے چھُوٹ گیا کرکے ترکِ حرص
کیونکر نہو مجھے دلِ بے آرزو پسند

دن رات ذکرِ شعر و سخن سے ہے کام امیر
باتیں یہی پسند یہی گفتگو پسند

جسدن سے اُس غریب کو آیا ہے تو پسند
ہے کس غضب میں جانِ دلِ آرزو پسند

ساقی ہے دختِ رز سے زیادہ عروس کون
کیا بھینی بھینی اُسکی ہے مستونکو بُو پسند

عاشق کو ذبح کرکے وہ خنجر ہو کیوں نہ مست
خونخوار کو ہے مے سے زیادہ لہُو پسند

منہ دیکھے کا ہے اُنس فقط شکلِ آئنہ
کرتے ہیں دل مرا وہ مرے روبرو پسند

یہ جھُک پڑا جہان وہیں دریا بہا دیا
ساقی مجھے ہے ہمتِ دستِ سبو پسند

کہتے ہیں کوئی جم کے نہ بیٹھے ہمارے پاس
اُکھڑی ہوئی یہ ہم کو نہیں گفتگو پسند

کیا مجھ کو سبز باغ دکھاتا ہے آسمان
مشتاقِ مے ہوں میں نہیں خالی سبو پسند

دل ہے ترا جگر ہے ترا جان ہے تری
ہرگز نہیں دریغ کرے جس کو تو پسند

بحرِ جہاں میں گوہرِ یکتا ہے میری ذات
اس تھوڑی سی بساط پہ ہے آبرو پسند

اللہ رے پاسِ خاطرِ اغیار یار کو
لایا ہے قتلِ دوست کو خنجر عدو پسند

اے دل خدا کے واسطے اَب میری جان چھوڑ
تجھ کو نہ میں پسند نہ مجھ کو ہے تو پسند

ہم چاہیں دل ملے وہ ملاتے نہیں ہیں آنکھ
واں جام سے دریغ یہاں ہے سبُو پسند

سو آفتیں ہزار بلائیں قبول ہیں
منہ یاس نہ دیکھے دلِ آرزو پسند

ہم بے زبان یار ہمارا زبان دراز
یاں خامشی پسند ہے واں گفتگو پسند

بے ذوقِ عشق دیدۂ و دل دونوں ہیچ ہیں
خالی قدح پسند نہ خالی سبو پسند

زاہد کو گریہ وقتِ عبادت ضرور ہے
اللہ کو نماز نہیں بے وضو پسند

جھکیئے جو پیشِ یار تو آنسو بہائیے
ہے اس نماز کے لیے ایسا وضو پسند

ہے لکھنؤ کی جانؔ تو کلکتے میں امیر
خاک آئے میری آنکھ اب لکھنؤ پسند

لہ اشارہ ہے واجد علی شاہ فرمانروائے اودھ کی طرف ۱۲

میرا کلامِ صاف ہو کیونکر عدو پسند
آئینے کو کرے نہ کبھی زشت رُو پسند

نکلے اُمید جس سے وہ ہے گفت گو پسند
مجھ کو ہے دردِ آیۂ لَاتَقْنَطُوْا پسند

کرتا ہوں پیار غیر کو بھی میں تری طرح
وہ بھی پسند مجھ کو ہے جسکو ہے تو پسند

آنکھوں کو میری مدِّ نظر ہے تو روئے یار
کانوں کو میرے ہے تو وہی گفتگو پسند

افشا ہو رازِ عشق تو کاٹیں زبان ہم
مستوں کی طرح ہم کو نہیں ہاؤ ہو پسند

چھوٹے بڑے پہ کچھ نہیں موقوف ساقیا
میکش ہوں مجھ کو خُم کی طرح ہے سبُو پسند

دو ہاتھ میں کریگا وہ کیا خاک فیصلہ
ہے جسکو طولِ قصۂ تیغ و گلو پسند

خاکِ لحد ہے ریگِ رواں کی طرح رواں
مرنے کے بعد بھی ہے تری جستجو پسند

شکرِ خدا کہ اب ہوئی اُمیدِ قتل کی
منہدی کے بدلے اُن کو ہے میرا لہو پسند

ہے تو ہی شرق و غرب و جنوب و شمال میں
کیوں سجدہ مثلِ کعبہ نہو چارسُو پسند

میکش وہ ہیں کہ اور ہے اپنا دل و دماغ
ساغر ہے مہر کا نہ فلک کا سبُو پسند

دوں میں دلِ شکستہ تو رُک رکھے وہ مست
ٹوٹا ہوا کسی کو نہیں ہے سبُو پسند

ناداں ہے قیس سے جو ہمیں دے مناسبت
لیلےٰ اُسے پسند ہے ہم کو ہے تُو پسند

تعریف دوستوں کی نہیں معتبر امیر
اچھا ہے وہ کلام کرے جو عدو پسند

چاہِ ذقن میں دل کو کیا بے گناہ بند
اُلٹی سنو کہ ہوتے ہیں واں دادخواہ بند

یارب پڑی ہے کس رُخ پُرنور پر نظر
ہوتے نہیں جو دیدۂ خورشید و ماہ بند

اچھا بندھا نہ ایک بھی مضمون زلف کا
لکھکر کیے قلم نے ہزاروں سیاہ بند

اے چشمِ تر ٹھہر بھی کہ خط یار کو لکھوں
بارش میں نامہ بر کی ہے پھرّاں سے راہ بند

راہی ہیں صبح و شام مسافر سوِ عادم
ہوتی نہیں ہے شب کو بھی یہ شاہراہ بند

اُس شاہ حُسن کا کوئی دربار کیا کرے
جب جائیے دیکھیے ہے درِ بارگاہ بند

بادِ بہار نے یہ لپیٹے ہیں برگ گُل
رنگین تری قبا کے ہیں کیا واہ واہ بند

زاہد بھی میکدے کی طرف کیا چلے گئے
مدّت سے ہے امیر درِ خانقاہ بند

مشاطہ کیا ہے آئنے کا بھی سلام بند
ہر کارِ حُسن کا نظر آتا ہے کام بند

کرتا ہے غیر یار سے بدگوئیاں مری
کچھ دُوں تو مُنہ حریص کا ہو لا کلام بند

گھبرا کے رند جانبِ دوزخ چلے گئے
پایا جو بابِ روضۂ دارالسلام بند

وہ در شود کشادہ اگر بستہ شُد درے
رہتا نہیں کسی کا زمانے میں کام بند

مسجد میں جاکے بیٹھ رہا ہے فروش کیا
کیا وجہ کیوں دکان ہے مے کی مدام بند

چھوٹے جو ایک غم سے پھنسے اور غم میں ہم
جیسے قفس میں ہوتے ہیں مرغانِ دام بند

لازم ہے بہرِ گریہ بھی دل کی کُشادگی
آئے عرق کہاں سے اگر ہوں مسام بند

ساقی کے ہجر میں ہے اذیت خمار کی
دل کیا کہ ٹوٹتے ہیں بدن کے تمام بند

اے ابرِ چشم کچھ تو برسنے میں کر کمی
ہے کاروبارِ خلق خدا کا تمام بند

ساقی یہ بزمِ عیش ہے سُن لے امیر کی
ہو شام سے نہ صبح تلک دورِ جام بند

ردیف دال ثقیلہ

چھوٹے اُس آبرو کو ہے مجھ کو بھی شایاں گھمنڈ
کرتے ہیں شمشیر زن جیسے کہ میدان گھمنڈ

تو ہے سلامت تو کیا صبحِ قیامت کا ڈر
تیری درازی پہ ہے اے شبِ ہجران گھمنڈ

کہتے ہیں آئینے میں دیکھ کے زلفوں کا بل
ہم سے بھی کرتے ہیں اب گیسوِ پیچان گھمنڈ

دہر کو بھی کسوف ماہ کو بھی ہے خسوف
حُسن پہ زیبا نہیں اے بُتِ نادان گھمنڈ

عشقِ فسون گر سے ہے آج ترا سامنا
پڑھ لے جس افسون پہ ہو تجھ کو پریخوان گھمنڈ

ایک ہیں کس کس کے ناز حشر کے دن اُٹھ سکیں
کھینچتی ہے مجھ سے صراط کرتی ہے میزان گھمنڈ

نوک کی ہم سب سے لیں جائیں جو گلزار کو
گُل سے جو گریبان کرے خار سے دامان گھمنڈ

وحشیوں کے غول ابھی آنکھ سے گذرے نہیں
کرتا ہے وسعت پہ کیا حشر کا میدان گھمنڈ

ہے جو امیر اس قدر حشر کے دن بے خطر
تیری حمایت پہ ہے اے شہِ مردان گھمنڈ

ردیف ذال

چشمِ بد دور کھُلا خوب ہی سر کا تعویذ
باندھ دوں لکھ کے میں بازو پہ نظر کا تعویذ

مہر و مہ چاہتے ہیں دیکھ کے بازو تیرے
ایک ادھر کا تو بنے ایک اُدھر کا تعویذ

داغ دینا کسے منظورِ نظر ہے صاحب
ہاتھ میں کیوں ہے یہ طاؤس کے پر کا تعویذ

چاند کہتے ہیں کسے عقدِ ثریا کیا ہے
یہ گلے کی ترے ہیکل ہے وہ سر کا تعویذ

آنکھ دکھلاتے ہیں وہ دیکھ کے مجھ کو بیتاب
یہ نکالا ہے نیا دردِ جگر کا تعویذ

پھر بُلائی گئی مشاطہ کہ باندھے کس کر
اک ذرا بھی کہیں بازو سے جو سرکا تعویذ

چشمِ بد دور ترقی پہ ہے جوبن اُن کا
چاہیے روز نیا ایک نظر کا تعویذ

مر گئے عشق میں ہر رنج سے راحت پائی
داغِ دل بڑھ کے ہوا دردِ جگر کا تعویذ

جتنی تاثیر ہے انسان کے دل میں ہے امیر
نقشِ کامل ہے نہ کوئی نہ اثر کا تعویذ

نہیں ہے غنچہ عروسِ بہار کا تعویذ
یہ کھُل پڑا ہے کسی گلعذار کا تعویذ

ملوں نہ آنکھوں سے کیوں اُس کے خط کو اے قاصد
یہ ہے مرے مرضِ انتظار کا تعویذ

پیوں جو مے مرضِ غم ہو دور اے ساقی
کہ خطِّ جام ہو میرے بخار کا تعویذ

اثر دکھائے گی الفت پس فنا تو حضور
ملیں گے آنکھوں سے میرے مزار کا تعویذ

کبھی تو فاتحہ پڑھنے ادھر بھی وہ آجائیں
اثر دکھائے الٰہی مزار کا تعویذ

چمن میں جاؤ تو نرگس لگائے آنکھوں سے
تمہاری چوٹی میں ہے کس بہار کا تعویذ

خط اُن کا آیا ہے رکھ لوں میں اپنے سینے پر
کہ ہے یہ میرے دلِ بیقرار کا تعویذ

گیا جو یہ تو بلا سے امیر وہ تو ملا
رہے گا دل کی جگہ دستِ یار کا تعویذ

ردیف راے مہملہ

تیر کھانے کی ہوس ہے تو جگر پیدا کر
سرفروشی کی تمنّا ہے تو سر پیدا کر

کوہکن کوہکنی شیوۂ عشاق نہیں
ہے جو عاشق دلِ معشوق میں گھر پیدا کر

رنگ چاہے اگر اس باغ میں آزادی کا
نکہتِ گُل کی طرح شوق سفر پیدا کر

قطرۂ اشک بنے گوہرِ گوشِ جاناں
آبرو اتنی تو اے دیدۂ تر پیدا کر

اُڑ چلے گا ابھی اے یار ذرا بال تو کھول
تجھ کو بننا ہے پریزاد تو پر پیدا کر

کونسی جا ہے جہاں جلوۂ معشوق نہیں
شوقِ دیدار اگر ہے تو نظر پیدا کر

میرے ہی دل پہ گرے کاش یہ بجلی بنکر
اے فلک آہ میں اتنا ہی اثر پیدا کر

آخرت میں عملِ نیک ہی کام آئیں گے
پیش ہے تجھ کو سفر زادِ سفر پیدا کر

عشقِ حُسنِ نمکیں کا جو اُٹھانا ہے مزا
پہلے کچھ ذائقۂ زخمِ جگر پیدا کر

اپنی گردش پہ بہت ہے تجھے اے چرخ گھمنڈ
جب میں جانوں کہ شبِ غم کی سحر پیدا کر

صدمے الفت کے اُٹھانے ہیں الٰہی مشکل
دل اگر ایک دیا لاکھ جگر پیدا کر

عشقبازی کا اگر حوصلہ رکھتا ہے امیر

دل جو لوہے کا تو پتھر کا جگر پیدا کیا

جو دل ہے حلقۂ بزم شراب سے باہر ... وہ ذرہ ہے عمل آفتاب سے باہر

سوال کرنے نکیرین شوق سے آئیں ... وہ دو ہیں میں نہیں ستو کے جواب سے باہر

خدا کو دل ہی میں ڈھونڈو ادھر ادھر نہ پھرو ... نہیں کتاب کا مطلب کتاب سے باہر

شریک ہوکے رہے یا الگ بنائے گھر ... کسی طرح نہیں دریا حباب سے باہر

جو بوسے دیکے حسین پھیر لیں تو دونے ہوں ... یہ لین دین تو ہے ہر حساب سے باہر

یہی ہے اشک کا طوفان تو مثل قصر حباب ... محال ہے کہ سرا گھر ہوا آب سے باہر

ڈرے حساب کے دن سے تو تو ڈرے مجھے کیا ... مرے گناہ ہیں زاہد حساب سے باہر

تڑپ ہی جائیں وہ گھر میں کروں جو آہ امیر ... نکل کھڑے ہوں ابھی اضطراب سے باہر

کونسا گل ہے نہیں جو زیب دامان بہار ... کونسا غنچہ نہیں گوئے گریبان بہار

کسقدر روشن ہے پھولوں سے شبستان بہار ... شاخ ہر گلبن کی ہے سرو چراغان بہار

قاضی و مفتی و زاہد سب گھروں میں چھپ رہے ... ایک دیوانہ ہے تیرا مرد میدان بہار

نشے کے ڈورے جو ہیں اے مست آنکھوں میں تری ... ہے بجا اُن کو اگر کہئے رگ جان بہار

دونوں عاشق ہیں مگر ہے عشق میں البتہ فرق ... میں نثار حسن ہوں بلبل ہے قربان بہار

ابر پر آسان حکومت سہل تسخیر ہوا ... داغ ہر لالے کا ہے مہر سلیمان بہار

تازگی ہر رخ پہ ہے جاتی رہی افسردگی ... پتے پتے بوٹے بوٹے پر ہے احسان بہار

زلف سنبل سرو قد غنچہ دہن عارض سمن ... چشم نرگس گوش گل کانٹے ہیں مژگان بہار

گوہر شہوار شبنم نذر دیتی ہے صبا ... تخت گل پر رونق افزا ہے جو سلطان بہار

کے فرشتوں سے کھنچیں نشۂ انگوری شراب ... کونپلیں پھوٹیں ہوا گلشن میں سامان بہار

باغباں کانٹوں کو سکھلا رکھ کہ ہنگام خزاں ... کھینچ لیں ڈالیں خلل الجھائیں دامان بہار

کیوں نہ کہئے شاہ پتے تاج ہیں شاخیں ہیں تخت
برگِ گل سے قطرۂ شبنم گراتی ہے صبا

ہے نگین لالہ تو نافرمان ہے فرمانِ بہار
کیوں نہ لوٹے دل جو دیکھے دُرِّ غلطانِ بہار

جوشِ گل سے ہے یہ ارزان نرخِ بازار ای امیر
کوڑی کوڑی بک رہے ہیں ماہِ کنعانِ بہار

سو دل فدائے صاحبِ فرمانِ رامپور
ہے رامپور جسم وہ ہے جانِ رامپور

بالا ہے قاف سے بھی کہیں شانِ رامپور
زلفِ پری ہے سایۂ ایوانِ رامپور

غازہ بنائیں لے کے جو پائیں بتانِ چین
رنگِ شکستۂ چمنستانِ رامپور

محوِ خرامِ ناز نسیم و صبا نہیں
گلگشت کر رہے ہیں حسینانِ رامپور

گلیاں یہاں کی باغ کی ہیں کیاریاں
رضوان ہے باغبانِ گلستانِ رامپور

نرگس کے پھول گوشۂ انگور کے نہیں
ہیں دخترِ رز کی تاک میں مستانِ رامپور

آشفتگی یہاں کی ہے طرۂ بہار پر
زُلفِ بتاں ہے خوابِ پریشانِ رامپور

کونین کے مزے ہیں بشر کو یہاں نصیب
دونوں جہان سے سیر ہیں مہمانِ رامپور

اہلِ نظر کو ملتی ہے آنکھوں میں یاں جگہ
اللہ چشمِ بد سے نگہبانِ رامپور

چکر میں بے سبب نہیں دن رات آسمان
کرتا ہے مہر و ماہ کو قُربانِ رامپور

شہنا کی بام سے نہیں آتی ہے یہ صدا
زُہرہ ہے آسمان پہ ثناخوانِ رامپور

سائے پہ فرطِ نور سے عالم ہے دھوپ کا
ہے آفتاب شمسۂ ایوانِ رامپور

بھولیں گے خلد میں بھی نہ انکے ادا و ناز
یاد آئیں گے وہاں بھی حسینانِ رامپور

لاتے نہیں خیال میں شاہانِ دہر کو
حضارِ بارگاہِ سلیمانِ رامپور

حصہ امیر کو بھی ملے خوانِ جود سے
مہمان نواز یہ بھی ہے مہمانِ رامپور

بادۂ سُرخ پیوں ساغر و مینا بھر کر
موسمِ گل میں کروں کیا میں خزینہ بھر کر

دل پہ ہے بحرِ محبّت میں ہجومِ غم و یاس
خوف ہے بیٹھ نہ جائے یہ سفینا بھر کر

باندھ دیں عشق کے بازو پہ یہ اچھّی ہے صلاح
دل کے تعویذ میں ہم نقشِ رفینا بھر کر

فصل گرمی کی ہے رکھنا نہ کمر میں قاصد
حرفِ مکتوب نہ مٹ جائیں پسینا بھر کر

حُسن کی نذر کو پھولوں کی لگائی ڈالی
عشق نے داغِ الم سے مرا سینا بھر کر

ساقیا رحم کہ بے بادہ مجھے گورے ہیں
چند اور ابھی خالی کا مہینا بھر کر

حال کیا پُوچھتے ہو میرے دلِ پُرخون کا
دیکھ لو بادۂ گلرنگ سے مینا بھر کر

محضرِ قتل پہ مرے اسلیے کرتے ہیں وہ مُہر
لعل ہو خون میں پتھر کا نگینا بھر کر

نشۂ دولتِ دنیا ہے خمارِ عقبےٰ
مستِ منعم ہیں عبث زر سے خزینا بھر کر

عطر تحفے میں نہ بھیجو مجھے بھیجو کسی دن
شیشیوں میں گُلِ عارض کا پسینا بھر کر

مستِ میخانۂ غم کب نہیں رہتا میں امیر
خون چُلّو میں ہمیشہ مجھے پینا بھر کر

آمادہ وہ مژگاں سے ہیں ناوک فگنی پر
مینہ تیروں کا برسے گا غزالِ خُتنی پر

ناصح نہ زباں کھول مری طعنہ زنی پر
عاشق خدا بھی تو رسولِ مدنی پر

ہر آیۂ قرآں سے فصیحوں کو ہے حیرت
حیران ہیں کہ ایسا سخن اس بے دہنی پر

گلشن میں بہار آکے کرے گرم تو بازار
زہّاد تُلے بیٹھے ہیں توبہ شکنی پر

اب قافلۂ صبر و تحمّل کا خدا ہے
باندھی ترے غمزے نے کمر راہزنی پر

ساتھ اپنے جو لیجائیں مجھے بھی وہ سفر میں
قربان وطن ایسی غریب الوطنی پر

مارا مجھے اُسنے ترے لب یاد دلا کر
ثابت ہے مرا خون عقیقِ یمنی پر

آیا ہے شہیدوں کی طرف دیکھیے اب خلق
کیا باندھنو باندھے تری گل پیرہنی پر

یوں اور حسین دیکھ رہے ہیں ترے رُخ کو
محتاج کی جسطرح پڑے آنکھ غنی پر

چھینی خلاکِ دوں نے جو محتاج کی چادر
ڈالیگا یہ کمبخت مگر قبرِ غنی پر

چھو جائے ہوا بھی تو تنِ صاف ہو میلا
ہے قطع یہ جامہ تری نازک بدنی پر
فرہاد نے کچھ لطف نہ محنت کا اُٹھایا
پتھر کے تلے ہاتھ رہا کوہکنی پر
صیاد نہ دے رنج اسیرانِ قفس کو
کر رحم غریبوں کی غریب الوطنی پر
کیا خط کا جواب اُسنے تعلی سے دیا واہ
بھیجا سرِ قاصد مجھے نیزے کی انی پر

کیا رتبہ امیر اُسکو ملا عرش پہ پہنچا
سر جس کا جُھکا پائے رسولِ مدنی پر

تعجب ہے جو سرکش ہیں یہ زردار
کہ ہے سر بر زمیں شاخِ ثمردار
میں جس قاصد کو دوں اپنا خطِ شوق
ابھی وہ صورتِ طائر ہو پردار
نباہا قول کھنچکر دار پر بھی
کہیں منصور سے ہوتے ہیں سردار
مٹاتے ہو مجھے اتنا تو کہدو
کہاں پاؤگے ایسا ناز بردار
جہاں ہیں وجہ شادی ہے، تو دولت
نہ ہنستے گل اگر ہوتے نہ زردار
کہاں تک شورشِ بیہودہ اے دل
کوئی نالہ تو پیدا کر اثردار
قد و گیسو کا ہے عاشق سے ایما
رسن پریاں رسن ہے دار پر دار

امیر اُس قامتِ موزوں کے آگے
چمن میں سرو آتا ہے نظر دار

دل ابرو پر فدا ہو مفت کا الزام دلبر پر
گلا شمشیر کاٹے خون ہو جلاد کے سر پر
خرابِ عشق لاکھوں تاک میں ہیں چشمِ ساقی کی
زمانے کے شرابی آ گرے ہیں ایک ساغر پر
دکھا کر آنکھ قاصد کو صنم نے کر لیا بندہ
خدا کی شان دیکھو چل گیا جادو پیمبر پر
دلِ بیتاب عاشق جاکے ٹھہرا کوئے قاتل میں
سپاہی نے کمر کھولی پہنچکر اپنے بستر پر
نہیں یہ گرمیِ مے سے لبِ جاناں پہ تبخالے
الٹ کر رکھدیئے ساقی نے ساغر حوضِ کوثر پر
شہیدِ تیغِ قاتل یار ہو کر اسقدر تڑپا
کہ اُڑکر خون کی چھینٹیں پڑیں دامانِ محشر پر

یہ شوقِ نامہ بر ہے انتظارِ خطِ جاناں میں
گرٹے مرتے اُکھڑے جائینگے پھر روکاری کو
سیہ کاری سے جی بھرتا نہیں پر شرم آتی ہے
نہیں بیوجہ جوہر سے مشابہ بخیے کے ٹانکے
مجھے بھی کوئی بوسہ دے لبِ شیریں کا اے ساقی
جو اُس بلقیس وش سے لیکے نامے کا جواب آئے
لگائے گا وہ سرمہ آنکھ میں کس کے دکھانے کو
وہ مست آئے تو میکش کیا ہیں سب مست ہو جائیں
ریاضِ دہر میں ہمسا کہاں ہے طائرِ وحشی

پھڑک جاتا ہے دم آوازِ پروازِ کبوتر پر
زمانے بھر کے جھگڑے اُٹھ رہے ہیں روزِ محشر پر
کہاں تک بوجھ رکھیئے کاتبِ اعمال کے سر پر
دہانِ زخم کا پھر دانت ہے قاتل کے خنجر پر
جہاں سیراب میں پیاسا کھڑا ہوں نہرِ کوثر پر
تصدّق کرکے چھوڑوں سیکڑوں ہدہد کبوتر پر
ہمارے دم تلک رکھتا ہے قاتل ہاتھ خنجر پر
صراحی پر صراحی خُم پہ خُم ساغر ہو ساغر پر
کہ اپنا آشیانہ نجد میں ہے قیس کے سر پر

امیر اب دوسرے کو اس جہاں میں کیا توقع ہو
برادر گو نہ آیا رحم یوسف سے برادر پر

وہ بگڑے جب لیا بوسہ جھگڑ کر
گئے وہ ہم سے بیماری میں لڑ کر
اجل نے سارے جھگڑوں سے چھڑایا
وہ کشتہ ہوں جو قاتل نے کیا قتل
حیا آتی ہے کیا منزل پہ جاؤں
یہ جنگِ زرگری در پردہ ہے صلح
وہ مجرم ہیں نہ رضوان بھی اُٹھائے
جدا سر ہو تو اپنا دردِ سر جائے
کنوئیں کیا کیا نہ اُلفت نے جھکائے
نکیرین آئے ہیں تربت میں ناحق

شکستِ فاش دی قسمت نے لڑکر
طبیعت اب نہ سنبھلے گی بگڑ کر
فراغت مل گئی تربت میں گڑکر
ہزاروں تیرے بدلے اکڑ کر
کہ کانٹے روکتے ہیں پاؤں پڑکر
ملا دیتی ہے دل کو آنکھ لڑ کر
درِ جنت پہ ہم بیٹھیں جو اڑ کر
کریں کیا دردِ سر صندل رگڑ کر
ہوئے ناسور دل میں داغ پڑ کر
ملے گا کچھ نہ مفلس سے جھگڑ کر

جو آبادی ہے ویرانی ہے آخر
ہوئے جنگل ہزاروں شہر اُجڑ کر

کہیں جاتا ہے دل سے عشق مژگاں
نکلتی ہی نہیں یہ پھانس گڑ کر

خلف آدم کے ہم خلد ارثِ آدم
کبھی لیلیں گے رضوان سے جھگڑ کر

ق

فراقِ یار میں نفرت ہے مے سے
الگ بیٹھا ہوں ساقی سے بگڑ کر

کہاں آیا ہے میرے پاس شیشہ
نکالو بھی اسے گردن پکڑ کر

امیر اک شہر ناپُرسان ہے وہ بزم
وہاں تم کیا بناؤ گے بگڑ کر

ساقیا ابر ابھی آیا نہیں میخانے پر
کیوں قدح نوش گرے پڑتے ہیں پیمانے پر

وہ حسین تو ہے کہ پریوں کو بھی ہے پاس ترا
سایہ کرتی ہیں پروں سے ترے دیوانے پر

شکل حیوان کی نہیں صورتِ انسان کیسی
کچھ عجب عالم ہُو ہے مرے دیوانے پر

کیوں میرے سر پہ ہو لغزشِ پا کا احسان
ہاتھ پڑ جائے جو بیساختہ اُس شانے پر

حمی میں ہے شیخ و برہمن کو دکھاؤں دیار
ناز کعبے پہ اسے ہے اُسے بتخانے پر

ہے عجب حال یہاں کوئی سمجھتا نہیں کچھ
لاکھوں اپنوں کو کھوں رکھتے ہیں بیگانے پر

فردِ تقسیم کی ہے مزرعِ آفاق نہیں
نام ہر ایک کا لکھا ہے ہر اک دانے پر

طالبِ دل ہیں وہ عشاق سے اپنے اسطرح
جیسے حاکم کی نظر رہتی ہے نذرانے پر

ہمسے کہتا ہے کہ گیسو نہ چھوؤ اُس بُت کے
مار اللہ کی ناصح ترے سمجھانے پر

دل خدا دے جسے وہ داغِ محبت لے مول
عشق بلبل پہ ہے موقوف نہ پروانے پر

آتشِ غم میں جو ہم جلتے ہیں پروا نہیں کیا
رحم آتا ہے کہاں شمع کو پروانے پر

ہوں میں وہ بلبلِ غمناک کہ گلزار میں گُل
چاک کرتے ہیں گریبان مرے افسانے پر

ہے وہی دوست جسے جس سے محبت ہو جائے
نہ یہ اپنے پہ ہے موقوف نہ بیگانے پر

مجھ سے رخصت جو ہُوا یار شبِ وصل امیر

چھا گئی کیسی اُداسی مرے کاشانے پر

دیکھو زباں نہ تیز کرو بات بات پر
قینچی چلے کسی کے نہ رخصتِ حیات پر

بوسہ ملا جو اُس لبِ شیریں کا مر گئے
دی جان ہمنے چشمۂ آبِ حیات پر

پائی ہے برہمن نے جو در پر ترے جگہ
بیٹھا ہے لات مار کے عزّیٰ و لات پر

آرام سے ہوں فقر کے لبستر پہ میں گدا
تکیہ ہے جب سے رازقِ مطلق کی ذات پر

سُنتا ہوں محتسب نے کیا میکدے کو قرق
بٹھلا دیا یزید نے پہرہ فرات پر

رحم آئے جب مزاج پہ تب ہوں وہ مہرباں
موقوف وصلِ یار ہے دن پر نہ رات پر

جھڑتے ہیں بوستان میں جو دو چار برگِ گل
گر جاتے ہیں قفس میں مرے پانچ سات پر

لکھتے ہیں ہم جو مدحتِ چشمِ سیاہِ یار
آنکھیں نثار کرتے ہیں آہو دوات پر

شیشے میں ہم پری کو اُتارینگے دیکھنا
چڑھ جائیں گے کسی نہ کسی دن وہ گھات پر

کودک مزاج چاہنے والے نہیں ترے
کھیلیں گے جان پر اگر آئینگے بات پر

منعم ہے شکر فرض جو سائل ہوں تیرے گرد
فانوس چاہیے کوئی شمعِ حیات پر

پردہ یہ کس کے عارضِ روشن سے اُٹھ گیا
دن کا گماں ہے سارے زمانے کو رات پر

سمجھے یہ خطِ پشتِ لبِ یار دیکھ کر
لکھا ہوا ہے حاشیہ عین الحیات پر

درکار ہے بہانہ پئے مغفرت امیر
تقوے پہ منحصر ہے نہ صوم و صلوٰت پر

ملا نامِ خدا وہ مرتبہ تجھ کو حسین ہو کر
فلک کرتا ہے مجرا تیری چوکھٹ کو زمیں ہو کر

بچیگی آبرو دنیا میں تو عزلت نشین ہو کر
صدف میں بیٹھ چاہیے درِّ ثمیں ہو کر

خراشِ غم نے کیسا میرے دل کا زنگ چمکایا
زیادہ ہو گیا قیمت میں کندہ یہ نگیں ہو کر

کلیجا تختہ سوسن کا بنا ہے نیلے داغوں سے
غضب کی لی ہیں دل میں چٹکیاں پہلو نشیں ہو کر

کمر کو بال جب میں نے کہا جھنجلا کے فرمایا
نہ سمجھے آپ موٹی بات بھی باریک بیں ہو کر

بڑا ہی فخر قاصد کو ہوا خط پا کے ڈرتا ہوں
فلک پر اُڑ نہ جائے یہ کہیں روح الامین ہوکر

تصور ہے وہی پیشِ نظر ہر دم حسینوں کا
تماشا ہے رہے محفل میں ہم خلوت نشین ہوکر

کمر ہے بال سی اے گلبدن لچکے نہ چلنے میں
نہ اتنا چاہیے موباف بھاری نازنین ہوکر

بتا دے اے فلک تو ہی تعجب ہم کو آتا ہے
کہ خوش ہوتا ہے پھر کیونکر کوئی اندوہگین ہوکر

بہارِ لالہ گل پھر کبھی کاہے کو دیکھیں گے
چلے ہیں اس چمن سے ہم نگاہِ واپسین ہوکر

ملوں جب دم میں آنکھیں اُنکے ساعد سے دمِ رخصت
تو رہ جانا وہیں اے پردۂ چشم آستین ہوکر

جو دل بھی مہربان ہو کب زبان ہے اُنکے قابو میں
جو نکلے ہاں بھی آتی ہے نکلتی ہے نہیں ہوکر

لگایا تو گلے سے پر لگائی تیغ بھی اُس نے
ملا تو عید کے دن وہ مگر چین بر جبیں ہوکر

خدا ہو من کی صورت رزق کافر کو بھی دیتا ہے
کسی کو بھول جائے کیا وہ رب العالمین ہوکر

جگہ پکڑی ہے کیوں سینے میں دل نے اس سے کیا حاصل
کسی انگشتری میں اس کو رہنا تھا نگین ہوکر

تصور بندھ گیا جس شام کو اُس حور طلعت کا
تو آیا خواب آنکھوں میں پری بنکر حسین ہوکر

امیر اک آئنہ خانہ تھا دنیا جسکو کہتے ہیں
وہی صورت رہی پیشِ نظر نکلی کہیں ہوکر

کیونکر نظر میں آئے کہ ہے بے نشان کمر
آنکھوں سے مثلِ تارِ نظر ہے نہاں کمر

زانو میں اور شکم میں صفائی کی بحث ہے
دونوں ہیں پر خموش کہ ہے درمیان کمر

جسطرح خود ہے عالمِ ہستی میں بے نشان
اکدن کریگی یوں ہی مجھے بے نشان کمر

جب قصد کرتی ہے کہ مرے دل کو باندھ لے
زلفِ دراز بڑھ کے یہ کہتی ہے ہاں کمر

ہم خوب جانتے ہیں کہ ہے جادۂ عدم
سمجھے ہوئے ہے جسکو یہ سارا جہان کمر

لاکھوں ہیں سرفروش ہزاروں ہیں سر بکف
اک روز باندھیے تو پئے امتحان کمر

کھلتا نہیں کہ خاک میں عاشق تو مل چکے
اب تک ستم یہ باندھے ہے کیوں آسمان کمر

تصویر کیا کھنچے گی مصوّر سے آپ کی
معدوم اگر دہن ہے تو ہے بے نشان کمر

کاہیکو پھر امیر سا پاؤ گے با وفا
باندھو نہ اُسکے قتل پر اے جانِ جان کمر

گلشنِ فردوس ہے رخسارِ یار
آب کوثر شربتِ دیدار یار

ہیں جو آنکھیں طالبِ دیدارِ یار
کاش ہوتیں روزنِ دیوارِ یار

خلد میں ٹھہرے تہِ طوبےٰ جو ہم
یاد آیا سایۂ دیوارِ یار

زندہ مردہ مُردے زندہ ہو چلے
حشر برپا کر چلی رفتارِ یار

برق چمکی تھی جو کوہ طور پر
وہ بھی تھا اک پرتو رخسارِ یار

آنکھ اُسے کہیئے جو دیکھے وہ جمال
کان وہ ہے جو سُنے گفتارِ یار

اسقدر غالب نہو اے خوابِ مرگ
آچکا ہے وعدۂ دیدارِ یار

باغ میں نازاں ہیں کیا طاؤس و کبک
ٹھوکریں کھلوائیگی رفتارِ یار

عین صحت ہے مرض کیسا مرض
ہے مسیحا یار ہم بیمارِ یار

قتل ہوتا ہے دمِ تزئین جہاں
آئنہ ہے تیغ جوہر وارِ یار

اپنی آنکھیں بھی غضب طرار ہیں
لُوٹ لائیں دولتِ دیدارِ یار

آنکھ کھولو خوابِ غفلت سے امیر
گرم محشر میں ہُوا دربارِ یار

اُٹھاتے تھے جو قرآن کل تلک پرہیزگاری پر
مصلے تک گرو ہیں آج اُن کی بادہ خواری پر

اُٹھایا زخم کاری کیمیرے دل نے زخم کاری پر
لگائی تیغ ابرو اُسنے مژگان کی کٹاری پر

تفوق ہو ترے گاگلوں کو جب بادِ بہاری پر
یقین نکہتِ گل کیوں نہو گردِ سواری پر

بھر آئی اُس صنم کی آنکھ بھی اللہ کی قدرت
ہوا پتھر کا دل پانی ہماری اشکباری پر

کہو اشجار سے اکدن خزاں بھی آنیوالی ہے
اُٹھائیں سر نہ اتنا باغبان کی آبیاری پر

نہیں یہ خندۂ دنداں نُما تلوار کا قاتل
چھڑکتی ہے نمک ظالم ہمارے زخم کاری پر

تری موجِ تبسم نے چمن کا رنگ چمکایا
شرارہ ہے یہ گویا نالۂ پُرسوز مجنوں کا
وہ پیاسا ہوں غنیمت ہے مجھے اک بوند بھی پانی
فقیر اللہ کے ہیں بوریائے فقر ہے بستر
خدا ہے عشق ابرو میں جو اپنی جان بچ جائے
کنویں سے جوش کھا کھا کر نکل آتا ہے جو پارہ
چھپایا گل نے پر یہ ہا بلبلِ کُشتہ کا خون اچھلا

ہُوا اک اور گھوڑا توسنِ بادِ بہاری پر
چمکتا ہے کلس زرّیں جو بیلی کی عماری پر
گلا خود جا کے رکھ دیتا ہوں بُوندی کی کٹاری پر
توکل پر نظر تکیہ ہے اپنا ذاتِ باری پر
رہا کرتا ہے خوفِ غرق کشتی کی سواری پر
تڑپتا ہے دل اُس کا بھی ہماری بیقراری پر
پڑیں اُڑ اُڑ کے چھینٹیں دامنِ ابرِ بہاری پر

امیر ایسی بھی شب ہوتی کہ وہ مہ میرے گھر آتا
ترحم کچھ تو کرتا آسمان اختر شماری پر

نوجوانی ہے نہ پوچھو رُخِ جاناں کی بہار
ہے جہاں جلوۂ معشوق وہی شہر ہے خوب
جوشِ گل باغ میں ہے جوشِ جنوں لازم ہے
کسطرح میکدے والوں کو یقیں ہو واعظ
رنگتِ محفل کا تو جمگھٹ سے حسینوں ہی کے ہے
پرتوِ گیسوئے جاناں نہیں آئینے میں
باغباں سے کہو چھوڑے نہ بہت پھولوں کو
سیکڑوں لالۂ رُخ و سروقد و غنچہ دہن

کچھ عجب موسمِ گل میں ہے گلستاں کی بہار
ساتھ یوسف کے گئی مصر میں کنعاں کی بہار
پُرزے پُرزے ہو یہی اب ہے گریباں کی بہار
دیکھ آیا نہیں تو روضۂ رضواں کی بہار
گل جو کھلتے ہیں تو ہوتی ہے گلستاں کی بہار
ہے لبِ نہر چمن سنبلِ پیچاں کی بہار
چار دن ہے یہ گل و لالۂ و ریحاں کی بہار
دیدنی ہے چمنِ عالمِ امکاں کی بہار

اب مدینے کی طرف قصد مصمم ہے امیر
دیکھیے چلکے ذرا گلشنِ ایماں کی بہار

مرے پھولوں میں یعنی آ کے چمن صدقے ہو جوبن پر
برابر رحم اہلِ درد کو دوست دشمن پر

ملو ہاتھوں میں مہندی غم ان سب کا ہے میری گردن پر
کہ جلتا جاتا ہوں ہیں گرتی ہے بجلی جسکے خرمن پر

ہجوم ایسا نگاہوں کا ہوا ہے اُن کی چلمن پر
کہ دُہرے پردے جالی کے پڑے ہیں روئے روشن پر

الٰہی وہ بھی دن آئے کہ میرا ہاتھ محشر میں
کبھی جیبِ کفن پر ہو کبھی قاتل کے دامن پر

وہ میکش ہوں کہ مستی میں ذرا بھی گر قدم پھسلے
بطِ مے اڑ کے میرا ہاتھ رکھ لے اپنی گردن پر

دو رنگی سے نہیں خالی ہے کوئی بات اُس بُت کی
پیامِ صُلح لب پر جنگ کے آثار چتون پر

تڑپتا ہے دلِ بسمل کہیں ایذا نہ ہو تم کو
قدم رکھو تو بسم اللہ کہکر میرے مدفن پر

ادا نے ہاتھ تھاما لی نزاکت نے رکاب آکر
ارادہ جب کیا چڑھنے کا اُس نے پشتِ توسن پر

شرارِ آتشِ دل ہیں کہ قطرے اشکِ خونیں کے
نظر آتی ہیں کچھ چنگاریاں سی جیب دامن پر

اسیرانِ ازل کو قید بارِ دل نہیں ہوتی
گرانی طوق کرتا ہے کہاں قمری کی گردن پر

تہیدستوں کو کیا خوفِ بلائے آسمانی ہے
کفِ افسوس ملکر رہ گئی برق اپنے خرمن پر

کدورت کب جگہ پاتی ہے دل میں صاف طینت کے
نہ دیکھا گرد کو جمتے کبھی دریا کے دامن پر

وہی ہے تیرہ بختی بعد جل بجھنے کے بھی باقی
دُھویں کا جیسے رہ جائے نشان دیوارِ گلخن پر

زہے عبرت چلے تو لُٹ کے پہنچے تا سرِ منزل
پھرے تو فاتحہ پڑھتے ہم آئے قبرِ رہزن پر

نہ کرتا مے سے توبہ تو ابھی ہرگز نہ میں مرتا
جو سچ پوچھو تو میرا خون ہے قاضی کی گردن پر

سبکروحی سے میں وحشی ہوا اے دشتِ وحشت ہوں
پشیماں ہوں جو ڈالیں ہاتھ کانٹے میرے دامن پر

لگی ہے آگ دل میں بلبلوں کے کیا مزہ ہوتا
کوئی پھول اُڑ کے پڑ جاتا اگر گلچیں کے دامن پر

گلِ خورشید بھی آندھی ہے میرے جی جلانے کو
چمک کر دھوپ بجلی بن گئی شاخِ نشیمن پر

امیر ایسا کیا ویران اجل نے قصرِ شاہی کو
کہ آنکھیں رکھ کے روئی بیکسی ایک ایک روزن پر

مری آہوں کے شعلے اسطرح ہیں میرے مدفن پر
چراغِ زیرِ دامن کا ہو جیسے نور دامن پر

گئی ہے جان اک پردہ نشینِ پاک دامن پر
عجب کیا پنجۂ مریم ہو پیدا میرے مدفن پر

وہ بسمل ہوں نگاہِ گرم سے دیکھے جو قاتل کو
اُچھل کر خون میرا جا پڑے قاضی کی گردن پر

کسی گُل پیرہن کی جامہ یہی رنگ لائی ہے
گریبان آجکل کوٹا ہوا ہے میرے دامن پر

مجاور گر نہیں کوئی تو مجھ کو کچھ نہیں پروا
اُتر بیٹھیں گے کاندھوں کے فرشتے میرے مدفن پر

یہ عالم ہے عطش کا وادیٔ گرمِ محبت میں
کہ چشمِ خضر بھی رہتی ہے آبِ تیغ رہزن پر

عجب لذّت بھری تلوار سے قاتل نے مارا ہے
مرا خون اُس کے سر پر اُس کا احسان میری گردن پر

یہ سمجھا تھا کہ ان طوقوں میں پھر مجھ کو پھنساؤ گے
کرو گے چوڑیاں ٹھنڈی تم آکر میرے مدفن پر

گلا کٹوا مزے لے لیکے پھر لے دل کہاں آئے دن
کبھی گردن ہو خنجر پر کبھی خنجر ہو گردن پر

کروں گا اس طرح بدنام ان پردہ نشینوں کو
لہو چھڑکوں گا اپنا جاکے میں ایک ایک چلمن پر

وبالِ معصیت سے پاک ہیں دل صاف ہے جن کا
عذابِ میکشی ہونا نہیں شیشے کی گردن پر

عبث ہے دخترِ رز پر تہمتِ تردامنی واعظ
نمازیں پڑھتی ہیں آ آ کے حوریں اُسکے دامن پر

نگاہِ یاس نے خنجر کی پُرش پر بھی سبقت کی
چلی اُلٹی چھُری مقتول کی قاتل کی گردن پر

مرے ہم لُٹ کے غربت میں رہی لیکن وہی تلخی
خضر نے دیا تو فاتحہ حلوائے رہزن پر

تصور ایک دم بھی اُس کی پلکوں کا نہیں مٹتا
ہمیشہ آنکھ رہتی ہے نظر بازوں کی چلمن پر

پھری اے تُرک جس سے آنکھ تیری ہو گیا بسمل
قضا کی بھی نظر رہتی ہے ہر دم تیری چتون پر

ترحم غیر کے آگے نہ مجھ پر چاہیے تم کو
کہ دل دُکھتا ہے میرا چوٹ پڑتی ہے جو دشمن پر

میں جب کہتا ہوں اُس سے مجھ کو تیری شرم نے مارا
تو شوخی سے حیا الزام رکھ دیتی ہے چتون پر

چلے تیغِ نگہ اغیار پر میں ایڑیاں رگڑوں
مرے ہوتے غضب ہے ہاتھ اٹھائیں آپ دشمن پر

نہیں ہے قطرۂ شبنم یہ مستی دیکھ کر تیری
گھڑے پانی کے غیرت سے پڑے گلہائے سوسن پر

امیر اُسکی ادا سے ایک عالم کی قضا آئی
پڑھے گا فاتحہ اب کون آکر کس کے مدفن پر

اثر یہ ہے جو دی ہے جان اسکے روئے روشن پر
کہ آنکھیں مانگنے آتے ہیں اندھے میرے مدفن پر

اندھیرا چھا گیا ہے یار ایسا رُوئے گلشن پر
زبانِ مار کا عالم نظر آتا ہے سوسن پر

اگر قابل رفو کرنے کے چاکِ جیبِ گُل ہوتا
تو اشکِ چشمِ بلبل سے میں رکھتا آبِ سوزن پر

وہ کشتہ ہیں ہمارا خونبہا قاتل سے جو مانگے
اُتر کر سر سے قاتل کے چڑھے خوں اُسکی گردن پر

کروں میں عذر خواہیٔ دل جو کافر کا بھی ہو میلا
جو ٹوٹے ہاتھ سے نت گر پڑوں پائے برہمن پر

گلے پر خط بھی میری سخت جانی سے نہیں پڑتا
رگڑتا ہوں چھُری رکھ رکھ کے پہروں اپنی گردن پر

پسِ مردن مری دیوانگی کیا رنگ لائی ہے
کہ منّت ماننے آتی ہیں پریاں میرے مدفن پر

نکلتی حسرتِ پابوس کیونکر دل سے بسمل کے
یہ جب تک لوٹ کر پہنچے وہ پہنچا پشتِ توسن پر

کرے غنچہ اگر اُس کے دہاں تنگ سے دعویٰ
سر اُس کا کاٹ کر رکھدوں سنانِ برگِ سوسن پر

نئی صورت کا آکر دیر میں زُنّار پہنایا
جنیؤ کا لگایا ہاتھ اُس بُت نے برہمن پر

میں وہ افسردہ دل ہوں سرد ہو ہنگامۂ آتش
مرے صورت جو کوئی کھینچ دے دیوارِ گلخن پر

نظر اپنی پہنچتی ہے شعاعِ مہر کی صورت
بھروسا آپ ناحق کرتے ہیں پردے کا چلمن پر

اذیت سے نہیں روتا ہوں میں مظلوم دنیا میں
بھر آتے ہیں مرے آنسو مآلِ کارِ دشمن پر

محبت پیشہ عاشق آفتوں کو دوست رکھتے ہیں
ہیں اپنے سر پہ لیلوں جو بلا نازل ہو دشمن پر

اُتر گر اُسنے مقتل میں جو کھینچا میاں سے خنجر
قضا میدان سے بھاگی بیٹھکر قاتل کے توسن پر

نگاہِ گرم سے اُبھرے ہوئے سینے کو جب دیکھا
تو وہ بولے کہ دیکھو آنچ آ جائے نہ جوبن پر

امیر انسان کا دل جلنا گوارا مجھ کو ہو کیونکر
مرے آنسو نکل آتے ہیں اکثر حالِ گلخن پر

کھلے ہیں یاں دیدۂ بصیرت وہ برق حسن آئے تو چمک کر
وہ دیکھنے کی نہیں ہیں آنکھیں کہ بند ہو جائینگی جھپک کر

مرا تو کیا ذکر سائے سے بھی وہ شوخ کہتا ہے یہ جھجک کر
یہ کیا قرینہ ہے بیٹھنے کا ادب سے بیٹھو ذرا سرک کر

یہ ضعف ہے اب کہ ہاتھ اپنا کبھی گریبان تک نہ پہنچا
ہزار مشکل سے گر اُٹھایا تو رہ گیا راستے میں تھک کر

اُٹھاتے ہو غیر کا جنازہ تو رنگ شوخی کا بھی دکھاؤ
شہاب کے دوش اُسپہ چھاپے اُٹھاؤ سیر الہو چھڑک کر

بلائیں وہ پڑ گئے اُٹھا کر نقاب اپنے رُخِ حسین سے
بلائیں لیں گیسوؤں نے اتنی کہ رہ گئے دونو ہاتھ تھک کر

میں اس ادا کا ہوں تیری کشتہ میں اس نزاکت کا تیری بسمل
لگائی تلوار جب چمک کر تو کھا گئی بل کمر لچک کر

بکھرا ہوا دیکھتی ہیں جس دم سیاہ بختوں سے رخ تمہارا
تباہ کرتی ہیں حال کیا کیا وہ کاکلیں سر ٹپک پٹک کر

حباب کی گردش میں چشم ساقی اڑا دیے ہوش میکشوں کے
نکل پڑے میکدے سے باہر ہزاروں میکش بہک بہک کر

جو میں نے آنکھوں سے پونچھے آنسو ابل پڑے وہ اشک خونیں
لہو کی دو بوندیں بھری نظریں لگا جو ہاتھ آ رہیں ڈھلک کر

جو تیرے احسان ہیں ضعیف پیری میں شکر اسکا ادا کروں کیا
دعائیں دیتی ہے ہڈی ہڈی مرے بدن کی چٹک چٹک کر

ہماری مستی تو دیکھ زاہد کہ پیتے پیتے ہیں شیشہ اب اگر پی
ہوئی یہ نشے میں لغزش پا حرم میں ہم جا گرے بہک کر

وہ بام پر بار بار آ کر اڑاتے ہیں صبر و ہوش میرے
زمیں تڑپا رہی ہے مجھ کو فلک پہ بجلی چمک چمک کر

میں ہوں وہ نازک مزاج بلبل نہیں مجھے تاب نکہت گل
دماغ کرتی ہیں کیسا پریشان چمن میں کلیاں چٹک چٹک کر

ہے آرزو چھانٹ چھانٹ لینے کی تو کہ تکلف سے شعر خالی
ثمر رہی نخل فکر کا ہے امیر جو آ گرے ٹپک کر

ردیف رائے ثقیلہ

جو دماغ میں تیرے پہنچ گئی بو تو الجھے نہ زلف دوتا سے بگڑ
یہ قصور نسیم صبا کا سمجھ جو بگڑ تو نسیم و صبا سے بگڑ

تجھے شمع جمال خدا نے کیا مجھے عہدہ پتنگ کا اس نے دیا
سحر زمزمہ پھریں ہیں جو گرد ترے نہ خفا ہو شرم و حیا سے بگڑ

وہ ہے کون شے جو عزیز نہیں مجھے رحم و ستم میں تمیز نہیں
وہی ناز و کرشمہ غضب ہیں یہ ہے جو بگاڑ بھی کبھی تو ادا سے بگڑ

تپ عشق میں اثر دوا ہو مخل جو طبیب ہوا مرا وہ خود ہو مخجل
یہ مزاج کو مشورہ دیتا ہے دل کہ دوا جو تری ہو دوا سے بگڑ

کبھی کعبہ میں صرف سجود ہو کبھی دیر میں جا کے حرم سے ٹھہر
رہے دین میں کفر بھی مد نظر نہ صنم سے بگڑ نہ خدا سے بگڑ

مرے سر میں جو پائی ہے اپنی ہوا تو وہ کہتی ہے کیا کہ جو اس میں آ
ترے بخت میں ہے جو بگاڑ لکھا ہے گیسو و خط کی بلا سے بگڑ

کوئی سختی ہو کوئی ہو تجھ پہ بلا کبھی حرف گلے کا زباں پہ نہ لا
نہیں راست طریق سوائے رضا نہ قدر سے بگڑ نہ قضا سے بگڑ

سگ یار طفیلی کا کام ہے کیا یہ تو حق ہے نزاکتیں حق ہو ترا
مری ہڈی کو تو ہی ٹھکانے لگا رخ ادھر جو کرے تو ہما سے بگڑ

جو نگاہوں سے یار گرائیگا تو کبھی پھر اٹھنے نہ پائیگا تو
تجھے در کا فقیر غریب بنا یہ شعار امیر ہے سر و پا سے بگڑ

ردیفِ زاے معجمہ

یوں ہے خطِ سبز سے رنگِ رُخِ دلدار سبز
کرتی ہے جیسے زمین کو خضر کی رفتار سبز

وضعداروں کا بدلتا ہے کہیں دنیا میں رنگ
برسوں ٹھہرے ہو نہ آب گوہرِ شہوار سبز

کیا چمن میں پڑ گیا عکس بتانِ سبز رنگ
خاک سے سبزہ اُگا پہنے ہوئے زنّار سبز

ہنس کے حق میں یہ قحط آیا بہار آتی نہیں
ہو گئے مثلِ زمرد گوہرِ شہوار سبز

باغ میں سبزی ہی سبزی ہے جو آئی ہے بہار
خاک پر سبزہ تو کانٹے ہیں سرِ دیوار سبز

میکشو کچھ کم نہیں صحنِ چمن سے میکدہ
سُرخ گل ہیں جام شیشے صورتِ اشجار سبز

چہرۂ شفاف جاناں پر ہُوا آغاز خط
خوف ہے کر دے نہ اس آئینے کو زنگار سبز

مست تیرے پی کے سبزی سیر کو نکلیں اگر
کیوں نظر آئے نہ پھر بازار کا بازار سبز

مُردہ اُمیدوں میں رونے ہی سے جان آ جائیگی
کھیت کر دے گا برس کر ابرِ دریا بار سبز

سبزہ رنگوں نے کیا ہے گھر جو آنکھوں میں امیر
اب دکھائی دیتے ہیں سارے در و دیوار سبز

زلفوں سے خالِ رُخ ہے مجھے بیشتر عزیز
پریوں سے ہے زیادہ یہ زنگی پسر عزیز

جان ایک بھی بچا نہیں سکتا ہے نزع میں
کیا فائدہ جو دوست اُدھر ہیں ادھر عزیز

رستے میں خطِ شوق ہمارا نہ گر پڑے
رکھنا زیادہ جان سے اے نامہ بر عزیز

اہلِ جہاں کو دولتِ دنیا سے یوں ہے انس
جسطرح مور و مار کو شیر و شکر عزیز

ہو خاک جاہلوں کو ہمارے سخن کی قدر
پتھر کو لعل ہے نہ صدف کو گہر عزیز

چھوٹوں نہ پھر کسی نے کیا یاد ایک دن
کیا ہم کو دفن کرکے ہوئے بیخبر عزیز

دل سے زیادہ ہم کو غنیمت ہے داغِ دل
بڑھ کر کہیں جگر سے ہے زخمِ جگر عزیز

قصدِ سفر ہے جادہ وطن سے امیر کا
کہہ دو کہ دشمنی پہ باندھیں کمر عزیز

ردیفِ سین مہملہ

نارسا قسمت نے کب جانے دیا دلبر کے پاس
گر پڑی دیوار پہنچے بھی جو اُسکے در کے پاس

کس رب وقامت کا کشتہ تھا کہ مجھ کو خلد میں
گھر ملا طوبےٰ کے نیچے چشمۂ کوثر کے پاس

کیا مری تحریر کی اُس مَست نے کی قدر واہ
ہے لفافہ ڈاٹ شیشے کی تو خط ساغر کے پاس

ذبح ہوکر پیاس کم ہو تشنۂ دیدار کی
اس قدر پانی کہاں قاتل ترے خنجر کے پاس

یوں عیاں ہیں ضعف سے پہلو میں میرے استخواں
جیسے صفحے پر خطِ مسطر خطِ مسطر کے پاس

دل کو کر دیتی ہے روشن صحبتِ اہلِ کمال
آئنے میں زنگ کب رہتا ہے روشنگر کے پاس

مست آنکھیں جلوہ گر اُسکی تہ ابرو نہیں
میفروشوں کی دکانیں ہیں خدا کے گھر کے پاس

عاشق و معشوق ہیں مر کر بھی فرقت قہر ہے
گورِ نوشابہ ہے لازم قبرِ اسکندر کے پاس

شرم آتی ہے مجھے زاہد بتاؤں کیا پتا
شہر میں رہتا ہوں میں پیرِ مغاں کے گھر کے پاس

آئے کس منہ سے وہ تیرے حسن کے بازار میں
اِک ورم ہے داغ کا کھوٹا مہِ انور کے پاس

ہے امیر اپنی دعا آئے مدینے میں اجل
دفن ہوں میں روضۂ پرنورِ پیغمبر کے پاس

چمکا کریں چمکیں جو چمن میں پرِ طاؤس
یاں داغ سے ہر عضو ہے تن میں پرِ طاؤس

کاہیدہ ہوں یہ داغ عزیزان سے پسِ مرگ
مجھ زار کا مردہ ہے کفن میں پرِ طاؤس

رُخ سے دلِ پر داغ مرا زلف میں پہنچا
گلشن سے گیا اُڑ کے ختن میں پرِ طاؤس

بوجہ نہیں ابرِ بہاری کا یہ رونا
دکھلاتا ہے داغ اپنے چمن میں پرِ طاؤس

نیرنگ ہے کیا روئے نگارین کی صفت کا
گویا ہے زبان اپنے دہن میں پرِ طاؤس

غربت نے جو کچھ داغ مرا زلف میں پہنچا
گلشن سے گیا اڑ کے ختن میں پرِ طاؤس

کیا خوف جو برسات کی راتیں ہیں اندھیری
داغوں سے چراغاں ہیں چمن میں پرِ طاؤس

سوزِ دلِ پُر داغ سے ہیں جل گئے ہُوا خاک
لازم ہے نشانی کو کفن میں پرِ طاؤس

رو رو کے امیر ابر بہاری نے دیا غسل
ٹوٹا ہوا پایا جو چمن میں پرِ طاؤس

وان چشم و ابرو ہمنشیں اور یاں جگر ہے دل کے پاس
قاتل وہ قاتل کے قرین بسمل ہے یہ بسمل کے پاس

ٹھنڈک پڑی اس شوخ کا پہلو سے جب پہلو ملا
گویا کسی نے رکھدیا صندل کا پھاہا دل کے پاس

رونے پہ میرے دلربا ہو خندۂ دندان نما
موتی نکل اُس دم نیا تیار ہو ساحل کے پاس

تھا عرش پر جو منتخب گنجینۂ اسرار رب
کچھ دفن کعبے میں ہے اب کچھ ہے میرے دل کے پاس

ہوش و خرد ذہن و ذکا ہوں نزع میں کیونکر بجا
ہو جاتے ہیں ساتھی جدا آتے ہیں جب منزل کے پاس

آئنہ ہے پیش نظر عبرت سے دیکھ اے بیخبر
بزم خموشاں بھی اُدھر ہے عیش کی محفل کے پاس

کیوں بسملوں کو بھا گئی لاکھوں گلے کٹوا گئی
یارب کہاں سے آ گئی چھونکی چھُری قاتل کے پاس

مجنوں تامل کی ہے جا دھوکے کا ہے یہ قافلہ
شبہے ہیں لیلیٰ کے نہ جا ہر صاحب محمل کے پاس

کانٹے چبھے ہر گام پر چھالے پڑے کانپا جگر
منزل کی کڑیاں جھیل پہنچے ہیں ہم منزل کے پاس

راہ عدم کی سیر سے کب رنج اُٹھائے خیر سے
پہنچے ہیں پائے خیر سے سوتے ہوئے منزل کے پاس

گھبرا نہ قیس ناتواں لیلیٰ خود آئے گی یہاں
اُلجھے گا ناحق سارباں جاتا ہے کیوں محمل کے پاس

ساقی کو حیرت ہو گئی مطرب کو وحشت ہو گئی
برباد صحبت ہو گئی پہنچا جو میں محفل کے پاس

جائیگا جب سوئے جناں حوروں کو دیگا ارمغاں
زخموں کی ہیں جو بدھیاں قاتل ترے بسمل کے پاس

ہوتی امیر انجام پر کچھ بھی اگر اُنکو نظر
آنکھوں سے جاتے دوڑ کر حاجت روا سائل کے پاس

ٹھہرا گیا کب تیر سے اے ترک میرے دل کے پاس
خنجر بھی تڑپا دیر تک آیا جو مجھ بسمل کے پاس

گردش جو ہو تقدیر میں کچھ سعی کام آتی نہیں
منزل کچھ آگے بڑھ گئی پہنچا جو میں منزل کے پاس

تاثیر الفت دیکھنا جب قیس نے فریاد کی
گھبرا کے لیلیٰ بول اُٹھی یہ کون ہے محمل کے پاس

زاہد تو کیا شیخ حرم آ آ کے چلے کھینچتا
ملتی جو تھوڑی سی جگہ میخوار ونکی محفل کے پاس

دُولھا بنایا ہے اُسے کیا تیری تیغ ناز سے
بیٹھی ہیں شرمائی ہوئی حوریں ترے بسمل کے پاس

کر تو ہی رحم اَب اے قضا تڑپے یہ کب تک تا کجا
قاتل خفا خنجر کھنچا کوئی نہیں بسمل کے پاس

جب قیس غش کھا کر گرا لیلےٰ نے رو رو کر کہا
اے ناتواں مجنوں میرے آیا تھا کیوں محمل کے پاس

وہ ناقبول خلق ہے غربت میں دیوانہ ترا
منزل کہے چل دور ہو جائے اگر منزل کے پاس

جسکی طرف کی اک نظر دو ٹکڑے تھا اُسکا جگر
کیا برق دم چلتی ہوئی شمشیر ہے قاتل کے پاس

اس کشمکش میں نزع کی کب تک رہوں میں سخت جان
اے اضطرابِ دل ذرا تو دوڑ جا قاتل کے پاس

میں نے کہا بیکس ہوں میں بولے ہمیں دیتے ہو دم
حسرت ہماری ہے ابھی باقی تمہارے دل کے پاس

تیرِ نگاہِ ناز نے تاکا کبھی دل کو اگر
جانِ امیرِ ناتواں پہنچی تڑپ کر دل کے پاس

ردیف شین معجمہ

جو لپٹ بھی جائے وہ گلبدن تو نہوں میں ہجر کے ڈر سے خوش
وہ کلیم تھے ہوئے طور پر جو نمودِ برقِ شجر سے خوش

نہ پتنگ ہوں نہ شمع ہوں کہ وہ خوش ہے شام سے صبح تک
نہ میں ذرّہ طالبِ مہر ہوں کہ شام تک ہے سحر سے خوش

کبھی خط وطن کو رقم کروں تو صبا کو بھی یہ گلہ لکھوں
کبھی تو نے بھی نہ کیا مجھے مرے دوستوں کی خبر سے خوش

نہ اُڑونگا گلشنِ دہر میں نہ پھنسونگا آفتِ دام میں
میں وہ مرغ بے پر و بال ہوں جو ہے اپنی ریزشِ پر سے خوش

کسی دن تو خواہشِ دختِ رز کسی میفروش سے میں نے کی
مجھے تاکنے لگے محتسب کہ یہ بادہ خوار ہے گھر سے خوش

نہ زمیں سے مجھ کو رفاہ ہے نہ فلک سے مجھ کو پناہ ہے
یہ ہی فتنہ زادہ ہیں حیلہ گر نہ ادھر سے خوش نہ اُدھر سے خوش

یہ مصاحبت کا ثمر ہے کہ سزا ابھی پانے کا غم نہیں
جو لٹک کے دوش سے خوش کماں تو ہے تیغ بند کے کمر سے خوش

مجھے کب ہے پاسِ دل و جگر غرض اُس پری کی رضا سے ہے
جو وہ دل سے خوش تو میں دل سے خوش وہ جگر سے خوش تو جگر سے خوش

عجب انقلابِ زمانہ ہے کہ ہے اقربا میں بھی تفرقہ
نہ پدر ہے کوئی پسر سے خوش نہ پسر ہے کوئی پدر سے خوش

ہوئی سرد آگ جحیم کی وہ سیاہکار میں رند ہوں
کہ تمام مردمِ حشر ہیں مرے ایک دامنِ تر سے خوش

کہو کس صنم پہ نظر پڑی کہو کس حسین نے کیا کرم
بہت اے امیر وطن کو تم جو پھر ہو اب کے سفر سے خوش

کٹ بھی چکے کہیں کہ ہے یہاں سرِ وبالِ دوش
قاتل کو بھی ہے تیغ دو پیکر وبالِ دوش

اے تیغ یار جلد سبکدوش کر کہیں
ناطاقتی سے ہے مجھے اب سر وبالِ دوش

نازک جو لوگ ہیں کہیں اُٹھتا ہے اُن سے بوجھ
ہو کیوں وہاں نہ زلفِ معنبر وبالِ دوش

پی جاؤں ایک سانس میں دے مجھ کو میفروش
کب تک سبوئے بادۂ احمر وبالِ دوش

تنکا سا بعد مرگ جو ہوا اپنا جسمِ زار
یاروں کو پھر جنازہ ہو کیونکر وبالِ دوش

ساقی مجھی کو دے میں سر آنکھوں پہ لوں اُسے
ایسی اگر ہے تاک کی دختر وبالِ دوش

ہنگامِ شب جو پھینک گیا میری قبر پر
شاید تھی ماہتاب کو چادر وبالِ دوش

کب تک اُٹھاؤں بوجھ فرشتوں کا اے امیر
ہے ابتدائے سن سے یہ لنگر وبالِ دوش

ردیف صاد مہملہ

آبرو کھوتی ہے پھر بھی رکھتی ہے ناکام حرص
دشمنِ عزت ہے جسکا ہے جہاں میں نام حرص

شدتِ اندوہ انسان کو بھلا دیتی ہے بھوک
خاک دانے کی کریں مرغانِ زیرِ دام حرص

صاحبِ حاجت رہیں امیدوارِ انقلاب
ہیں غنی ہمکو نہیں اے گردشِ ایام حرص

جانتے ہیں اور بھی دنیا میں کچھ اہلِ طمع
رات سے دن تک تمنا صبح سے تا شام حرص

آرزو بخشنے کو ہے آئے وہ تیری بزم میں
بوسہ لے لب کا ترے رکھتا ہی ہے جام حرص

عاقبت تجھ کو دہانِ گور نے لقمہ کیا
وہ کباب گور کی اب کیا ہوئی بہرام حرص

حرص سے خالی ہیں خاص و عام کمتر اے امیر
خاص استغنا سرائے دہر میں ہے عام حرص

ردیفِ ضادِ معجمہ

کیوں نہ کہیے ہیں مہ و مہر سے بڑھ کر عارض
وہ کم و بیش چمک میں ہیں برابر عارض

حسن کہتا ہے سر بزم ہو جلوے کا ظہور
شرم کہتی ہے نہ پردے سے ہو باہر عارض

آنکھیں لڑ سکتی ہیں اب کس کی نکلا خط سبز
لیکے آیا ہے یہ سادات کا لشکر عارض

دہر میں جلوہ گہ مہر ہے ہر ایک مکان
میرے دل میں مری آنکھوں میں کرے گھر عارض

دیکھیے جس کو وہ ہے حسن میں یکتائے جہاں
لب دہن چشم مژہ زلف معنبر عارض

اسکو دیکھا تو کیا ہمنے تماشائے چمن
زلف سنبل ہے دہن غنچہ گل تر عارض

غل ہوا شہر میں خورشید گہن میں آیا
چھپ گیا جب تہ گیسوئے معنبر عارض

بھر آئینہ تو ہے وجہ صفا خاکستر
کیوں مرے گرد نظر سے ہے مکدر عارض

آج ہے ہجر تو ہو جائے گا کل وصل امیر
ایسے انسان کو مرض ہوتے ہیں اکثر عارض

ہمکو وزیر سے نہ کسی شاہ سے غرض
اللہ کے فقیر ہیں اللہ سے غرض

جلوہ پسند آپ کا عاشق ہوں آپ کا
خورشید سے غرض نہ مجھے ماہ سے غرض

اٹھوائیے نہ میرے جنازے کو دھوم سے
مرنے کے بعد کیا حشم و جاہ سے غرض

یہ بوجھ اُن کے سر پہ رہے ہیں جو اغنیا
کیا مجھ گدا کو خیمۂ و خرگاہ سے غرض

کیوں مومنوں کی جانب مہدی نہ ہو رجوع
سارے براتیوں کو ہے نوشاہ سے غرض

روزینہ ہے جو بوسوں کا جاری رہے مدام
کچھ ہو نہ ہو ہمیں تو ہے تنخواہ سے غرض

اے سامعین ہیں شعر مرے دل کا مرثیہ
کرتے ہو واہ کیا ہے مجھے آہ سے غرض

گردش امیر کوچہ بہ کوچہ ہے اس لیے
نکلے کسی طریق کسی راہ سے غرض

ہوتا ہے روز مجھ کو جو عارض نیا مرض
اللہ کیا ہے میرے مرض کی دوا مرض

اسکو غم وصال ہے اسکو تپ فراق
دل کو جدا مرض ہے جگر کو جدا مرض

جھنجھلا کے بولے اُن سے جو لپٹا میں بار بار
پیدا ہوا ہے آج یہ تم کو نیا مرض

آیا ہے وہ مسیح میں بیخود ہوں ہمدمو
مجھ کو نہیں تمیز بڑھا یا گھٹا مرض

ہر وقت اوڑھنا ہے بچھونا ہے شاعری
سچ ہے امیر تم کو ہوا یہ بُرا مرض

ردیف طائے مہملہ

پڑھا جاتا نہیں اے دلربا خط
جز اک اللہ لکھا ہے نیا خط

اثر تھا یہ مری اُفتادگی کا
کمر سے نامہ بر کی گر گیا خط

کہا قاصد سے میرے کھو کے نامہ
یہ کہدے جا کے لکھیں دوسرا خط

نشان ملتا نہیں اُن کے مکان کا
لیے پھرتا ہے قاصد جابجا خط

لگائی تیغ پر اُس ترک نے تیغ
نہ مطلق سخت جانی سے پڑا خط

تمہارا کون ہے غیروں کی ہے ڈاک
امیر اُسکو سمجھ کر بھیجنا خط

ہے روے کتابی پر کیا خوب تمہارا خط
کچھ سات خطوں سے بھی ہے بڑھکے یہ پیارا خط

بھیجا جو کبھی ہم نے دیکھا بھی نہ سارا خط
عینک کی طرح اُس نے نظروں سے اُتارا خط

اک نامہ جو لکھا تھا اب تک نہ جواب آیا
کس منہ سے لکھوں اُسکو قاصد میں دوبارا خط

قسمت کا لکھا دیکھو بھیجا بھی اگر قاصد
اک حرف نہ سمجھے وہ گو پڑھ گئے سارا خط

بھیجا ئیگا تربت میں وہ زیر کفن رکھ کر
جنت کا قبالہ ہے عاشق کو تمہارا خط

احباب دمِ آخر یسین سُناتے ہیں
جی جاؤں جو اسدم بھی آجائے تمہارا خط

اُڑونگا قفس سے میں خود اُڑ کے سوِ گلشن
صیاد کو لکھتا ہے ناحق چمن آرا خط

یاں مشق رہی برسوں اک دن نہ کہا اُسنے
لکھوائیں گے کچھ ہم بھی دیکھیں تو تمہارا خط

اندھا ہوں جو وہ خط ہو نظروں سے امیر اوجھل
جس روز آیا ہے آنکھوں کا ہے تارا خط

ردیفِ ظائے معجمہ

آنا ہو میکدے کو تو دن کو آئے واعظ
دروازہ کون کھولے شب کو برائے واعظ

ساقی وہ رند ہوں میں گر درد تہ نشین ہوں
غوطہ لگا کے مجھ کو خود ڈھونڈ لائے واعظ

کیا فرق نیک و بد میں رحمت ہے عام اُسکی
رندوں کا بھی وہی ہے جو ہے خدائے واعظ

فردوس میکدہ ہے میکش بلا رہے ہیں
اب بھی اگر نہ آئے دوزخ میں جائے واعظ

کیا وعظ سے نہیں کم ہم کو صدائے کُو کُو
کسریٰ کے طاق پر ہے قمری بجائے واعظ

پہلے اُسی سے ہونگے سارے سوالِ محشر
خود بھی ڈرے نہ تنہا ہم کو ڈرائے واعظ

مجلس میں وعظ کی ہیں کچھ رند آج وارد
تاکی ہے مفلسوں نے شاید ردائے واعظ

وہ رند ہوں کہ گاڑوں پیرِ مغاں کا جھنڈا
عمامہ سر کے پرزے نیکر عصائے واعظ

اس کان جب میں سُنکر اُس کان وعظ اڑادوں
بے پر کی میرے آگے پھر کیا اڑائے واعظ

بیٹھے ہیں صبر کر کے میخوار میکدوں میں
محشر میں اُٹھ رہے ہیں ہنگامہ ہائے واعظ

دبتے ہیں بادہ کش کب پرہیزگار جو ہوں
بھاری عمامہ رکھ کر اُن کو دبائے واعظ

کہتا ہے میکدے کا رستہ ہے راہِ دوزخ
چلتا ہے چال اُلٹی ٹھوکر نہ کھائے واعظ

ہیں رند پارسا وہ ضد ہو گئی ہے باہم
سیدھی کہوں تو اُلٹی مجھ کو سنائے واعظ

خم میں ہو قید چندے یہ صورتِ فلاطوں
تجویز کی یہ میں نے ساقی سزائے واعظ

آخر میں آدمی ہوں بادام کچھ نہیں ہوں
بک بک کے مغز میرا کمد نہ کھائے واعظ

کانوں میں بھر گئی ہے مینائے مے کی قلقل
ہم بادہ کش سنیں اب کیونکر صدائے واعظ

مسجد میں رند بھی ہیں ارباب زہد بھی ہیں
دیکھیں امیر آئے کس پر بلائے واعظ

ردیف عین مہملہ

میری طرح جہان میں ہے گرمِ شتاب شمع
ہر بزم میں لگن سے ہے پا در رکاب شمع

دل میں کرے خیال جو اُس گلعذار کا
کیا بات تیرے ساغر و مینا کی ساقیا
پردے میں نور اُس رخ روشن کا کیا چھپے
جلکر ابھی تو گرمی عارض سے ہو گی خاک
روشن ہے اسپہ خاتمہ محفل کا صبح تک
موزون کیا ہے کیا کسی بوٹے سے قد کا وصف
لائے کہاں سے اُس رُخ روشن کی آب و تاب
یوں گل ہے روبرو ترے عارض کے بے فروغ
ہے فاتحہ کا قصد وہاں چھپ کے رات کو
درکار ہو اگر تری محفل کو روشنی
پروانوں کو جلانے کا انجام ہے بُرا

آنکھوں سے جاے اشک بہائے گلاب شمع
بیمثل یہ چراغ ہے وہ لاجواب شمع
فانوس کے حجاب میں ہے بے نقاب شمع
آئے ترے حضور جو رکھتی ہے تاب شمع
یہ وجہ ہے کہ رکھتی ہے چشم پُرآب شمع
ہے مصرع بلند ترا انتخاب شمع
بیجا نہیں جو شرم سے ہے آب آب شمع
جیسے حضور قمقمۂ آفتاب شمع
آئے نہ میری قبر پہ خانہ خراب شمع
فانوس آسمان بنے ماہتاب شمع
لیتی ہے اپنے سر پہ عبث یہ عذاب شمع

واقف نہیں ہے اپنا سیہ خانہ نور سے
معدوم ہے امیر ہمارے حساب شمع

ممکن نہیں کہ رُخ سے ترے ہو دوچار شمع
کیوں صبح تک ہے شام سے شب زندہ دار شمع
آتی ہے اُسکے کوچۂ گیسو سے کیا ہُوا
ہر شب کو ناحق آنے میں کرتی ہے عذر لنگ
قصہ جو سوز دل کا سُنا مجھ سے شام کو
ہے باعث شگفتگی بزم رُوئے زرد
آئے سیاہ خانے میں میرے تو خوف سے
دولت وہ کون ہے نہیں جسکی کسی کو تاگ

چہرے کی آب و تاب دکھائے ہزار شمع
ہے کسکے شوق میں ہمہ تن انتظار شمع
بجھ جاتی ہے یہ بزم میں کیوں بار بار شمع
کیا جانتی نہیں ہے ہمارا مزار شمع
تا وقت صبح شب کو رہی اشکبار شمع
دکھلاتی ہے خزاں میں بھی رنگ بہار شمع
چلدے ہوا کے گھوڑے پہ ہو کر سوار شمع
ہے ساتھ چور بھی ہے اگر تاجدار شمع

مشتاقِ مرگ ہیں شبِ فرقت میں آپ ہم ۔ ناحق دکھا رہی ہے زبان مثلِ مار شمع
پروانوں کی ہیں لاشیں لگن میں پڑی ہوئی ۔ رو رو کے کیوں نہ دل کا نکالے بخار شمع
آیا نہیں جو بزم میں اب تک وہ سرو قد ۔ پروانے کی نظر میں ہے مانندِ دار شمع
اُس شمع رو کے وصف جو کچھ بھی رقم کرے ۔ بنجائے صاف کلکِ وقائع نگار شمع
ممکن نہیں کہ سر نہ ہو گلگیر سے قلم ۔ فانوس کو امیرؔ نہ سمجھے حصار شمع

ردیف غین معجمہ

کر رہا ہے خوب تقلیدِ رُخ و کاکل چراغ ۔ ہو کے گل کرتا ہے پیدا دُود سے سنبل چراغ
کیوں نہ مٹ جائے شبِ وصلت ہمارا داغِ دل ۔ کوئی جل سکتا ہے پیشِ افعیِ کاکل چراغ
شب کو آندھی چل گئی ایسی ہماری آہ کی ۔ ہو گئے خاموش سارے شہر کے بالکل چراغ
ہو غلافوں سے اگر تاریک ہے کُنجِ قفس ۔ داغِ دل کا ساتھ اپنے لائی ہے بلبل چراغ
منحصر داغِ محبت پر ہے دل کی روشنی ۔ کیوں نہ گھر تاریک ہو جائے اگر ہو گل چراغ
میکشوں کو وقتِ شب کیا روشنی کی احتیاج ۔ شیشۂ مے شمعِ روشن ہے تو جامِ مل چراغ
کیا عجب عشاق میں بھی ہو جو باہم لاگ ڈانٹ ۔ گل کو لے بھاگیں پتنگے لے اڑے بلبل چراغ
جب تلک روشن تھا پروانوں کا اک انبوہ تھا ۔ بلبلیں تربت پہ آئیں ہو گیا جب گل چراغ
شب کو آمد کس کی دریا پر ہوئی جو اے امیرؔ ۔ ناخداؤں نے کیے روشن کنارِ پل چراغ

کیا شبِ تاریکِ فرقت میں جلائیں ہم چراغ ۔ گل کرے چلکر ہوا اے آہ جب پیہم چراغ
داغِ حسرت ہے ترے غمناک کے سینے میں یوں ۔ جسطرح کوئی جلاتا ہے شبِ ماتم چراغ
پائیگا میرے سیہ خانے میں آ کر کیا فروغ ۔ کرمکِ شبتاب سے بھی نور میں ہے کم چراغ
عہدِ پیری میں کریں کیا زیست پر ہم اعتقاد ۔ ہو چکی ہے صبح اب ہے اور کوئی دم چراغ

ہو تمہیں ایسے کہ ہمپر مہربان ہوتے نہیں
ہمدمِ بلبل ہے گُل پروانے کا محرم چراغ

بے ثباتی بزمِ عالم کی نظر آتی ہے صاف
ہے نگاہِ چشمِ آخر بین میں جامِ جم چراغ

مرکے بھی محتاج ہوتا ہے کسی کا کب سخی
گورِ حاتم پر ہے نامِ روشنِ حاتم چراغ

ہیں مریضِ عشقِ عارض کی وہی بے تابیاں
لاکھ کرتا ہے دعائے نور پڑھ کر دَم چراغ

میرے آگے جتنے شاعر ہیں وہ ٹھنڈے ہیں امیر
کیا جلے تاروں کا پیشِ نیرِّ اعظم چراغ

کھائے یہ الفتِ بُتِ غنچہ دہن میں داغ
طاؤس کی طرح ہیں سراپا بدن میں داغ

گریاں وہ ہوں کہ کچھ نہیں پروا ہے بعدِ مرگ
دھوویگی چشمِ تر جو لگے گا کفن میں داغ

اے ترک دیکھ تو کوئی گولی سے اُڑ نہ جائے
بندوق اس طرح نہ بھری انجمن میں داغ

کافور لے کے صبحِ غریبی سے بھیج دوں
ہے میرے ہجر سے دلِ اہلِ وطن میں داغ

سُنیے مری نہ دیجیے بوسہ رقیب کو
ایسا نہ ہو لگے کہیں سیبِ ذقن میں داغ

دیکھا ہے جب سے باغ میں گورا بدن ترا
لالے کی طرح ہے جگرِ یاسمن میں داغ

مشقِ سجودِ حق میں بھی دشمن کو رشک ہے
ہے شیخ کی جبین کا دلِ برہمن میں داغ

ظاہر میں اور رنگ ہے باطن میں اور رنگ
بوئے قبا میں ہیں تو ہمارے بدن میں داغ

دیکھ آئے لالہ زار کو ہم جا کے کوہ پر
ایک ایک کا جگر ہے غمِ کوہکن میں داغ

جب سے سُنا امیر کہ ہیں داغ دردمند
لاکھوں پڑے ہیں سینۂ اہلِ سخن میں داغ

ردیفِ فا

دوڑا دل اُسکی زلفِ سیہ فام کی طرف
یہ صید آپ کھنچکے گیا دام کی طرف

دل دیجیے تو ڈھونڈ کے معشوقِ باوفا
آغاز میں نظر ہے انجام کی طرف

درپیش ہے وطن سے سفر چھوٹتا ہے گھر
حسرت سے دیکھتا ہوں در و بام کی طرف

ساقی یہ ہجرِ یار میں دل سے کیا ہے عہد
دیکھوں نہ آنکھ اُٹھا کے مے و جام کی طرف

وہ بدنصیب ہوں جو شکایت کروں کبھی
تقدیر بولے گردشِ ایام کی طرف

دھیان آگیا کہ باغ کو بھی دیکھتا چلوں
آیا تھا ایک سرو گُل اندام کی طرف

اُس آنکھ کے جو دیکھنے والے ہیں باغباں
کب دیکھتے ہیں نرگسِ بادام کی طرف

اپنے امیرِ مست کا کیا پوچھتے ہو حال
جامی کی قبر پر وہ گیا جام کی طرف

ہے چھلاوا اُس پری پیکر کے بل کھانے سے زلف
آتی ہے قبضے میں کسکے ہاتھ دوڑانے سے زلف

کیا اُلجھنے پر تُلی ہے اپنے بیگانے سے زلف
ہے بڑی کج بحث سیدھی ہو تو ہو شانے سے زلف

حق اُسی کا ہے سلاسل پاسِ حق ہر فرضِ عین
ہے یہ حق پوشی چھپاتے ہو جو دیوانے سے زلف

سو بلائیں ہونگی نازل ایک ہے اب تک بلا
کھولیے باہر نکل کر آئنہ خانے سے زلف

تھی شبِ دیجور افشاں سے شبِ مہتاب ہے
کیسی اے مشاطہ چمکی تیرے چمکانے سے زلف

اب ٹھہرتا ہوں کہیں مسجد میں میں وحشی مزاج
دخترِ رز نے دکھائی مجھ کو میخانے سے زلف

ہٹ سرک اے شانہ آئے ہے دلِ صد چاک کو
غیر ممکن ہے کہ سُلجھے تیرے سلجھانے سے زلف

طور آرایش کا کیا جانیں ابھی کم سن ہیں وہ
رُخ ہے آئینے سے غافل بے خبر شانے سے زلف

چشمِ بد دور اُن کا ہر انداز ہے سب سے جدا
حسن میں اک بانکپن ہے کم نہیں بانے سے زلف

دیکھیے اہلِ عدم پر اب ہو نازل کیا بلا
شانہ کیسا تا کمر پہنچی ہے لٹکانے سے زلف

آدمی کیا اب تو کرتی ہے فرشتوں کو بھی مست
موج آئی کیا کہ چھلکی اپنے پیمانے سے زلف

اے دلِ صد چاک شانہ بنکے جا پر یاد رکھ
ہے مزاج الٹا الجھ پڑتی ہے سلجھانے سے زلف

دردِ دل کہنے کو جادو تم تو سمجھے ہو امیر
پر نہ ہاتھ آئیگی افسون سے نہ افسانے سے زلف

عارض ترے اے گلبدن ایک اسطرف ایک اُسطرف
گویا کھلے ہیں وہ چمن ایک اسطرف ایک اُسطرف

پڑتا ہے اُن پلکوں سے رن ایک اسطرف ایک اُسطرف
مردہ جو ہیں زیر زمیں زندہ ہیں بالائے زمیں
تُو بزم میں جلوہ نما عکس آئینے میں ہے ترا
وہ قامت و گیسو نہیں تشبیہ ہے دلنشیں
پیری میں اے زاہد نہیں یہ تیرے گیسوے سفید
کیونکر بچیگی دل کی جاں آنکھوں سے اُس سفاک کی
ہیں بیچ میں وہ جلوہ گر ہیں ہوں اِدھر اور غیر اُدھر
ترکانِ چشم اُس شوخ کے ابرو کی تلواریں لیے
جلتا ہے الفت سے جو دل پھکتا ہے فرقت سے جگر
افلاس و دولت دونوں سے دنیا میں ہوتا ہے ضرر
ظاہر گل و بلبل سے ہے نیرنگِ گلزارِ جہاں
ہیں آفتیں دل پر کٹی چینِ جبیں پر بھی تری
خالی مصیبت سے نہیں انسان کو ہستی و عدم
چورنگ ہو کیونکر نہ دل آنکھوں بھوؤں کو دیکھ کر
آدھی سفید آدھی سیہ ہر اک پہ وحشت کی نگہ
بازو پہ گر اُس کے بندھیں ہو جائیں جوشِ حسن سے
کیا کاتبِ اعمال سے پوچھوں کہ تم لکھتے ہو کیا
دل سے جگر سے عشق میں کاٹے سے غم کٹتا نہیں
کیا دن تھے دلی لکھنؤ تھے میر و مرزا سے چمن
ہیں زیر و بالا تیرے لب جاں بخشیوں میں منتخب
تلوار اُدھر پھیرے ہے مُنہ بسمل اِدھر پھیرے ہے رُخ

دو پلٹنیں ہیں صف شکن ایک اسطرف ایک اُسطرف
آراستہ ہے انجمن ایک اسطرف ایک اُسطرف
بیٹھے ہیں دو غنچہ دہن ایک اسطرف ایک اُسطرف
ہے دار سے لٹکی رسن ایک اسطرف ایک اُسطرف
ہیں دوش پر یہ دو کفن ایک اسطرف ایک اُسطرف
ہیں تاک میں دو راہزن ایک اسطرف ایک اُسطرف
ایک بت ہے اور دو برہمن ایک اسطرف ایک اُسطرف
دکھلا رہے ہیں بانکپن ایک اسطرف ایک اُسطرف
آفت ہیں دو داغِ کہن ایک اسطرف ایک اُسطرف
اس سانپ کے ہیں دو دہن ایک اسطرف ایک اُسطرف
یہ نوحہ گر وہ خنداں زن ایک اسطرف ایک اُسطرف
طرہ ہے زلف پر شکن ایک اسطرف ایک اُسطرف
ہیں منزلیں دونوں کٹھن ایک اسطرف ایک اُسطرف
آفت [illegible] دونوں تیغ زن ایک اسطرف ایک اُسطرف
آنکھیں ہیں دو ابلق ہرن ایک اسطرف ایک اُسطرف
آگے چاک ہیں نور تن ایک اسطرف ایک اُسطرف
کاندھوں پہ ہیں دو بید ہن ایک اسطرف ایک اُسطرف
اک کوہ ہے دو کوہکن ایک اسطرف ایک اُسطرف
یہ دونوں تھے یکتائے فن ایک اسطرف ایک اُسطرف
دو ہیں مسیحائے زمن ایک اسطرف ایک اُسطرف
روٹھے ہیں یہ دو طفل دلہن ایک اسطرف ایک اُسطرف

چورنگ ابرو سے جگر دل لسبل تیغ نظر
رخسار نازک ہیں تو ہوں آج ایک ماتو نگانہ میں
شیخین و امان عبا تھامے ہوئے ہیں حشر میں

گویا ہیں دو گلگوں کفن ایک اسطرف ایک اُسطرف
دو بوسے لو نگا جان من ایک اسطرف ایک اُسطرف
ہیں بیچ میں شاہِ زمن ایک اسطرف ایک اُسطرف

زلفیں امیر اُس حور کی ہیں چہرۂ پُر نور پر
اِک چاند ہے اور دو گہن ایک اسطرف ایک اُسطرف

قہر ہے مژگان چشم جادوے دلبر کی صف
ایک جنبش میں اُلٹ دیتی ہے یہ لشکر کی صف
دیکھنے آیا جو وہ سفاک روز باز پرس
گردنیں جھک جھک گئیں بچھ گئی محشر کی صف
رند میخانے کے کیا بیباک ہیں طرار ہیں
دخل اگر پائیں تو لیجائیں خدا کے گھر کی صف
ناگہاں چمکی جو مثل برق وہ تیغ جمال
کیا تہ و بالا ہوئی مژگان چشم تر کی صف
ہے صدف کہنا بجا اُسکے دہان تنگ کو
سمجھے ہیں جس کو صفِ دندان وہ ہے گوہر کی صف
ہوں وہ دیوانہ جو مسجد میں گیا وقت نماز
ڈر گئے سب لوگ اندر ہو گئی باہر کی صف
کیا خرام ناز ہے نکلے جو وہ دامن کشاں
زلزلہ آیا تہ و بالا ہوئی محشر کی صف
کیا زمانہ ہے ہوئے مقتول خاصان خدا
مسجد کوفہ میں بچھی ماتم حیدرؓ کی صف
مسجد اقصیٰ میں ختم الانبیا بنے پیش امام
پیچھے اُنکے مرسلان خالق اکبر کی صف
مومنوں کو کیا ہے اندیشۂ یاجوج کفر
سدِّ اسکندر ہوئی اسلام کے لشکر کی صف

شعر ہیں ہر صفحۂ دیوان پہ میرے یوں امیر
جسطرح گلزار میں اشجار بار آور کی صف

ردیفِ قاف

کتنی ہو دُور قطع ہے دم بھر میں راہِ شوق
صرصر کے پاؤں رکھتی ہے اپنی نگاہِ شوق
طوفان غم ہیں دل کی خدا ہی مدد کرے
مضطر ہے نا خدا ہے جہازِ تباہِ شوق
شیدا ہوں اُس کے چہرے کا عاشق ہوں زلف کا
سب ہے مری نظر میں سپید و سیاہِ شوق

تم پاک ہو ڈرو نہ قیامت کے روز سے
اے چشم و دل ہے جرم تمنا گناہِ شوق

ہے سیرِ باغِ حسن کا طالب ہمیشہ دل
اُگتی ہے اُس زمین سے مردمِ گیاہِ شوق

آمد ہے قصرِ دل میں یہ کس شاہِ حُسن کی
پردے ہماری آنکھوں کے ہیں فرشِ راہِ شوق

چلتی ہے تیغ معرکۂ حسن میں تو کیا
رکھ اور بڑھ کے پاؤں ذرا اے نگاہِ شوق

بوڑھا بنا دیا ہے ترے رعبِ حُسن نے
ہے دست رعشہ دار ہماری نگاہِ شوق

نکلے نہالِ حسن میں پتے ہرے ہرے
برسا یہ جھوم جھوم کے ابرِ سیاہِ شوق

پروا ہے کیا نقاب جو اُس رُخ کی ہے سپر
توڑیگی تیر بنکے ہماری نگاہِ شوق

جتنا اُدھر کھچا تری چوٹی کا فتح پیچ
بڑھتی گئی اِدھر بھی شکستِ کلاہِ شوق

مثلِ کمند لائی حسینوں کو کھینچ کر
نکلی امیرؔ مُنہ سے ہمارے جو آہِ شوق

زندہ یارب ہوں جو مردہ ہیں یہ آوارۂ عشق
پھونک دے صور کہیں شورشِ نقارۂ عشق

دل بھی میرا مری مانند ہے آوارۂ عشق
آسمان عشق کا میں ہوں تو یہ سیارۂ عشق

گردنِ چرخ جھکے بوجھ سے جب مثلِ ہلال
کیا اُٹھے پھر کسی مزدور سے پشتارۂ عشق

سروِ آزاد یہ چھوٹے ہوئے بندے ہیں وہی
عاشقِ قد نے دیا تھا کبھی کفارۂ عشق

پھر سے ایمن میں گئے حضرتِ موسیٰ سرِ طور
کیوں نہ منزل پہ وہ پہنچیں جو ہوں آوارۂ عشق

ہے یہ مطلب دلِ صد چاک کا پیشِ رُخِ یار
اسی قرآن میں ملجائے یہ سی ۳۰ پارۂ عشق

برق کو میں علمِ شوق کا پرچم سمجھا
رعد پر مجھ کو ہوا شبہۂ نقارۂ عشق

قدِ آدم عوضِ آپ اُچھلتا ہے لہو
حلق بسمل ہے جسے کہتے ہیں فوارۂ عشق

نور تاروں میں جواہر میں چمک لعلوں میں رنگ
لاکھ آئینوں میں ہے پرتوِ رخسارۂ عشق

کچھ بھی ہوتا جو زمانے میں محبت کا رواج
حُسن کرتا نگہِ شوق سے نظارۂ عشق

ہمنے اخفا بہت کیا رازِ محبت کو امیر

مرتے مرتے نہ اُٹھا پردۂ رخسارۂ عشق

غم سے بجا ہیں بیتاب عاشق — آتش ہے فرقتِ سیماب عاشق
خرمن کا میرے اب کیا ٹھکانا — بجلی ہے شیدا سیلاب عاشق
قسمت کی گردش جاتی ہے کوئی — دریا ہے اُلفت گرداب عاشق
وہ گل ہے پیاسا میرے لہو کا — سُرخاب پر ہے سرخاب عاشق
انسان کیسے چہرے پہ تیرے — ہے مہر قربان مہتاب عاشق
معشوق عاشق کیونکر جدا ہوں — قاتل ہے ان پر خوڈاب عاشق

دور آئے ایسا کوئی امیر اب
احباب پر ہوں احباب عاشق

ردیف کاف تازی

وصل حاصل ہے مگر ہے غمِ ہجراں ابتک — جمع ساماں ہے پر دل ہے پریشاں ابتک
تھک چکے پر ہے سرِ سیرِ بیاباں ابتک — وہی کانٹے ہیں وہی گوشۂ داماں ابتک
تیغ اُس ترک نے گو کھول کے رکھدی ہے مگر — رُعب باندھے ہوئے ہے شہر میں میداں ابتک
قید سے وحشت میں آئے ہوئے مدت گزری — شوق میں میرے کھلا ہے درِ زنداں ابتک
پیری آئی ہوئے سب موئے سیہ سر پہ سپید — صبح ہوتی نہیں لیکن شبِ ہجراں ابتک
دل جگر سینہ و سر سب ہوئے چھلنی لیکن — تیر پر تیر لگاتی ہے وہ مژگاں ابتک
کتنے بابخت تھے جو چھوڑ گئے رسمِ ستم — مرچکے پھر بھی لکھے جاتے ہیں عصیاں ابتک
عمر گزری ہے کہ ہوں منتظرِ روزِ وصال — نہیں آتا ہے وہ اے گردشِ دوراں ابتک
کیا رفوگر کی ندامت کی ہے اسکو بھی خبر — ہنس رہا ہے جو مرا چاکِ گریباں ابتک
عمر گزری ہے الٰہی اجل آتی ہے نہ یار — کوئی مشکل مری ہوتی نہیں آساں ابتک

شعرا اُٹھ گئے دنیا سے مگر دیکھ امیر

اچھے شعروں کا زمانہ ہے ثنا خوان ابتک

عشق میں ہیں لب خشک و مژہ تر تر و خشک
اپنے قبضے میں بھی ہے مثل سکندر تر و خشک

ساقیا ہم کو مے ناب ملے خواہ کباب
نوش کرتے ہیں جو دیتا ہے مقدر تر و خشک

قطع رہ کرتا ہے دریا میں بھی صحرا کی طرح
سالک راہ خدا کو ہے برابر تر و خشک

خشکی زاہد و تر دامنی رند کا حال
پوچھ لو ہم سے کہ دیکھا ہے سراسر تر و خشک

اغنیا نعمت الوان پہ کریں ناز امیر
شام تک ہم کو بھی ہوتا ہے میسر تر و خشک

نہیں ممکن رسائی لامکاں تک
نشاں کس طرح پہنچے بے نشاں تک

تری سفاکیاں پہنچیں یہاں تک
کہ ڈرتی ہے حیات جاوداں تک

کروں ضبط نفس ہمدم کہاں تک
لگی ہے آگ اک دل سوزباں تک

پہنچ جائے اگر مجھ سخت جاں تک
تو مانگے موت مرگ ناگہاں تک

میں ہوں وہ ناتواں جب آ کھنچی
تو ٹھہری سو جگہ دل سے زباں تک

کڑی ہے اس قدر منزل عدم کی
کہ مر مر کر پہنچتے ہیں وہاں تک

بہار آخر ہے اور میں بے پر و بال
قفس سے اڑ کے بیٹھے آشیاں تک

میں ہوں اس انجمن میں شمع تصویر
کہ سوز دل نہیں آتا زباں تک

ہزاروں حسرتوں کا ہو گیا خون
کہاں تک پاس رسوائی کہاں تک

مری واماندگی کہتی ہے مجھ سے
پہنچنا ہو چکا اب کارواں تک

غش آیا زاہد مسجد میں بے مے
چلو لیکر مجھے پیر مغاں تک

ترے قرباں لئے بیتابی دل
مجھے پہنچا دے اسکے آستاں تک

مکان یار تک قاصد نہ پہنچا
گئے کیسے پیمبر صلعم لامکاں تک

بہت ہی زور پر ہی وصل کا شوق
نزاکت آڑے آئیگی کہاں تک

میں وہ دل سوختہ ہوں اس چمن میں
جلے بجلی جو آئے آشیاں تک

نہیں کچھ تیغِ قاتل ہی کشیدہ
خفا ہے مجھ سے مرگِ ناگہاں تک

نہ پائی گرد نالوں نے اثر کی
زمیں سے خاک چھانی آسماں تک

جو یوں آنے نہ دے اُسکی گلی میں
تو پہنچوں خواب بنکر پاسباں تک

تڑپنے سے مرے تنگ آکے بولے
تسلّی دے کوئی تجھ کو کہاں تک

کہاں ہم اے امیر اب اور کہاں داغ
یہ جلسے ہو چکے خاد آشیاں تک

ڈھونڈا کیے ہم کو نہ ملا یار کا گھر تک
پہنچی نہ کسی طرح دعا باب اثر تک

کھلتا نہیں کون آکے بیاباں میں یہ رویا
اک تختہ ہے پانی کا ادھر سے جو اُدھر تک

فریاد ہے عالم میں ترے دستِ ستم کی
سر کھولے ہوئے پھرتے ہیں خورشید و قمر تک

بیکس تھا زمانے میں مرا کس کو ہے ماتم
اک شمع لحد شام سے روتی ہے سحر تک

گھر تک شبِ فرقت میں اُسے کھینچکے لاؤں
پہنچے جو مرا ہاتھ گریبانِ سحر تک

پائی یہ کماندار ترے تیر میں لذّت
سینے میں وہ بیٹھا نہ ہوئی ہم کو خبر تک

کیا باڑہ پر آب دمِ شمشیر ہے قاتل
تھا تیری کمر تک مگر اب ہے مرے سر تک

جو دھار سے ہو پار اُسے کیونکر کوئی دیکھے
روشن ہے کہ جاتی ہے نظر حدِّ نظر تک

چھوٹا نہ امیر اُن سے کوئی شہر کا کوچہ
آنے میں رہا عذر ہمیشہ مرے گھر تک

ردیفِ کافِ فارسی

باغ میں آکر وہ گلرنگ رُو تازہ دکھلاتا ہے رنگ
گل یہ شرماتے ہیں اک آتا ہے اک جاتا ہے رنگ

ہمنو اُڑ کر جا نہیں سکتے قفس سے باغ تک
گُل جو یاد آتے ہیں تو چہرے کا اُڑ جاتا ہے رنگ

جانتا ہوں ہے بڑا بہروپیا پیرِ فلک
صورتیں تازہ نئے ہر روز دکھلاتا ہے رنگ

کیا خدا کی شان ہے پانی کرے کارِ ہوا
آتشِ رخسار کو غازے کا بھڑکاتا ہے رنگ

زاہدونکو چھپ کے در آتے ہوے پیرِ مغاں
اور ہی کچھ اب تمہارا اے سخی داتا ہے رنگ

چہرۂ دل بنگیا زخموں کے پھولوں سے چمن
کیا خراش ناخن غم ہم کو دکھلاتا ہے رنگ

فائدہ اتنا ہے باندھے ہیں جو مضمون زلف کے
شعر جب پڑھتے ہیں ہم یاروں میں بندھجاتا ہے رنگ

کیوں نہو چہرے پہ اُسکے خوشنما زلفِ سیاہ
ابر جب گلشن میں آتا ہے بدلجاتا ہے رنگ

کسپہ شبخون لائیگا کھلتا نہیں کچھ اے امیر
آجکل کیوں قرمزی وہ شوخ رنگواتا ہے رنگ

ردیفِ لام

دل ہے دشمن نہ بغل میں اسے پالے بلبل
کسی گلچیں کو کرے جا کے حوالے بلبل

تو گرفتار ہے صیاد کا سمجھے تو مزاج
تھوڑی تھوڑی ابھی آواز نکالے بلبل

خوش بیانی ہے تری سارے چمن میں مشہور
کچھ تو صیاد کو باتوں میں لگالے بلبل

پتیاں گل کی پریشان نہ کرے بادِ صبا
کہیں منقار سے پر نوچ نہ ڈالے بلبل

سخت مشکل ہے کہ گلچین ہے قریبِ گلبن
دامنِ گل کہ کلیجے کو سنبھالے بلبل

لی تو ہے مول گلستاں کہ ذرا جی بہلے
بیر یہ ہے ڈر کہیں جھگڑا نہ نکالے بلبل

تیز چلتی ہے ہوا فصلِ خزاں آ پہنچی
اپنے آغوش میں پھولوں کو چھپالے بلبل

آخر اک روز خزاں ہے کہ طلسمی ہے بہار
چار دن رنگ گلستان میں جمالے بلبل

دھیان صیاد کا گلچیں کا خطر خوفِ خزاں
ہو بلا ایک تو سر سے اُسے ٹالے بلبل

عاشق اک گل کا ہوں جاتا ہوں چمن میں میں بھی
اس توقع پہ کہ کچھ درد بٹالے بلبل

ہاتھ یوں پھولوں پہ ہر بار نہ ڈال اے گلچیں
چوٹ کھا کھا کے لہو مُنہ سے نہ ڈالے بلبل

گل ترے آگے نگاہوں سے گرے پڑتے ہیں
یا علی کہہ کے سنبھالے تو سنبھالے بلبل

ناموافق ہے ہوا اس سے گلستان کی امیر

آشیانے سے کہو سر نہ نکالے بلبل

واہ کیا خوب پر و بال نکالے بلبل
اڑتے ہی پڑ گئی صیاد کے پالے بلبل

باغبان رحم سے واقف نہیں گلچین بیدرد
ایک ہم ہیں ترے پہچاننے والے بلبل

یہی رونا ہے تو پھولوں کا خدا حافظ ہے
آنسوؤں سے ترے سب بھر گئے تھالے بلبل

نہ جلا تجھ سے قفس میں نے چمن پھونک دیا
دیکھ ہیں گرم ترے یا مرے نالے بلبل

پھول گلشن میں آئے تھے کہ صیاد آیا
دل کے ارمان کہو کیا خاک نکالے بلبل

ذبح صیاد کریگا تجھے کل ہے یہ خبر
آج جو کچھ ہو سنانا وہ سنالے بلبل

ہنس رہا ہے ابھی صیاد نہیں واقف ہے
چٹکیاں لیں گے جگر میں ترے نالے بلبل

باغبان کا جو شب و روز جلانا ہے یہی
آشیاں برق کو کر دے گی حوالے بلبل

ہاتھ گلچیں کے کیے باغ میں کانٹوں نے فگار
خوب ہی پھوٹے ترے دل کے بھی چھالے بلبل

پھول پھولے ہوئے بیٹھے ہیں چمن میں تجھ سے
چہچہے کرکے ذرا ان کو منا لے بلبل

تجھ سے ہنستے ہیں کبھی کرتے ہیں گلچیں سے مذاق
ان گلوں کے ہیں کچھ انداز نرالے بلبل

دم الٹ جائے نہ صیاد کا سنتے سنتے
دردانگیز نہ کر ایسے تو نالے بلبل

اکدن آ ٹپکی خزاں دونگی کیسی یہ امیر
چار دن باغ میں بے پر کی اڑا لے بلبل

انہیں در کا ہے اک چلبلا دل
یہ سننا تھا کہ بجلی بن گیا دل

اسے دیکھا تصدق کر دیا دل
کسی کو کیا مری آنکھیں مرا دل

دہائی بادشاہِ حسن کی ہے
ادائیں چھینے لیتی ہیں مرا دل

اٹھا کر رونے اور اس کو پٹکا
جہاں راہِ محبت میں گرا دل

تری صحبت میں جا کر بن گیا ہے
تری شوخی کا خاکا چلبلا دل

تڑپ جاتا ہوں میں اٹھتا ہے جب یہ
الٰہی درد ہے پہلو میں یا دل

تری اٹکھیلیوں پر خون اس کا | چلا اس چال سے تو پس گیا دِل
یہ داغِ عشق سے ہے عشق مجھ کو | سمجھتا ہوں اسے میں دوسرا دِل
تمہارا ہو نہو اسکی خبر کیا | ہمارے ہاتھ سے جاتا رہا دِل
جگہ دے غیر کو بھی ساتھ تیرے | کب اس پہلو پر آتا ہے مرا دل
الٰہی ایک کس کس کو دوں میں | وہاں تو مانگتی ہے ہر ادا دل
وہ بولے واہ بوسہ دیں تو دل لیں | نئے دل دینے والے تم نیا دِل
پٹک کر دل مرا جھنجلا کے بولے | بڑا اوچھا ہے تو لیجا اُٹھا دل
تمہیں افسردہ پایا بجھ گیا جی | تمہیں دیکھا شگفتہ کھِل گیا دِل
تڑپنے سے ہر روز وصل کیا کام | یہ تم کو پیار کرتا ہے مرا دِل

امیر اس ناز سے ظالم نے دیکھا
نگاہیں بول اُٹھیں وہ لے لیا دل

وہ مجنوں ہوں مرا سودا نہیں تدبیر کے قابل | کرے تدبیر جو اسکی وہ ہے زنجیر کے قابل
جو مضموں تیغ سُوجھا ہی تو بندش بھی نئی پائی | الٰہی ڈاب بھی ملجائے اس شمشیر کے قابل
برنگِ شمع اپنا سوزِ دل چہرے سے ظاہر ہے | نہ پائی اسلیے ہمنے زبان تقریر کے قابل
زبان سے کچھ نہ کہہ غافل سمجھ کر بے زبانوں کو | ہُوا ہے خواب مخمل بھی کہیں تعبیر کے قابل
مشقت سے عبث شیشے میں پریاں بند کرتا ہے | سن اے عامل پری شیشے کی ہی تسخیر کے قابل
چھوا زنجیر گیسو کو تو کیوں دُرّے لگاتے ہو | کہاں تقصیر دیوانے کی ہے تعزیر کے قابل
ہمارا ڈھیر جب دیکھا کہا اُس ناوک افگن نے | یہ تو وہ خاک کا ہے کیا نشانِ تیر کے قابل
عبادت کا اگر ہے شوق یہ بھی شرط ہے زاہد | جبیں سجدے کے لائق ہو زبان تکبیر کے قابل
جو بوسہ زلف کا مانگا کہا اُس شوخ نے ہنسکر | جنوں اب بڑھ چلا ہے آپ ہیں زنجیر کے قابل
بڑی بندہ نوازی کی جو دی یہ آبرو قاتل | نہ تھا میرا گلا تیرے دمِ شمشیر کے قابل

پری رویوں کا عاشق ہوں مجھے کہنا ہی دیوانہ
خفا واعظ نہ ہو میں ہوں کہ تو زنجیر کے قابل

کہیں سر ہے کہیں سینہ کہیں بازو کہیں زانو
ہماری لاش اے قاتل نہیں تشہیر کے قابل

مصور بھی جو اُنکو دیکھتے ہیں دل میں کہتے ہیں
بنائیں حق نے کیسی صورتیں تصویر کے قابل

جو کچھ آنکھوں سے دیکھا ہے وہ اس سے جاکے کہدینا
ہمارا حال اے قاصد نہیں تحریر کے قابل

کلیم اللہ بھی آئیں تو کچھ کہتے نہ بن آئے
دہن کس کا ہے اُسکے سامنے تقریر کے قابل

امیر اپنا دلِ پر داغ سوے کربلا لیچل
یہ گلدستہ ہے نذرِ روضۂ شبیرؑ کے قابل

کیوں نہ تکیوں میں ہو گرمِ نالہ ہاے زارِ دل
سو رہے ہیں سیکڑوں زیرِ زمیں بیدارِ دل

دلربا تیری نظر میں ہے اگر بیکارِ دل
لا مجھی کو پھیر دے پھر میرے ہی سر مارِ دل

ہجر میں گھیرے ہوئے رہتے ہیں اندوہ و الم
حلقۂ پرکار میں ہے نقطۂ پرکارِ دل

خواہش دولت اگر ہے ہو درِ دل پر مکیں
فی الحقیقۃ ہے بڑی ڈیوڑھی سرکارِ دل

ہوگیا جب سامنا اُس زلفِ آفت خیز کا
پھر کے آنکھوں نے کہا ہشیار دل ہشیار دل

چار ابرو پر ترے اے بُت کروں قربان ابھی
ایک کے بدلے جو دے اللہ مجھ کو چار دل

اے خیالاتِ جہاں کیسی خرابی لائے تم
کُنجِ خلوت پہلے تھا اب ہوگیا بازارِ دل

حسرتیں تھیں جسقدر وہ ساری مردہ ہوگئیں
بیٹھے کس کس کے لیے بن بن کے ماتمدارِ دل

منزلِ دنیا نہیں ہے یہ مقام امتحان
جیت لے میدان مشقت سے نہ ہمت ہارِ دل

جان مدت سے ہی ہونٹوں پر مگر مرتا نہیں
کس مسیحا کا ہُوا ہے یا خدا بیمارِ دل

آنیوالی گر نہیں ہے آفتِ تازہ امیر
کیوں اُلجھتا ہے مرے سینے میں پھر ہر بار دل

گُل سنتے ہیں کب صدائے بلبل
اپنی سی ہزار گائے بلبل

رنگ اپنا اگر جمائے بلبل
ہو خندۂ گل صدائے بلبل

گلچیں رہِ صحنِ باغ بھولا
مقبول ہوئی دعائے بلبل

توڑا گلچین نے جب کوئی پھول
آئی آوازہ ہائے بلبل

گلزار میں آگ سی لگی ہے
کیا گرم ہیں نالہ ہائے بلبل

ہے حُسن سے قدرِ عشق بالا
گُل سے ہے بلند جائے بلبل

آیا ہے نہانے کو جو وہ گُل
ہے بلبلوں میں صدائے بُلبل

آخر کو تڑپ تڑپ کے دی جان
دیکھی اے گل وفائے بلبل

پھُولوں سے بھرا ہُوا ہے گلشن
خالی ہے امیر جائے بلبل

باتیں حکمت کی کہیں سب کو ملے پھول سے پھل
آج کچھ ہمنے سوا پی تھی جو معمول سے پھول

کی ہے جب غور سے ہمنے چمنِ علم کی سیر
خارِ معقول سے ہاتھ آئے ہیں منقول سے پھول

داغ سینے میں نہیں ہیں یہ ملے ہیں ہم کو
چمنِ اُلفتِ پیمبرِ مقبول سے پھول

کون آیا یہ چمن میں کہ خجالت سے ہوئے
بڑھ کے زردی میں رُخِ عاملِ معزول سے پھول

باغ امراض کا گھر بن گیا جاتے ہی بہار
سرو مدقوق سے بدتر ہوئے مسلول سے پھول

کہیں کوتاہ بھی ہو جا صفتِ عمرِ بہار
تنگ اے قصۂ بلبل ہیں ترے طول سے پھول

آگ ہے گرد کدورت دلِ بلبل کی نہیں
کھو دامن کو بچائے رہیں اس دھول سے پھول

واہ کیا بات صبا دیدۂ آخر بین کی
روئی شبنم جو گلستان میں ہنسے پھول سے پھول

مہربان کچھ تو ہوا روز کی ہٹ کام آئی
آج ساقی نے سوا دی مجھے معمول سے پھول

اپنے سرِ بار گنہ اُس کا لیا قاتل نے
کیوں جنازہ نہ ہو بے جرمیِ مقتول سے پھول

کیا ترے عاشقِ رُخسار کو بھڑکائیں گے
ہیں سوا آنکھوں میں پامالیِ مشعلہ غول سے پھول

شرم کی جا ہے بشر کچھ جو بشر سے مانگے
کسی گلشن میں نہیں طالبِ زر پھول سے پھول

وہ خوش اقبال اگر ہاتھ میں لیکر داغ ہے
سونے چاندی کے نکلنے لگیں ہتھ پھول سی پھول

واہ رے فیض کہ بالے میں عوڈالے اُس نے — قیمتی ہو گئے سونے کے کرن پھول سے پھول

گردِ عصیاں سے بری دامنِ بابل ہے اے امیر
رسیاں ایسی تو ناحق نہ ٹٹیں دھول سو پھول

جاتا تو اُس کے کوچے میں ہے بار بار دل — کھائے نہ چوٹ یاس کی اُمیدوار دل
دکھلا رہا ہے سیر مرا داغدار دل — پایا خزاں سے میں نے یہ باغ و بہار دل
اس گلبدن کے عشق میں ہے داغدار دل — کیا شوخ رنگ پھولوں کا پہنے ہے ہار دل
ترچھی نظر نشانے پہ پڑتی نہیں کبھی — اے ترک اس ادا سے نہ ہوگا شکار دل
گرمِ خرامِ ناز ہو تم یہ تو دیکھ لو — کس کا پڑا ہوا ہے سرِ رہگزار دل
بزمِ وصال ہے کہ کوئی صیدگاہ ہے — میرا شکار تم ہو تمہارا شکار دل
جسدم نکل چلا مرے پہلو کو توڑ کر — رویا لپٹ کے تیر سے بے اختیار دل
ٹھنڈی اسکے آگے حسینوں کی گرمیاں — پُتلا ہے شوخیوں کا مرا بیقرار دل
کام آئیگا ضرور کسی دن حضور کے — پہلو میں اپنے رکھتے ہیں ہم ہونہار دل
بجلی جو کوہِ طور پر چمکی تھی ایک دن — عاشق کے سینے میں ہے اُسی کا شرار دل
گھر سے نکل کے دیکھ تو لیں اک نظر حضور — لائے ہیں پیشکش کے لیے جان نثار دل
موسیٰ کو برقِ طور کا جلوہ دکھا دیا — پہنچا تڑپ کے دور مرا بیقرار دل
دیکھی وہ چشمِ مست تو آنکھیں سی کھل گئیں — جب ہوش اُڑ گئے تو ہوا ہوشیار دل
ایفائے عہدِ وصل نہ ایفائے عہدِ قتل — کس بات کا تمہاری کرے اعتبار دل
عشاق کی کمی نہیں معشوق چاہیے — ہو دل کا قدردان تو ستر ہزار دل
تسکین دے تصورِ جاناں کسے کسے — بیتاب ادھر ہے جان اُدھر بیقرار دل
آیا خیال کشتۂ سیماب دیکھ کر — یہ خاک ہو گیا ہے کوئی بیقرار دل
آتے ہیں فاتحے کے لیے روز درد و غم — ہے آرزوے مردہ کا گویا مزار دل

ناک آرزوے وصل کروں اب تک اے امیر
یہ بھی خبر نہیں کسے کرتا ہے پیار دل

گنتا ہے ترے ہجر کی ایک ایک گھڑی دل
ہے عاشق بیتاب کے سینے میں گھڑی دل

کہتے ہیں اسے صبر کہ الفت میں بتوں کی
نازک ہے بہت اسپہ اٹھاتا ہو کڑی دل

چھپکے گی تو تیغ نگہ کیا پلک اس کی
ہمت تری آنکھوں سے بھی رکھتا ہے بڑی دل

رلواتی ہے ہم چشم کو ہم چشم کی رقت
پانی ہو نہ کیوں دیکھکے ساون کی جھڑی دل

ہو ہاتھ تک اس غیرت گلشن کے رسائی
داغوں سے اسیلیے پھولوں کی چھڑی دل

کیا وجہ کہ سودا سا امیر آج ہے اسکو
آیا ہے کہیں دیکھ کے مستی کی دھڑی دل

ردیف میم

کریں پھولوں کی کیوں کر آرزو ہم
نہیں پاتے کسی میں تیری بو ہم

کہاں شبنم نمایاں ہو جو خورشید
ٹھہر سکتے ہیں اسکے رو برو ہم

ہجوم آرزو نے مار ڈالا
کہاں پائیں دل بے آرزو ہم

ملا جب وہ کھلا تب یہ معمّا
کیا کرتے تھے اپنی جستجو ہم

کسی سے کوئی کچھ کرتا ہو باتیں
سنا کرتے ہیں تیری گفتگو ہم

بتوں کی بندگی ہے فرض زاہد
یہ کہدینگے خدا کے رو برو ہم

مرے منہ پر یہ کہتے ہیں مرے اشک
مٹا دیں گے تمہاری آبرو ہم

وہ میکش ہیں کہ مر کر میکدے سے
چلیں گے دوش پر مثل سبو ہم

امیر اُس بے نشان کو دل میں پایا
جسے ڈھونڈا کیے تھے چار سو ہم

یہ روئے وصل میں منہ رکھ کے رُوئے یار پہ ہم
کہ لیگئے سبقت ابر نو بہار پہ ہم

بالکل لغو

چمن میں دھوم ہے اب اپنی نغمہ سنجی کی
کہ دو ہی نالوں میں غالب رہے ہزار پہ ہم

جو اُن کی زلف میں افشاں تو اپنے سینے میں داغ
اُدھر بہار پہ وہ ہیں اِدھر بہار پہ ہم

جنوں میں پاس یہ پامالیٔ ضعیف کا ہے
کہ پھونک پھونک کے رکھتے ہیں پاؤں خار پہ ہم

وہ راست گو ہیں کہ مطلق نہیں ہے جان کا خوف
کہیں گے کلمۂ حق مُنہ سے چڑھکے دار پہ ہم

نہیں جہان میں محسن کُشی سے بد کوئی کام
لگائیں سنگ نہ اشجارِ سایہ دار پہ ہم

یہ آرزو ہے کہ اُن کے شہید کہلائیں
وہ زندہ دل ہیں کہ مرتے ہیں اعتبار پہ ہم

یہ کس کے گھنگروؤں کی کان میں صدا آئی
کہ وجد کرنے لگے شورِ آبشار پہ ہم

ہوئی ہے رات جو تکیے میں فرش کیا درکار
امیرؔ لیٹ رہیں گے کسی مزار پہ ہم

ہوں سارے شہر میں اگر جا بجا کریم
حاجت نہیں فقیر کو کچھ ہے خدا کریم

لیتے ہیں ایک جس سے دلا دیتے ہیں یہ دس
بیشک ہیں اغنیا سے زیادہ گدا کریم

بے مانگے دے رہے ہو زمانے کو گانیاں
تم سا کہاں جہان میں کوئی دوسرا کریم

دُر ریز سائلوں پہ دو رُویہ ہیں مٹھیاں
چھپرا مری طرف بھی کوئی زر کا یا کریم

نیرنگیاں ہیں کیا چمنِ روزگار کی
خوشبو تو گل نے دی ہے. بنی ہے صبا کریم

اے پیر میفروش کوئی جام خم کی خیر
حاتم ہے تو کہاں کوئی تجھ سے سوا کریم

ہے شوق شرط ذکرِ خدا ہو کسی طرح
یکساں ہیں یا کریم کہے کوئی یا کریم

وہ بو سے خواب ہی میں کسی روز ہم کو دو
تب جانیں ہم کہ تم بھی ہو نامِ خدا کریم

بحرِ جہاں میں دیکھ دُر افشانیاں امیرؔ
دستِ گدا صدف ہے تو ابرِ عطا کریم

مٹ نہ سکا تقدیر کا روز رہے پامالِ خطر ہم
صرصرِ غم سے دفترِ دل کے سارے ورق ہیں ہم درہم

شاد ہو ایسا جو دل جو کسی دن داغ سے پائیں اُسکی خبر ہم
چیر کے پہلو سامنے رکھدیں نذر کو اُسکی اپنا جگر ہم

ساری جوانی رنج میں گزری ہوگئی راحت آئی جو پیری / شام کو آئے جانب زنداں باغ میں پہنچے وقت سحر ہم

ہجر میں ہیں ہم موت کے خواہاں زیست سے ہے بیزار دل اپنا / درد کو ہے کیا کام دوا سے داغ کو ہے کب خواہش مرہم

چرخ مخالف بخت ہے واژوں کوئی نہیں امید کی صورت / ہاتھ اٹھائیں خاک دعا کو بند جو پائیں پا تو ہم

باغ جہاں میں سیر کو آئے ساتھ ہی لیکن قسمت بد بھی / ہاتھ ہے کوتہ شاخ ہے اونچی پائینگے کیونکر کوئی ثمر ہم

گھر سے نکالا رنج میں ڈالا ظلم کیا غواص فلک نے / چین سے کیسے بحر جہاں میں گوشہ نشین تھے مثل گہر ہم

دہر میں تھے وہ طائر قیدی کچھ بھی نہ گزرا وقفۂ ہستی / کھولتے ہی پرواز کے شہپر پست ہوئے مانند شرر ہم

دل کی صفائی اور بگاڑا کام نہ اپنا کوئی سنوارا / آئنہ ساں ہیں بزم جہاں میں آئنہ گر کے دست نگر ہم

وقت سحر ہے شور سفر ہے چست مسافر قافلہ راہی / واہ ری غفلت فکر نہیں کچھ بیٹھے ہیں اب تک کھولے کمر ہم

غیر ہے حالت ضعف ہے طاری وہی گردش اب بھی ہماری / زار ہیں مثل سوزن ساعت پھرتے ہیں لیکن آٹھ پہر ہم

شوق شہادت دل پہ ہے غالب ڈھونڈ رہے ہیں کوچۂ قاتل / دور سے دیکھیں اسکو جو آتے دوڑ کے رکھدیں پائے سمند پہ سر ہم

حال نہ پوچھو عشق کمر میں گھل گئے بالکل ہوگئے لاغر / سبکی نظر سے اب تو ہیں غائب بنگئے گویا تار نظر ہم

شکر کی جا ہے شکر کی جا ہے یار امیرؔ آیا سر بالیں
کعبے کی جانب کوئی بتادے سجدہ کریں اس وقت کدھر ہم

ردیف نون

ہم لوٹتے ہیں وہ سو رہے ہیں / کیا ناز و نیاز ہو رہے ہیں

کیا رنگ جہان میں ہو رہے ہیں / دو ہنستے ہیں چار رو رہے ہیں

دنیا سے الگ جو ہو رہے ہیں / تکیوں میں مزے سے سو رہے ہیں

پہنچی ہے ہماری اب یہ حالت / جو ہنستے تھے وہ بھی رو رہے ہیں

تنہا نہ خاک بھی نہیں ہم / حسرت کے ساتھ سو رہے ہیں

سوتے ہیں لحد میں سونے والے / جو جاگتے ہیں وہ رو رہے ہیں

ارباب کمال چل بسے سب / سو میں کہیں ایک دو رہے ہیں

پلکوں کی جھپک دکھا کے یہ بت — دل میں نشتر چبھو رہے ہیں
مجھ داغ نصیب کی لحد پر — لالے کا وہ بیج بو رہے ہیں
پیری میں بھی ہم ہزار افسوس — بچپن کی نیند سو رہے ہیں
دامن سے ہم اپنے داغ ہستی — آبِ خنجر سے دھو رہے ہیں
میں جاگ رہا ہوں اے شبِ غم — پر میرے نصیب سو رہے ہیں
روئیں گے ہمیں رُلانے والے — ڈوبینگے وہ جو ڈبو رہے ہیں
اے حشر مدینے میں نہ کر شور — چُپ چُپ سرکار سو رہے ہیں
آئینے پہ بھی کڑی نگاہیں — کس پر یہ عتاب ہو رہے ہیں
بھاری ہے جو موتیوں کا مالا — آٹھ آٹھ آنسو وہ رو رہے ہیں
دل چھین کے ہو گئے ہیں غافل — فتنے وہ جگا کے سو رہے ہیں
ہے غیر کے گھر جو اُن کی دعوت — ہم جان سے ہاتھ دھو رہے ہیں
صد شکر خیال ہے اُسی کا — ہم جس سے لپٹ کے سو رہے ہیں
ہو جائیں نہ خشک داغ کے پھول — آنسو ان کو بھگو رہے ہیں
پوچھے کوئی دیدہائے تر سے — کیوں نامِ وفا ڈبو رہے ہیں
آئیگی نہ پھر کے عمرِ رفتہ — ہم مفت میں جان کھو رہے ہیں
کیا گریۂ بے اثر سے حاصل — اس رونے پہ ہم تو رو رہے ہیں
فریاد کہ ناخدائے کشتی — کشتی کو مری ڈبو رہے ہیں
کیوں کرتے ہیں غمگسار تکلیف — آنسو مرے مُنہ کو دھو رہے ہیں
محفل برخاست ہے پتنگے — رخصت شمعوں سے ہو رہے ہیں
ہے کوچ کا وقت آسمان پر — تارے کہیں نام کو رہے ہیں
انکی بھی نمود ہے کوئی دم — وہ بھی نہ رہیں گے جو رہے ہیں

شفیق جونپوری

دنیا کا یہ رنگ اور ہم کو
ٹھہرو دمِ نزع دو گھڑی اور
پھول اُن کو پنھا پنھا کے اغیار

کچھ ہوش نہیں ہے سو رہے ہیں
دو چار نفس ہی تو رہے ہیں
کانٹے مرے حق میں بو رہے ہیں

زانو پہ امیر سر کو رکھے
پہروں گزرے کہ رو رہے ہیں

اُسکی حسرت ہے جسے دل سے مٹا بھی نہ سکوں
ڈھونڈنے اُسکو چلا ہوں جسے پا بھی نہ سکوں

کون مانع ہے کہ در پر ترے آ بھی نہ سکوں
کیا قدم نقش قدم ہیں کہ اُٹھا بھی نہ سکوں

آنے دے غیر کو آتا ہے اگر خلوت میں
کچھ تری شرم نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں

اُنکے غصے کی مٹانے کی ہیں سو تدبیریں
لاگ کی آگ نہیں ہے کہ بجھا بھی نہ سکوں

چٹکیاں لینے سے دل میں وہ کریں تو انکار
داغ کچھ درد نہیں ہیں کہ دکھا بھی نہ سکوں

دل مرا دزدِ حنا مجھ سے چھپا کر بولا
کیا یہ جوبن ہے کسی کا کہ چُرا بھی نہ سکوں

میں اگر گھر سے نکلتا ہوں تو گھر کیوں نے اُداس
کیا دمِ باز پسیں ہوں کہ پھر بھی آ نہ سکوں

وصل میں چھیڑ نہ اتنا اُسے اے شوقِ وصال
کہ وہ رُوٹھے تو کسی طرح منا بھی نہ سکوں

ڈالکر خاک مرے خون پہ قاتل نے کہا
کچھ یہ مہندی نہیں میری کہ چھپا بھی نہ سکوں

ناز کرنے سے تجھے منع نہیں کرتا میں
پر نہ اتنے کہ اُٹھاؤں تو اُٹھا بھی نہ سکوں

ضبط کمبخت نے اور آکے گلا گھونٹا ہے
کہ اُسے حال سناؤں تو سنا بھی نہ سکوں

کوئی پوچھے تو محبت سے یہ کیا ہے انصاف
وہ مجھے دل سے بھلا دے میں بھلا بھی نہ سکوں

میں کسی سے نہ کہونگا وہ کریں وعدۂ وصال
رازِ الفت یہ نہیں ہے کہ چھپا بھی نہ سکوں

ہائے کیا سحر ہے یہ حُسن کہ مانگیں جو حسین
دل بچا بھی نہ سکوں جان چُرا بھی نہ سکوں

شکوے نوشوق سے کر وصل میں لیکن اے دل
بات کچھ ایسی نہ بگڑے کہ بنا بھی نہ سکوں

نقش ہستی میں ابھی محو کیے دیتا ہوں
خطِ تقدیر نہیں ہے کہ مٹا بھی نہ سکوں

ایک نالے میں جہان کو تہ و بالا کر دوں
کچھ ترا دِل یہ نہیں ہے کہ ہلا بھی نہ سکوں

رعب کو ساتھ لگا لائے ہیں اپنے شب وصل
کہ جو اُٹھیں تو خوشامد سے بٹھا بھی نہ سکوں

منہ پہ قاضی کے میں کہہ دونگا کہ ہوں حسن پرست
عشق کچھ کفر نہیں ہے کہ جتا بھی نہ سکوں

انکے پہلو میں جو لیجا کے سُلا دوں دل کو
نیند ایسی اُسے آئے کہ جگا بھی نہ سکوں

اے امیر اپنی غزل ہے کوئی آیت یہ نہیں
کہ گھٹا بھی نہ سکوں اور بڑھا بھی نہ سکوں

ہائے وہ دن کہ گزر جاتی تھی شب باتوں میں
اب نہ باتوں میں مزا ہے نہ ملاقاتوں میں

لطف کیا آئے تکلف کی ملاقاتوں میں
کچھ رُکھائی کے سوا بات نہیں باتوں میں

آگیا غیر کی صحبت کا اثر باتوں میں
اور کچھ ہو گئے تم ملیٹھ کے بدذاتوں میں

گھر کیا جب سے کھنچاوٹ نے ملاقاتوں میں
ملیٹھ کا نیری رُکاوٹ کا ہُوا باتوں میں

جب کہا نالہ وزاری مری دیکھو بولے
بجلی ہم نے بہت دیکھی ہیں برساتوں میں

چار ہی دن میں وہ بُت دیکھیے کیا چل نکلا
کیسی قینچی سی زبان چلنے لگی باتوں میں

مسجدوں میں ہیں یہ ہُو حق کے کہاں ہنگامے
رنگ توحید اُچھلتا ہے خراباتوں میں

ناز[1] ادا[2] آن[3] حیا[4] غمزہ[5] کرشمہ[6] شوخی[7]
لیگیا دل کو اُڑا کر کوئی اِن ساتوں میں

دل دیا میں نے تو بولے کوئی بم پھوٹی ہو
دل ہی دل روز چلے آتے ہیں سوغاتوں میں

عمر رفتہ کو عبث شیخ حرم روتا ہے
ڈھونڈ لے آکے جوانی کو خراباتوں میں

یہ سمجھ کر کبھی ناصح کی بھی سُن لیتا ہوں
اک نہ اک بات نکل آتی ہے سو باتوں میں

التجا لوٹے ہوئے دل کی ہاں ہی مقبول
درد کی ساری ہے تاثیر مناجاتوں میں

انجمن ہو کہ چمن سب ہیں اسی کے سرمست
ایک ساقی ہے ہزاروں ہی خراباتوں میں

کچھ اشارے جو کیے میں نے تو جھنجلا کے کہا
تم رہا کرتے ہو دن رات انہیں گھاتوں میں

مہرباں وصل میں قصّے یہ نکالے کیسے
آج کی رات بھی کیا ٹال لیے گا باتوں میں

چار اِدھر لوٹتے ہیں چار اُدھر اے ساقی
مے کھنچی یا کوئی شمشیر خرابا توں میں

واعظ اب چھیڑ کے رندوں سے سنا کرتے ہیں
کچھ مزا ملنے لگا ہے انہیں صلواتوں میں

وصل میں زلفِ سیہ نے جو کیا ہے اندھیر
یہ اندھیرا تو نہ تھا ہجر کی بھی راتوں میں

بوسہ مانگا تو کہا پھیر کے مُنہ ظالم نے
کہ زبان کٹتی ہے انسان کی اِنہیں باتوں میں

دل اُڑا لیتے ہیں وہ کھول کے زلفوں کی لٹیں
دیکھو وں پھرتے ہیں جو رونکے انہیں راتوں میں

بُت نہ بولیں جو نہیں بولتے ہیں ہم سے امیر
اپنے اللہ سے باتیں ہیں مناجاتوں میں

یہ تو میں کیونکر کہوں تیرے خریداروں میں ہوں
تو سراپا ناز ہے میں ناز برداروں میں ہوں

وصل کیسا تیرے نا دیدہ خریداروں میں ہوں
واہ رے قسمت کہ اسپر بھی گنہگاروں میں ہوں

حشر میں اتنا کہوں گا اُس سے میں محرومِ وصل
پاکدامن تُو ہے میں کیونکر گنہگاروں میں ہوں

ناتوانی سے ہے طاقت ناز اُٹھانے کی کہاں
کہہ سکوں کیونکر کہ تیرے ناز برداروں میں ہوں

جان پر صدمہ جگر میں درد دِل کا حال زار
گھر کا گھر بیمار کس کس کے پرستاروں میں ہوں

ہائے رے غفلت نہیں ہے آج تک اتنی خبر
کون ہے مطلوب میں کس کے طلبگاروں میں ہوں

وہ کرشمے شانِ رحمت نے دکھائے روزِ حشر
چیخ اُٹھا ہر بیگنہ میں بھی گنہگاروں میں ہوں

وہ مجھے روتا ہے میں روتا ہوں اُسکی جان کو
دل مرے ماتم میں ہے دل کے عزاداروں میں ہوں

صبح سے مطلب ہے گل سے کام کیا جانوں اُنہیں
میں تمہارے سینہ چاکوں میں دل افگاروں میں ہوں

دل جگر دونوں کی لاشیں ہجر میں ہیں سامنے
میں کبھی اسکے کبھی اسکے عزاداروں میں ہوں

میں کسی قالب میں ہوں خالی اُداسی سے نہیں
رنگ ہوں یا بُو ہوں مرجھائے ہوئے ہاروں میں ہوں

چھیڑ دیکھو میری میّت پر جو آئے یہ کہا
تم وفاداروں میں ہو یا میں وفاداروں میں ہوں

زاہدو کافی ہے اتنی بات بخشش کیلئے
اُس کو شوقِ مغفرت ہے میں گنہگاروں میں ہوں

کسطرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ
اے اسیرانِ قفس میں نو گرفتاروں میں ہوں

حالِ زارا پنا دکھلا کر دل نے اُس سے یوں کہا
کیوں اسی مُنہ پر یہ کہتے تھے میں دلداروں میں ہوں

بیگناہوں ہیں چلا زاہد جو اُس کو ڈھونڈنے
مغفرت بولی ادھر آ میں گنہگاروں میں ہوں

خال کہتا ہے دکھا کر یار کا حُسنِ ملیح
میں بھی اس سرکار کے ادنیٰ نمکخواروں میں ہوں

اُونچے اُونچے مجرموں کی ہوگی پرشش حشر میں
کون پوچھیگا مجھے میں کن گنہگاروں میں ہوں

وقتِ آرائش پہنکر طوق بولا وہ حسین
اب وہ آزادی کہاں میں بھی گرفتاروں میں ہوں

چارہ سازی کس سے چاہیں اب مریضِ درد و غم
کہتے ہیں عیسیٰ کہ میں بھی اُنکے بیماروں میں ہوں

بیگناہی کا تو دعوے اُنکے آگے کیا مجال
ڈرتے ڈرتے منہ سے نکلا میں گنہگاروں میں ہوں

پوچھتا ہوں وجہ آزادی تو کہتا ہے یہ سرو
میں کسی کے قدِ موزوں کے گرفتاروں میں ہوں

آچکا تھا رحم اُس کو سُن کے میری بیکسی
دردِ ظالم بول اُٹھا میں اُسکے غمخواروں میں ہوں

سوزِ فرقت دردِ دل زخمِ جگر ناسورِ چشم
کچھ نہ پوچھو مبتلا میں کتنے آزاروں میں ہوں

شرم و شوخی دونوں گاہک ہیں الٰہی کیا کروں
ایک جنسِ بے حقیقت دو خریداروں میں ہوں

پھول میں پھولوں میں ہوں کانٹا ہوں کانٹوں میں امیر
یار میں یاروں میں ہوں عیار عیاروں میں ہوں

ضبط کرنا دلِ حزیں کا نہ کہیں
چوٹ لگ جائیگی کہیں نہ کہیں

جب تڑپتا ہے دل میں ڈرتا ہوں
چرخ پر جا پڑے زمین نہ کہیں

مسکرا کر وہ شوخ کہتا ہے
آج بجلی گری کہیں نہ کہیں

حُوریں لپٹی ہیں نزع میں مجھ سے
دیکھ پائے وہ نازنین نہ کہیں

وصل کی شب نہیں نہیں کیسی
دیکھ سُن لے دلِ حزیں نہ کہیں

دل میں باتیں تھیں کیا کیا کچھ
ہائے کچھ وقتِ واپسین نہ کہیں

دل ہی شے لے کے اب تو نکلے ہیں
پوچھ لیگا کوئی کہیں نہ کہیں

نہ تڑپ اسقدر دلِ بیتاب
سہم جائے وہ نازنین نہ کہیں

میرے عیسیٰ کے دل میں چھپ جائے
چین مُردوں کو قبر میں بھی نہیں

نگہِ وقتِ واپسین نہ کہیں
آسمان ہو ترِ زمین نہ کہیں

آگ ہو جائیگا وہ شوخ امیرؔ
کھینچنا آہِ آتشیں نہ کہیں

اس شان سے ہم آئے تری جلوہ گاہ میں
اندھیر کر رہی ہے یہ چشمِ سیاہ میں
کیا دخل جا سکے کوئی اس جلوہ گاہ میں
خنجر کچھ اس ادا سے کھنچا قتل گاہ میں
توبہ بھی کچھ بھرے سے کے قابل ہو زاہدو
وہ دشمنی سے دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں
گھر سے مرے بلائے شبِ غم گئی کہاں
ہم مست مے بھی پیتے ہیں تو کانپتے ہوئے
قالب میں دل ہے دل میں ہو وہ قدردانِ دل
افتادگی میں بھی مجھے معراج ہے نصیب
پھونکا اِدھر عدو کو اُدھر آسمان کو
وہ دیکھتے ہیں خونِ تمنّا جما کے آنکھ
اہلِ نظر کو وسعتِ امکان بہت ہے تنگ
جب میں پکارتا ہوں تو کہتا ہے آفتاب
ڈرتا ہوں جذبِ شیخ کا سُن سُن کے غلغلہ
آنکھ اپنی فتنہ ہے قیامت پہ کیا پڑے
دل میں صنم صنم ہو زبان پر صنم صنم

مشعل دکھائی برقِ تجلی نے راہ میں
شوخی کو قید کیجیے نیچی نگاہ میں
غمزہ چھری لیے ہوئے بیٹھا ہے راہ میں
لپٹا لیا گلے سے ترے اشتباہ میں
پہنچی ہے ہم سے ٹوٹ کے اب خانقاہ میں
میں شاد ہوں کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں
بیٹھی ہے چھپ کے پردۂ روزِ سیاہ میں
توبہ پڑی ہوئی ہے ہمارے گناہ میں
یوسف گرا ہے لیکے زلیخا کو چاہ میں
ٹھوکر بھی کھائی ہے تو محبّت کی راہ میں
دو ظالموں کی لی ہے خبر ایک آہ میں
منہدی لگائی جاتی ہے پائے نگاہ میں
گردوں نہیں گرہ ہے یہ تارِ نگاہ میں
کمبخت گم ہوں میں ترے روزِ سیاہ میں
کھچ جائے دخترِ رز نہ کہیں خانقاہ میں
جسکے یہ فتنے ہیں وہ ہے اپنی نگاہ میں
حسنِ عمل کی بھی ہو جھلک کچھ گناہ میں

بیتابیاں جو مانگیں تو دینا نہ تو ہمیں
اُٹھتا نہیں ہے اب تو قدم مجھ غریب کا
قدرت خدا کی ہے کہ ملیں خاک میں تو ہم

اے صبر اب ہم آئے ہیں تیری پناہ میں
منزل سے کھدو دوڑ کے لے مجھ کو راہ میں
اور سُرمہ گھر کرے تری چشم سیاہ میں

شاعر کو مست کرتی ہے تعریفِ شعر امیر
سو بوتلوں کا نشہ ہے اس واہ واہ میں

اللہ ری لاغری کہ تری جلوہ گاہ میں
ہے اس غضب کی آگ دلِ دادخواہ میں
دل ہے تباہ قافلۂ اشک و آہ میں
آفت کی شوخیاں ہیں تمہاری نگاہ میں
بھاگا خیالِ یار یہ کہہ کر شبِ فراق
محشر خرام تم جو نہیں ہو تو کون ہے
تیرے جلال میں بھی مزہ ہے جمال کا
یہ عکس کس کے چاند سے چہرہ کا پڑ گیا
اُفتادگی میں بال برابر نہیں ہے فرق
تیری نکیلی پلکوں سے اللہ کی پناہ
قالب کو بھی قیام نہیں روح کی طرح
مانند شمع تاج ہی سے ہے بقائے شاہ
ہم ہیں سیاہ کار تو رحمت ہے پردہ پوش
صحبت سے پاک طبع کو آسودگی کہاں
غمزے کا بانکپن صفِ مژگاں میں دیکھیے
اللہ رے رشک جمع نہیں ہوتے دو حسین

پس پس گیا ہوں دب کے میں گرد نگاہ میں
اُف کر کے بھاگے آئے جو تاثیر آہ میں
گھیرا ہے آندھی پانی نے بیکس کو راہ میں
محشر کے فتنے کھیلتے ہیں جلوہ گاہ میں
دشمن مرے شریک ہوں حالِ تباہ میں
فتنوں کے پہرے کس نے بٹھائے ہیں راہ میں
چشمِ کرم چھپی ہے غضب کی نگاہ میں
پانی کو ناز ہے کہ میں یوسف ہوں چاہ میں
ہے ایک رنگ سایۂ درویش و شاہ میں
کیا دل میں پیر جاتی ہیں چبھ کر نگاہ میں
منزل چلی ہے ساتھ مسافر کے راہ میں
ہے اس کلاہ پوش کی جان اس کلاہ میں
مے پیتے ہیں تو سایۂ ابر سیاہ میں
آئے تری نہ دیدۂ تر سے نگاہ میں
کس نوک کا جوان ہے یہ اس سپاہ میں
روزِ ازل سے پھوٹ ہے خورشید ماہ میں

آنسو ہمارے دیکھ کے خوش ہو رہے ہیں وہ
پازیب موتیوں کی ہے پائے نگاہ میں

اے تیغ ناز ہاتھ جو تو نے اُٹھا لیا
لیتا نہیں کوئی مجھے اپنی پناہ میں

چشمِ سیہ کے عشق میں یا وہ مژہ جو کی
ماتم کی صف بچھی مرے روزِ سیاہ میں

قاصد کو اُس نے قتل کیا نامہ دیکھ کر
مارا پڑا غریب ہمارے گناہ میں

آئینہ جب سے دیکھ لیا لوٹ ہی رہا
یوسف مرا اُبھر نہ سکا گر کے چاہ میں

سودا و میر دونوں تھے کامل مگر امیر
ہے فرق واہ واہ میں اور آہ آہ میں

وہ بیکس ہوں نہیں ہے کوئی میرے غمگساروں میں
فقط اک دل ہے تو وہ بھی تمہارے جاں نثاروں میں

توے کی بوند بدلی ہی نہیں ان اشکباروں میں
شرارہ مردہ ہے بجلی بھی تیرے بیقراروں میں

کہو زاہد پیے رنگ تو برسات کا دیکھے
تماشا اُودی اُودی بدلیاں ہیں سبزہ زاروں میں

حقیقت عاشقوں کے مرگ کی ہم سے کوئی پوچھے
بہت جب نیند آئی سو رہے جا کر مزاروں میں

نگاہِ یار کیا بدلی جہاں بدلا ہوا بدلی
وہ دشمن جان کے ہیں تھے جو آگے جاں نثاروں میں

اُڑا پارا اجلا اسپند دب کر رہ گئی بجلی
ہمیں ثابت قدم ٹھہرے تمہارے بیقراروں میں

شبِ وصلت تمہاری شرم سے کس کس کو شرم آئی
لجا لو بن کے سمٹے جسقدر تھے پھول ہاروں میں

فرشتوں سے کہو اتنی قیامت میں خبر رکھیں
کہیں چھپ چھپ کے زاہد مل نہ جائیں بادہ خواروں میں

جدا ہے دخترِ رز کا نام ہر صحبت میں اے ساقی
پری ہے میکشوں میں حور ہے پرہیزگاروں میں

بہت سے جلوہ گاہِ یار میں دیدار کے طالب
کلیم اللہ آگے بڑھ گئے امیدواروں میں

ہوئے ہم قتل جب جلسہ نظر آیا حسینوں کا
بٹایا یہ خونِ ناحق چلو چلو گلعذاروں میں

خدا جانے کہاں دل جان کس جلسے میں ہر اپنی
بظاہر بُت بنے بیٹھے ہیں ہم ہر چند یاروں میں

سو گورِ غریباں آئیں وہ یہ پوچھتے یا رب
مرے کشتے کی تربت کونسی ہے ان مزاروں میں

ترا اُبھرا ہوا جوبن یہ اُنکو گدگداتا ہے
کہ لوٹے جاتے ہیں مارے ہنسی کے پھول ہاروں میں

قبا کے بند کھولو پردہ اُلٹو کچھ ہنسو بولو
ادھر بھی اک نگاہِ ناز اپنے حسن کا صدقہ
جو آئے ہو تو بیٹھو بے تکلف ہو کے یاروں میں
کہ روزِ حشر میری آنکھ نیچی ہو نہ یاروں میں

امیر ان سے نہ بچتی دخترِ رز آنکھوں میں پی جاتے
جوانی کا گزر شاید نہیں پرہیزگاروں میں

چلے ساقی ہنسے بولے اگر آئی ہے یاروں میں
دلھن بن کر نہ بیٹھے دخترِ رز بادہ خواروں میں

بہار آئی لنڈھائی خم کے خم ہم بادہ خواروں میں
کہو توبہ سے چندے جا رہے پرہیزگاروں میں

رہے ہم زخمیوں کی قبر میں یارب کوئی روزن
مزے مر کر بھی اُٹھیں چاندنی آئے مزاروں میں

بہار آئی گھٹا چھائی کھُلے بوتل چلے ساغر
نہ تم پرہیزگاروں میں نہ ہم پرہیزگاروں میں

شبِ فرقت سمٹ کر میرے گھر میں آ رہی شاید
سیاہی جسقدر تھی گبر و ترسا کے مزاروں میں

اُڑائے پرزے میرے لکے خوش چشموں نے یوں ملکر
تبرک جیسے ہو دستارِ قاضی بادہ خواروں میں

ہماری کشتیٔ مے جا لگی جنت میں کوثر پر
ہوائے بادہ خواری لے اُڑی پرہیزگاروں میں

جگر روتا ہے دل کو دل جگر کو طرفہ ماتم ہے
یہ اُسکے سوگواروں میں وہ اُسکے سوگواروں میں

یہ کس گلرو کے غم میں مر رہا ہوں میں کہ پہلے سے
مرے پھولوں کے چرچے ہو رہے ہیں گلعذاروں میں

نہ نکلے آرزوئے وصل کچھ تو دل کو تسکین ہو
یہی سُن لوں کہ میرا نام ہے اُمیدواروں میں

بہار آتے ہی کھولا غنچوں نے کیا درِ ہمّت
قدح لٹتے ہیں پیالا بٹ رہا ہے لالہ زاروں میں

ادھر دل لوٹتا ہے اُسطرف بجلی تڑپتی ہے
الٰہی خیر ہو بحث آ پڑی دو بیقراروں میں

اسی کا نام گلگونہ اسی کو نام ہے غازہ
ہمارا خونِ ناحق رنگ لایا گلعذاروں میں

نظر ہے آئنے پر مانگتے ہیں عکس سے بوسہ
وہ خود اپنے درِ دولت پہ ہیں اُمیدواروں میں

عجب راحت سے مرقد میں ہیں تیرِ ناز کے کُشتے
کہ حوریں دن کو پریاں شب کو آتی ہیں مزاروں میں

دمِ زینت یہ ہے وسواس اُن کو بدگمانی سے
کسی کی روح مثلِ بُو نہ ہو پھولوں کے ہاروں میں

کھلائے گل یہ ساقی زاہدوں کی روسیاہی نے
انہیں کے داغ یہ پھیلے ہوئے ہیں لالہ زاروں میں

شگوفہ کوئی پھولے گا یہ صحبت رنگ لائیگی
امیر اچھا نہیں ہے بیٹھنا ان گلعذاروں میں

اُلجھ پڑوں کسی دامن سے میں وہ خار نہیں
وہ پھول ہوں جو کسی کے گلے کا ہار نہیں

کسی شہید کا ہے رنگِ خون بہار نہیں
کسی لحد پہ چراغاں ہیں لالہ زار نہیں

نصیب دولتِ دنیا جو ہو تو اور جلوں
شرارہ ہے مجھے یاقوت آبدار نہیں

نہ دو رقیب کو تم داغ اپنی اُلفت کا
زمین شور سزاوارِ لالہ زار نہیں

ہماری خاک بھی کرتی شکایت اُس بُت کی
خدا کا شکر ہے گویا لبِ مزار نہیں

زمینِ شعر میں ہم دفن ہوں تو بہتر ہے
یہاں سوالِ ملائک نہیں فشار نہیں

امیر وصل اُس شوخ نے تلوں سے
ہزار بار کہی ہاں ہزار بار نہیں

دل جو کہتا ہے مجھے ضبط کی طاقت ہی نہیں
ضبط کہتا ہے تڑپنے کی اجازت ہی نہیں

غم سے چھوٹوں تو میں کچھ عیش کا ساماں کروں
اتنی اس غمکدۂ دہر میں فرصت ہی نہیں

اب کس امید پہ ہم یار کا در بار کریں
پیشتر تھی جو عنایت وہ عنایت ہی نہیں

طلبِ جام عبث کرتے ہو مُنہ پھوڑ کے تم
میکشو آنکھ میں ساقی کی مروّت ہی نہیں

دھوپ کو اُس کو ناحق ہے تکلف آئیں
کون روکیگا اُنہیں گھر میں مرے چھت ہی نہیں

ہاتھ میں شانہ ہے آئینہ ہے زانو پہ مدام
اُن سے اُلفت ہے تمہیں جن میں محبت ہی نہیں

دین کی فکر کروں ہائے میں کس وقت امیر
کبھی دنیا کے بکھیڑوں سے فراغت ہی نہیں

مثلِ تارِ نظر نظر میں نہیں
اس طرح گھر میں ہوں کہ گھر میں نہیں

جلوہ خالق کا کس بشر میں نہیں
غیر عکس آئنے کے گھر میں نہیں

ہوش تک راہ بیخودی میں ہے گم
کوئی ساتھی مرا سفر میں نہیں

ورقِ گُل کو لے اُڑی ہے نسیم
خط مرا دستِ نامہ بر میں نہیں

دیکھ لی آج آنکھ اُس گُل کی
اب تو نرگس بھی کچھ نظر میں نہیں

عجز بندوں کا کیوں پسند نہو
کہ یہی تو خدا کے گھر میں نہیں

کسکے سر مارئیے یہ بارِ سفر
راہزن کوئی رہگزر میں نہیں

دیکھئے تو اسی میں ہے سب کچھ
کون کہتا ہے کچھ بشر میں نہیں

اس قدر بھر گیا ہے داغوں سے
کہ جگہ درد کی جگر میں نہیں

دیکھ کر اُن کو سب یہ کہتے ہیں
کیا پری میں ہے جو بشر میں نہیں

سارے عالم کے داغ بھر لیتا
کیا کروں میں جگہ جگر میں نہیں

قربِ منعم میں پیچ و تاب کہاں
کہ گرہ رشتۂ گہر میں نہیں

کون لیجائے نامہ قاتل تک
خوف سے جان نامہ بر میں نہیں

رہروِ راہِ عشق ہوں جز درد
کوئی توشہ مری کمر میں نہیں

ہو سکے خاک میہمانیِ غم
ایک قطرہ لہو جگر میں نہیں

کیجیے تر زبان نشتر کو
خون اتنا بھی اب جگر میں نہیں

مانگتا ہو جو مانگ لے اُس سے
کونسی شے خدا کے گھر میں نہیں

رشتۂ کہکشاں میں بجلی ہے
تیغ اُس ترک کی کمر میں نہیں

عیش کا نام ہی سُنا ہے امیر
ڈھونڈ مارا جہان بھر میں نہیں

غضب کی آنکھ سے یہ کج نگاہ دیکھتے ہیں
کہ عاشق آنکھ سے پہلے نگاہ دیکھتے ہیں

بُت اِس نظر سے خدا کی پناہ دیکھتے ہیں
کہ لوٹ جاتے ہیں جو وہ نگاہ دیکھتے ہیں

کھڑے ہیں ہاتھ میں ساغر لیے چمن میں جو گل
یہ کسکی نرگسی آنکھوں کی راہ دیکھتے ہیں

چلو بھی گورِ غریباں میں ہو چکے غمزے
شہیدِ ناز قیامت کی راہ دیکھتے ہیں

اب آپ میں مجھے آنے دے بیخودی للہ
وہ دیر سے مری مقتل میں راہ دیکھتے ہیں

سفر میں اہل وطن یاد آتے ہیں ہم کو
کبھی جو راہ میں مردم گیاہ دیکھتے ہیں

وہ انتظار کسی کا کرے جو آپ میں ہو
ہم ایک عمر سے اپنی ہی راہ دیکھتے ہیں

وہ اس نگاہ سے کرتے ہیں میری سمت نظر
کہ جیسے سوئے گدا بادشاہ دیکھتے ہیں

وہ مست جانب میخانہ جب نہیں آتا
امیر کشتیٔ مے کو تباہ دیکھتے ہیں

روشنی نام کو بھی خانۂ ویران میں نہیں
ہائے بجلی کی چمک بھی شب ہجراں میں نہیں

میرے پہلو میں دل ہے نہ تری مٹھی میں
پھر ہوا کیا جو تری زلف پریشاں میں نہیں

بیکسی دیر سے چلاتی ہے دے کون جواب
کہدے عبرت ہی کوئی گور غریباں میں نہیں

ہے حیات ابدی دونوں میں لیکن اے خضرؑ
آب خنجر کا مزہ چشمۂ حیواں میں نہیں

غنچے کہتے ہیں کہ کیا جلد گزرتی ہے بہار
مسکرا لینے کی فرصت بھی گلستاں میں نہیں

بڑھ کے بجلی سے تڑپ میں سہی پر کیا حاصل
شوخیٔ جنبش مژگاں تو رگ جاں میں نہیں

اپنے موقع پہ ہر اک چیز بھلی لگتی ہے
کانٹے ان پھولوں سے اچھے جو گریباں میں نہیں

پڑ گیا تفرقہ آتے ہی خزاں کے ایسا
رنگ پھولوں میں نہیں پھول گلستاں میں نہیں

قاضی و محتسب و شیخ سب آتے ہیں امیر
ایک توبہ ہے کہ وہ صحبت رنداں میں نہیں

دھوم ہے چرخ بریں کی کس قدر افواہ میں
ایک اونچا ٹیکرا ہے میکدے کی راہ میں

جوش وحشت نے دکھایا اسم اعظم کا اثر
سارے عالم کو مسخر کر لیا اک آہ میں

بے نیازی اس طرف ہے اس طرف بالکل نیاز
حد فاصل ہے تو یہ ہے بندہ و اللہ میں

حکم رب سے جب ملا اسباب راحت خلق کو
تکیہ و مسند بٹے باہم گدا و شاہ میں

شمع کی مانند جلتے کی راہ ہنسی اس طرح
پائمال اپنے ہوئے ہم رفتہ رفتہ راہ میں

تیرے زخمی کے جو کام آیا یہ پایا مرتبہ
کہتے ہیں وہ کیا چلیں ہم خارِ مژگاں چبھ جائیں

مور کے پر نے جگہ پائی کلامُ اللہ میں
آنکھیں جب عاشق بچھا دیتے ہیں اُنکی راہ میں

جب چلے ہم منزلِ الفت میں مثلِ اشک امیر
ہر قدم پر لغزشِ پا نے گرایا راہ میں

کلیاں یہ سُرخ سُرخ نہیں لالہ زار میں
منہدی لگی ہے دستِ عروسِ بہار میں

لوٹیں گے اب کے سال مزے ہم بہار میں
مشکیں نمک بھریں گے دلِ داغدار میں

جو آبلہ ہے اپنے دلِ داغدار میں
گنبد کسی شہید کا ہے لالہ زار میں

اسواسطے کہ ایک ہی ہو میری اُسکی شکل
مُنہ دیکھتا ہوں آئنہ روئے یار میں

آئنہ دیکھ دیکھ کے اُس نے بنائی زلف
پہنچی کمک حلب سے برابر تتار میں

آنے دے آپ میں مجھے اکدم تو بیخودی
بیٹھے ہیں کب سے لوگ مرے انتظار میں

گردِ نگاہِ یار سے دل ہے مرا تباہ
رہرو کو سوجھتی نہیں منزل غبار میں

آئے گا کون ادھر کہ تصدق کے واسطے
موتی ہیں اشک دامنِ شمعِ مزار میں

بدلی ہے رُت چمن کا ہے جوبن ابھار پر
کیا کیا بھرے ہیں گال گلوں کے بہار میں

جو شوخ طبع ہیں وہ جھپکتے نہایں کہیں
بجلی کٹار کھینچ کے آئی ہزار میں

کس پردے میں کدورتِ دل کا اشارہ ہے
لکھا ہے خط بھی اُس نے تو خطِ غبار میں

جالی کے پردے میں رُخِ گلگوں نہیں ترا
ہیں جالیاں نقابِ عروسِ بہار میں

کس گل کا سوئے گورِ غریباں گذر ہُوا
پھولے نہیں سماتے ہیں مُردے مزار میں

کیا بے ثبات باغ تھا گل ہو گئے ہوا
جب تنگ کروں میں چاک گریباں بہار میں

دنیا ہی میں جو بات نہیں پوچھتا کوئی
روزِ حساب آئیں گے ہم کس شمار میں

جی لوٹتا ہے تڑپنے پر اب تنگ اگر امیر
اب جان ہی نہیں ہے دلِ بیقرار میں

شرم آتی ہے کہ یار کو بیوفا کہوں
اچھا کہا ہے جسکو اُسے کیا بُرا کہوں

ہر بار اُسکی تیغ کے کھنچنے کو کیا کہوں
اُس شوخ کی ادا کہ میں اپنی قضا کہوں

کیونکر بیان کروں جو مزہ خامشی میں ہے
کہنے کی ہو نہ بات تو میں اُسکو کیا کہوں

ممکن نہیں ہے عمرِ دو روزہ میں وصفِ زلف
تھوڑی سی شب دراز فسانہ ہے کیا کہوں

میں قصّہ گو نہیں کہ کہے جاؤں داستان
دل سے جو تو سُنے تو کچھ اے دلربا کہوں

مجھ سے تو ایک نے بھی نباہی نہ دوستی
جز آشنا کسے کسے نا آشنا کہوں

یہ کہہ کے وہ چلے گئے ہم کل پھر آئیں گے
آج اُن سے کچھ بھی کہہ نہ سکا ہائے کیا کہوں

وہ خوش رہیں مجھے حق و باطل سے کام کیا
بیجا بھی وہ کہیں تو میں اُسکو بجا کہوں

دونوں طرف تھا ایک سا عالم وصال کا
اپنا کہوں لحاظ کہ اُس کی حیا کہوں

ایسا ہوں عشقِ عارض و گیسو میں بے حواس
بجلی چمک کے آئے تو اُسکو گھٹا کہوں

وہ خوب جانتا ہے جو ہے میری آرزو
مُنہ سے امیر کچھ نہ میں وقتِ دعا کہوں

لچک ہے شاخوں میں جنبش ہوا سے پھولوں میں
بہار جھول رہی ہے خوشی سے جھولوں میں

وہ گلعذار کہ تُلتے تھے روز پھولوں میں
انہیں کی خاک شریک آج ہے بگولوں میں

رقیب ساتھ ہیں اُن کے یہ خوف ہے ہم کو
کوئی شگوفہ نہ چھوڑے ہمارے پھولوں میں

نظر جو آئے ترے بال بال میں موتی
گمان ہوا کہ حسین جھولتے ہیں جھولوں میں

محمدؐ عربی سا کہاں ہے کوئی امیر
خدا کے فضل سے سرتاج ہیں رسولوں میں

کیا عارف مجھے پیرِ مغان نے اک پیالے میں
کرامت یہ نہیں دیکھی کسی اللہ والے میں

نئی شاید نکلوائی ہے اُسنے گونج بالے میں
کھٹک ہر روز سے بڑھکر ہی میرے دل کے چھالے میں

لگاؤں منہ نہ ہجرِ یار میں واعظ کے مارول
جو لائے حُور بھی بھر کر مئے کوثر پیالے میں

مزے جتنے تھے باغ دہر میں سب چن لئے دل نے
نہ ایسا زخم ہے گل میں نہ ایسا داغ لالے میں

خط اس عارض کا جب سے چھپ گیا ہے میری نظروں سے
نگہ یوں آنکھ میں چبھتی ہے کانٹا جیسے چھالے میں

یہی ہے شرم تو وہ آپکے آغوش میں میرے
جھکا لیتے ہیں آنکھیں چاند ہوتا ہے جو ہالے میں

ہزاروں خار پیاسے وادیٔ الفت میں ہیں یارب
پلاؤں کس کو کس کو بوند بھر پانی ہے چھالے میں

ادھر بھی اک نگاہِ لطف خم کی خیر اے ساقی
ہمیں بھی ایک چلو مے کسی ٹوٹے پیالے میں

تڑپنے عمر گذری یار آئے یا اجل آئے
خداوندا کوئی تاثیر تو پیدا ہو نالے میں

چمن سے خانۂ صیاد تک زندہ نہ پہنچوں گا
کہ دم اٹکا ہے نرگس میں تو جاں اٹکی ہے لالے میں

امیر اس نازنین پر ہے گرا بیلا چنبیلی تک
پہنتا ہے پرو کر پھول جوہی کے وہ بالے میں

پستیٔ بخت سے یہ خاک برابر میں ہوں
سایہ بستر نہیں سلے کا بھی بستر میں ہوں

زینتِ گوشِ حسیناں ہوں وہ گوہر میں ہوں
جامہ زیبوں ہی کا زیور ہوں اگر زر میں ہوں

کوئی کہتا ہے برا کوئی بھلا کہتا ہے
بختِ منعم ہوں کہ مفلس کا مقدر میں ہوں

گر کے رتبے سے بھی نظروں سے کسی کی نہ گردں
ظلِّ سلطاں ہوں اگر خاک برابر میں ہوں

سب ہیں حیرت میں نہیں کوئی شناسا میرا
مقتلِ دہر میں گویا تنِ بے سر میں ہوں

لوگ ہر شہر سے آتے ہیں زیارت کے لیے
ناتوانی سے مگر موئے پیمبر میں ہوں

رنج ہوتا جو کوئی میرے برابر ہوتا
شکر کرتا ہوں کہ ہر ایک سے کمتر میں ہوں

سایہ پروردۂ توحید ہے عزلت میری
پردہ اٹھ جائے اگر جامے سے باہر میں ہوں

نہیں وحدت کے سوا رنگِ دوئی مجھ کو پسند
بیت کونین میں مصراع مکرر میں ہوں

بے صدا دل جو مرا ہو گئے سینے میں دو نیم
کہ شگافِ قلمِ قدرتِ داور میں ہوں

بوسہ لینے کا مجرم نہ گنہگارِ وصال
پھر سزاوارِ سزا وائے مقدر میں ہوں

بیخودی میں بھی مری رنگ ہے نیرنگی کا
کبھی صہبا کبھی مینا کبھی ساغر میں ہوں

میں کہاں ربطِ گل و لالہ کہاں مثلِ نسیم
اور گلزارِ جہاں میں کوئی دم بھر میں ہوں

دیکھ پڑ جائے نہ مقتل میں کسی غیر پہ ہاتھ
اس عنایت کا سزاوار ستمگر میں ہوں

آبرو اشک کی مانند جو پائی بھی تو کیا
کان تک اُسکے نہ پہنچونگا وہ گوہر میں ہوں

جلوۂ حسن یہ اُس شوخ کا کہتا ہے امیر
بزم میں شمع ہوں گلشن میں گل تر میں ہوں

دل جُدا مال جُدا جان جدا لیتے ہیں
اپنے سب کام بگڑ کر وہ بنا لیتے ہیں

میان سے اپنے ہیں جب قتل کو میرے تلوار
اپنی چالیں اُسے پہلے وہ سکھا لیتے ہیں

دمبدم ہے یہ زمانے کے بدلنے کا سبب
کروٹیں کشتۂ شمشیر ادا لیتے ہیں

مجلسِ وعظ میں جب بیٹھتے ہیں ہم میکش
دخترِ رز کو بھی پہلو میں بٹھا لیتے ہیں

دردآگین جو کوئی دل نظر آتا ہے کہیں
دوڑ کر ہم اُسے چھاتی سے لگا لیتے ہیں

رخ سے پردہ اگر الٹو تو حقیقت کھل جائے
دُون کی شمس و قمر صبح و مسا لیتے ہیں

جی اکیلے شبِ فرقت میں جو گھبراتا ہے
فتنۂ حشر کو نالوں سے جگا لیتے ہیں

دھیان میں لاکے ترا سلسلۂ زلفِ دراز
ہم شبِ ہجر کو کچھ اور بڑھا لیتے ہیں

خانۂ گور کی چھت بیٹھے کہ دیوار گرے
جو کڑی پڑتی ہے مُردوں پہ اُٹھا لیتے ہیں

تیغِ قاتل رہے آباد کہ کُشتے اُس کے
دہنِ زخم سے بوسوں کا مزا لیتے ہیں

ہو ہی رہتا ہے کسی بُت کا نظارہ تا شام
صبح کو اُٹھ کے جو ہم نامِ خدا لیتے ہیں

تم تو انسان ہو آؤ گے نہ کیوں قابو میں
ہم تو دو باتوں میں پریوں کو لگا لیتے ہیں

عیدِ قرباں کی حقیقت میں انہیں کو ہے خوشی
تیغِ قاتل کو گلے سے جو لگا لیتے ہیں

جا چکا قافلۂ ملکِ عدم دور تو کیا
ہم بھی دم بھر میں خدا چاہے تو جا لیتے ہیں

حسن اللہ نے بخشا ہے بتوں کو ایسا
دیر میں شیخ کو کعبے سے بُلا لیتے ہیں

ایک بوسے کے عوض مانگتے ہیں دل کیا خوب
جی میں سوچیں تو وہ کیا دیتے ہیں کیا لیتے ہیں

چھوتے ہیں مصحفِ رخسار کو کب بے تعظیم
ہاں کبھی چوم کے آنکھوں سے لگا لیتے ہیں
اپنی محفل سے اُٹھاتے ہیں عبث ہم کو حضور
چپکے بیٹھے ہیں الگ آپ کا کیا لیتے ہیں
بُت بھی کیا چیز ہیں اللہ سلامت رکھے
گالیاں دیکے غریبوں کو دعا لیتے ہیں
شاخِ مرجان میں جواہر نظر آتے ہیں امیر
کبھی اُنگلی جو وہ دانتوں میں دبا لیتے ہیں

فراقِ یار میں شب ہو کہ دن تمام نہیں
جو اُسکی صبح نہیں ہے تو اسکی شام نہیں
ملی ہے دخترِ رز لڑ جھگڑ کے قاضی سے
جہاد کر کے جو عورت ملے حرام نہیں
وہ گالی دیتے ہیں شکوہ کرو تو کہتے ہیں
کسی کا ذکر نہیں ہے کسی کا نام نہیں
یہاں کمال تواضع وہاں کمال غرور
ادھر ہیں سجدے پہ سجدے اُدھر سلام نہیں
گرہ سے کچھ نہیں جاتا ہے پی بھی لے زاہد
ملے جو مفت تو قاضی کو بھی حرام نہیں
فقیرِ گوشہ نشیں ہیں خدا کے درباری
کسی امیر کا مجرا نہیں سلام نہیں
زمانے بھر میں پڑی ہے پکار حاتم کی
دیا ہے جسنے کہ حاتم کو اس کا نام نہیں
کہا جو میں نے کہ رُخ سے کبھی نقاب الٹو
تو ہنسکے بولے کہ منظور قتلِ عام نہیں
یہ داغ کیوں ہے رُخِ ماہتاب پہ اے چرخ
جو میرے یار کا بھاگا ہوا غلام نہیں
کریم جان کے تجھ کو خطائیں کیں یارب
مرے گناہ سزاوارِ انتقام نہیں
جو میکشی سے ہو فرصت تو دو گھڑی کو چلو
امیر مسجدِ جامع میں آج امام نہیں

ڈسگئی دل کو مرے زلف کی کالی ناگن
واہ کیا حسنِ فسونگر نے نکالی ناگن
اُسکے جوڑے سے ذرا بچکے نکلنا اے دل
کُنڈلی مارے ہوئے بیٹھی ہے یہ کالی ناگن
دستِ گستاخ بڑھے کی جانب تو کہا
دیکھ نازک ہے بہت نازوں کی پالی ناگن
یادِ گیسو میں مرے داغ بدن نیلے ہیں
کیا بلا سونگھ گئی پھولوں کی ڈالی ناگن

اپنے دیوانوں سے پریوں کی طرح اُڑتی ہے
ناگنوں میں ہے یہ دنیا بھی نرالی ناگن
آگیا پیار تری زلف کے دھوکے میں مجھے
جب نظر آگئی بے خوف اُٹھالی ناگن

عشقِ گیسو کے اثر سے وہِ تحریر امیر
جو لکھوں سطر وہ کاغذ پہ ہو کالی ناگن

پروانے کیوں نہ خاک ہوں جلکر چراغ میں
جلوہ اُسی کے نور کا ہے ہر چراغ میں
قاصد کا سر ہے محفل جاناں میں میر فرش
روغن کی جا ہے خونِ کبوتر چراغ میں
بے یار قتل کرتی ہے ہم کو ضیائے بزم
گویا ہے برّشِ وہِ خنجر چراغ میں
لالے میں تم ہو گل میں ہو تم مہرو مہ میں تم
جلوہ تمہارے چہرے کا ہے ہر چراغ میں
عاشق ہیں گوشہ گیر نہیں کوچہ گرو ہم
پروانے جلتے پھرتے ہیں گھر گھر چراغ میں
کامل جو عشق میں ہے اُسے سوز سے ہی ساز
پروانہ ساں جلے نہ سمندر چراغ میں
زائل شباب ہو تو کہاں حُسن میں نمک
روغن نہ ہو تو نور ہو کیونکر چراغ میں
ہے جلوہ گاہ یار چمن ہو کہ بزم ہو
ہر پھُول میں وہ بُو ہے ضیا ہر چراغ میں
پروانے ایسے نشۂ اُلفت سے ہیں جو مست
کیا مے بھری ہے صورتِ ساغر چراغ میں
دل عاشقوں کے کیوں نہ ہوں قربانِ روئے یار
پروانے جل رہے ہیں برابر چراغ میں
اے دل وہ میرزا منش آتا ہے بزم میں
روغن کے بدلے عطر جلے ہر چراغ میں
ہنسنے میں اُسکے دانتوں کا پرتو اگر پڑے
ہو ہر فتیلہ رشتۂ گوہر چراغ میں

آئی ہوا یہ کس لبِ لعلیں اے امیر
ہیں لعلِ شب چراغ کے جوہر چراغ میں

کہتا ہے کون آہ میں اپنی اثر نہیں
ہاں دل دُکھے کسی کا یہ مدِّ نظر نہیں
آہِ شرر فشاں ہیں ہماری اثر نہیں
پھُولا ہوا درخت ہے لیکن ثمر نہیں
ایسے ہیں مست بادۂ حسن و جمال سے
میری خبر کہاں اُنہیں اپنی خبر نہیں

ہم بیقرار لوٹتے ہیں کب سے خاک پر
آسودگانِ خاک تمہیں کچھ خبر نہیں

محفل میں شمع باغ میں شبنم فلک پہ ابر
کس کی ہے آنکھ جو مرے ماتم میں تر نہیں

بوسہ جو سنگِ در کو دیا بول اُٹھا وہ شوخ
بندے کا ہے مکان خدا کا یہ گھر نہیں

گھر جانے کا ابھی سے ارادہ نہ کیجئے
یہ میرے دل کی چمک ہے سحر نہیں

شیخ حرم حرم میں برہمن ہے دیر میں
ہم کس جگہ ہیں کچھ ہمیں اپنی خبر نہیں

افسردگی وہی ہے ہماری پسِ فنا
سنگِ مزار میں بھی ہمارے شرر نہیں

دنیا ہے طرفہ میکدۂ بیخودی امیر
مست ہیں سب کسی کو کسی کی خبر نہیں

دیکھی مجنوں کی شبیہ آج جو تصویروں میں
ہڈیاں سوکھی سی دو چار تھیں زنجیروں میں

باغباں بلبل و طوطی کی زباندانی کیا
ہم تو دونوں کو اڑا دیتے ہیں تقریروں میں

ذبح ہوں کیوں نہ نمازی جو پڑھیں آپ نماز
کہ چھری بن کے زباں چلتی ہے تکبیروں میں

اے مصور ترے دامن کے اڑینگے پرزے
کھنچ گئے ہاتھ جو دیوانوں کے تصویروں میں

تیغ پر باڑھ جو رکھوائی ہے قاتل نے امیر
عیدِ قرباں کی خوشی پھیلی ہے نخچیروں میں

پڑ گئی کیا لوٹ یارب گلشنِ ایجاد میں
دستِ گلچیں میں ہے گل بلبل کفِ صیاد میں

شوخیوں نے تیری چھپ کر پردۂ بیداد میں
بجلیاں بھر دی ہیں میرے نالۂ فریاد میں

بال و پر اپنے کہاں اس گلشنِ ایجاد میں
رہ گئے کچھ دام میں کچھ خانۂ صیاد میں

ہو گئی کچھ اور آ کر خانۂ صیاد میں
یہ مزہ آگے نہ تھا بلبل تری فریاد میں

دیکھ کر تصویرِ شیریں نے یہ حسرت سے کہا
ہائے کیا وارفتگی ہے صورتِ فرہاد میں

دیر میں غافل نہیں اُس سے صنم بھی ایک دم
زاہد و بُت بن گئے ہیں سب خدا کی یاد میں

پر مرے ٹوٹے ہوئے اڑ جائیں سب سوئے چمن
ایسی آندھی آئے یارب خانۂ صیاد میں

سُن کے حال دل ہمارا کیا کسیکا دل دُکھے
جلگیا ہے سوزشِ دل سے اثر فریاد میں

چوکھٹا بنوانے کی مطلق نہیں ہے احتیاج
آپ کی تصویر کا گھر ہے دلِ بہزاد میں

بلبلو خوشیاں کرو آئی ہے گھر بیٹھے مراد
پھول والوں کا ہے میلا کوچۂ صیاد میں

جرم کیا نکلا انا الحق گر لبِ منصور سے
تھی اُسے از خود فراموشی خدا کی یاد میں

وائے قسمت کٹ گئی قیدِ قفس میں اپنی عمر
نکلے بھی گر بھی گئے پر خانہ صیاد میں

قتل سے پہلے ہی تھا معدوم اپنا جسمِ زار
خون کیا لکھنے فرشتے نامۂ جلاّد میں

بیقراری اس قدر تڑپا نہ مجھ کو زیرِ تیغ
دیکھ ظالم دل نہ اُچھلے سینۂ جلاّد میں

اپنے اپنے ہیں نصیب اے ہمصفیرانِ چمن
پھنس گئے تم دام میں ہم گیسوِ صیاد میں

بلبلیں بھی آئینگی جلنے کو پروانوں کے ساتھ
روغنِ گل ہے چراغِ خانۂ صیاد میں

ایک دن برباد ہوگا تندبادِ مرگ سے
جلتی ہیں اس غم سے شمعیں خانۂ آباد میں

فی الحقیقت دل سے دل کو راہ ہوتی ہے امیر
ہم ہیں اُن کی یاد میں وہ ہیں ہماری یاد میں

جو بوئے گل چمن میں ڈھونڈتے ہیں
مسافر کو وطن میں ڈھونڈتے ہیں

جو گم کرتے ہیں راہ نیستی ہم
کمر ہیں یا دہن میں ڈھونڈتے ہیں

ہیں زار ایسا بڑے نادان ہیں فصاّد
لہو میرے بدن میں ڈھونڈتے ہیں

وہ پیاسے ہیں کہ ہم گھبرا کے پانی
ترے چاہِ ذقن میں ڈھونڈتے ہیں

پتا پاتے ہیں یوسف کا وہی لوگ
جو اپنے پیرہن میں ڈھونڈتے ہیں

وہ لاغر ہوں مرے لاشے کو قاتل
فرشتے آکے رَن میں ڈھونڈتے ہیں

ہمیں اے باغبان غنچوں سے کیا کام
ہم اپنا دل چمن میں ڈھونڈتے ہیں

امیر اہلِ حسد کب ہیں ہنر بین
عیوب اکثر سخن میں ڈھونڈتے ہیں

فرقتِ بعدِ مرگ کچھ دل کی جلن میں کیوں نہیں
چین یارب سایۂ ابرِ کفن میں کیوں نہیں

روح کو آرام آغوشِ بدن میں کیوں نہیں
یا خدا اخلاص اس دولھا دلھن میں کیوں نہیں

مر گیا جب میں تو کس پردے میں اُس بت نے کہا
آج وہ کل کی سی رونق انجمن میں کیوں نہیں

اُڑ گئیں روحیں شہادت گاہِ الفت سے کہاں
آشیانے ان غریبوں کے چمن میں کیوں نہیں

تو اگر دولھا بناتی ہے اُنھیں اے تیغِ ناز
بدّھیاں زخموں کی کشتوں کے بدن میں کیوں نہیں

ہوں وہ مجنوں دیکھ کر جوڑا کو آتا ہے خیال
ہائے یہ بھی چاک میرے پیرہن میں کیوں نہیں

پوچھنی ہے قیصر و خاقان سے عبرت گور میں
کیوں پڑے ہیں آج وہ کس بل بدن میں کیوں نہیں

صورتیں ظاہر ہیں صورت آفریں پوشیدہ ہے
انجمن آرا کا جلوہ انجمن میں کیوں نہیں

سوگ ہے کس کے دل پر داغ کا اے گلبدن
وہ بہارِ افشاں کی زلفِ پُرشکن میں کیوں نہیں

ہاتھ ہیں تیرے تو دینے کو ہزاروں اے کریم
سیکڑوں دامن ہمارے پیرہن میں کیوں نہیں

جامہ زیبو وہ نمائش بعدِ مُردن کیا ہوئی
پیرہن میں تھی جو سج دھج وہ کفن میں کیوں نہیں

وحدت و کثرت تو دونوں ہیں اُسی کی جلوہ گاہ
پھر جو خلوت میں مزہ ہے انجمن میں کیوں نہیں

سیکڑوں جاتے ہیں ہستی سے عدم کو رات دن
میری غربت کی خبر اب تک وطن میں کیوں نہیں

لُوٹتی ہے ساری دنیا بزمِ جاناں کے مزے
میرا حصہ اس پھلے پھولے چمن میں کیوں نہیں

اس زمیں میں بھی بہت سے شعر ممکن ہیں امیر
ہو اگر فرصت تو گنجائش سخن میں کیوں نہیں

گزشتہ خاک نشینوں کی یادگار ہوں میں
مٹا ہوا سا نشانِ سرِ مزار ہوں میں

غریب چاہنے والوں میں تیرے یار ہوں میں
دماغ عرش پہ ظاہر میں خاکسار ہوں میں

ترے کرم میں کمی کچھ نہیں کریم ہے تو
مرا قصور ہے جھوٹا امیدوار ہوں میں

پڑا ہے دستِ اجل مجھ پہ لاکھ بار مگر
نکل گیا ہوں تڑپ کر وہ بیقرار ہوں میں

کچھ آج میں نے نئی پی ہے حضرتِ واعظ
ازل کا مست پرانا شراب خوار ہوں میں

نگاہِ گرم سے مجھ کو نہ دیکھ اے دوزخ
خبر نہیں تجھے کس کا گناہ گار ہوں میں
زمینِ قصرِ سلاطین سے آرہی ہے صدا
کہ آج منزلِ عشرت ہوں کل مزار ہوں میں
پھر اُسکی شانِ کریمی کے حوصلے دیکھے
گناہگار یہ کہدے گناہگار ہوں میں
جو مست ہوش میں آنے کا قصد کرتا ہے
پکارتا ہے یہ ساقی کہ ہوشیار ہوں میں
وہ کشتہ ہوں کہ مری لاش جسطرف گزری
زمیں پکار اُٹھی قابلِ مزار ہوں میں
حضور وصل کی حسرت ازل سے ہے مجھ کو
خیال کیجئے کب سے اُمیدوار ہوں میں
خبر نہیں اُسے روتا ہوں حال پر جس کے
اُداس صورتِ شمعِ سرِ مزار ہوں میں
شبِ فراق مری جان دل سے کہتی ہے
تڑپ چکا ہو اگر تو تو بیقرار ہوں میں
بلائیں لیتی ہے پھر پھر کے گردنومیدی
یہ کس کے در پر الٰہی اُمیدوار ہوں میں
وہ بیقرار ہوں دیکھے اگر تڑپ میری
قرار بھی یہ پکارے کہ بیقرار ہوں میں
پکارتا ہے یہ مُو بانٹ اُسکی چوٹی کا
کہ سب سے پیچھے ہوں چوٹی کا سنگار ہوں میں

بڑے مزے سے گزرتی ہے بیخودی میں امیر
وہ دن خدا نہ دکھائے کہ ہوشیار ہوں میں

کسی کی روح پہ صدمہ ہو اشکبار ہوں میں
کسی کے دل میں اُٹھے درد بیقرار ہوں میں
گھڑی یہ نزع کی کہتی ہے جانِ پُرغم سے
کہ وقت آخرِ ایامِ روزگار ہوں میں
کسی کا دل نہیں دُکھتا مرے تڑپنے پر
سمجھتے ہیں مجھے بجلی وہ بیقرار ہوں میں
پڑا ہے تفرقہ کیا اضطراب سے پسِ مرگ
سرِ مزار مرا دل تہِ مزار ہوں میں
شگفتگی میں بھی میری فسردگی ہے عیاں
شرارِ سنگِ لحد ہوں اگر شرار ہوں میں
نہ محتسب کا مجھے خوف ہے نہ ساقی کا
گدائے میکدہ مفلس شراب خوار ہوں میں
فرشتے لے کے چلے تھے مجھے جہنم کو
تڑپ کے خلد میں پہنچا وہ بیقرار ہوں میں
وہ پیر ہوں کہ جوانوں کا رنگ رکھتا ہوں
عزیز کیوں نہ ہوں بے فصل کی بہار ہوں میں

کفن کا پاس نہ مجھ کو مزار کا ہے لحاظ
بُرا طپش کا ہو دونوں سے شرمسار ہوں میں

کسی سے کھوٹ نہیں میرے دل میں دوست تو کیا
عدو بھی یار بنائے مجھے تو یار ہوں میں

شکستگی سے سنورتا ہے اور کام مرا
شریکِ قسمتِ گیسوئے تابدار ہوں میں

شراب غیب سے میرے لیے اُترتی ہے
خدا کے گھر میں ہے حرمت وہ بادہ خوار ہوں میں

امیر ملتی ہیں بے مانگے نعمتیں کیا کیا
بڑا کریم ہے جسکا اُمیدوار ہوں میں

بانکی ادا ہے وہ نگہِ خشمگیں نہیں
غمزہ چھُری لیے ہے وہ چینِ جبیں نہیں

خلوت میں بیخودی سے پتا ہی کہیں نہیں
کیا سیر ہے وہاں کہ ہمیں ہیں ہمیں نہیں

مانگی جگہ لحد کو تو بولا وہ شاہِ حُسن
تکیہ بنے فقیر کا یہ وہ زمیں نہیں

کیا خوش ہو دل فلک پہ ستاروں کو دیکھ کر
افشاں چُنی ہوئی یہ کسی کی جبیں نہیں

سرکار ہے کریم کی ساقی کی بارگاہ
دشمن مری کوئی نگہِ واپسیں نہیں

حسرت سے دیکھیے تو یہ کہتی ہے وہ نگاہ
دشمن مری کوئی نگہِ واپسیں نہیں

کہتے ہیں ذبح کرنے میں مجھ کو جھجک ہو کیوں
میں نازنیں ہوں دل مرا نازنیں نہیں

عصمت یہ دستِ شوق سے کہتی ہے روزِ وصل
چھُو جائے جس کو ہاتھ یہ وہ آستیں نہیں

غفلت نے میری مجھ کو بنایا ہے دھوپ چھاؤں
مخمل کا خواب ہوں کہ جہاں ہُوں وہیں نہیں

روتا ہے دردِ عشق میں اُس دلنواز کے
کچھ قدرِ غم تجھے دلِ اندوہگیں نہیں

بسمل سے اپنے کہتی ہے مقتل میں تیغ ناز
اس وقت بھی زبان پہ تری آفریں نہیں

پیکانِ تیر یار سے کہتی ہیں حسرتیں
تو دلنواز تو ہے مگر دل نشیں نہیں

نزدیک جا کے انکو جو دیکھا تو بول اُٹھے
چل دُور ہو نگاہ تری دُوربیں نہیں

دشوار ہے بہت دلِ معشوق تک گزر
اے آہ ہوشیار یہ عرشِ بریں نہیں

ہوں مستِ شوق وہ تو کہوں اُن سے چھیڑ کر
کیوں میری جان اب نہیں کہتے نہیں نہیں

شبو کا پھول دیکھ کے بولا وہ جامہ زیب
واہ ایک آستین تو ہے ایک آستین نہیں

جس بے نشان کو ڈھونڈتے ہیں ہم جہاں ہیں
کہتا ہے دل کہ تجھ میں نہیں تو کہیں نہیں

بولے جو عذرِ ضعف سے اُن کو طلب کیا
کیا آپ ناتواں ہیں تو میں نازنین نہیں

پچھلا کلام بھی ہے جو اس میں شریک امیر
دیوان میں اب کا رنگ کہیں ہے کہیں نہیں

مشتاق وصل کون ترا نازنین نہیں
کرتی پھنسی کہ لپٹی ہوئی آستیں نہیں

شکوہ جفا کا تم سے کچھ اے نازنین نہیں
ایسے ہی تم میں ہوتے ہیں سب اک تمہیں نہیں

عالم سے اُن کی انجمنِ ناز ہے الگ
چھت جسکی آسمان ہے یہ وہ زمیں نہیں

گزرا ہُوا زمانہ پھر آتا نہیں کبھی
وہ کونسا ہے دم جو دمِ واپسیں نہیں

بوسہ لپٹ کے لے ہی لیا ہم نے بزم میں
ہاں سنی کسی کی نہ اُن کی نہیں نہیں

نقشِ سجود سے درِ دلدار ہے چمن
اک پھول اسی چمن کا ہے داغ جبیں نہیں

دیکھے تجھے زمانہ مجھے دیکھتا ہے کیا
اے جان ناتواں ہوں میں نازنین نہیں

مقتل میں ہاتھ اُٹھاتے وہ شرمائے جاتے ہیں
نکلی ہوئی تو دیکھو کہیں آستیں نہیں

غش میں پڑے ہیں جلوہ گہِ نازنین کلیمؑ
تحسیں نہیں سپاس نہیں آفریں نہیں

کہتے ہیں بیوفائی کا رونا نہ رو یہاں
سارے جہاں میں ہے یہی کچھ یہیں نہیں

تڑپا رہا ہے اُٹھکے مرے دل کو دردِ عشق
تجھ سے ملا ہُوا تو مرا ہمنشیں نہیں

گھبراتے کیوں ہو دم مری آنکھوں میں ہے ابھی
پھیرو نہ آنکھ یہ نگہِ واپسیں نہیں

اللہ رے ناز دیکھ کے کہتے ہیں آئنہ
ہم نازنیں نہیں تو کوئی نازنین نہیں

کہتے ہیں سنگِ در پہ مرے سجدہ تا کجا
کچھ زیرِ مشق یہ پٹے خطِ جبیں نہیں

اک آہ کھینچنے کا ارادہ ہے ہوشیار
خیر آج تیری اے فلکِ ہفتمیں نہیں

نسبت ہے ایک عاشق و معشوق سے اِسے
ناز آفرین ہے کیا وہ نیاز آفریں نہیں

شادی کی انجمن میں بھی روتا ہوں مثلِ شمع
مجھ سا جہان میں کوئی اندوہگین نہیں

چوکھٹ سے تیری سر نہ ہٹے گا امیر کا
سجدے سے گر کے اُٹھے یہ ایسی جبین نہیں

عالم میں کوئی دخترِ رز سا حسین نہیں
شیشے میں اک پری ہے مے آتشین نہیں

وہ شوخ لاکھ پردوں میں پردہ نشیں نہیں
اور پھر جو دیکھیے تو کہاں ہے، کہیں نہیں

یا ہم ہی ہم تھے کوئی نہ تھا اُن کی بزم میں
یا اک جہاں آج دہان ہے ہمیں نہیں

اُن چتونوں کو دیکھ تو ناصح تڑپ ہی جا
بیدرد تیرے دل پہ یہ چھُریاں چلیں نہیں

ایسا ہی جوش گریہ ہے تو ہجر یار میں
یا ہم نہیں زمین پہ یا یہ زمین نہیں

پردے ہی پردے میں ہیں تبسّم کی شوخیاں
یہ بجلیاں ابھی کسی دل پر گریں نہیں

تو قابلِ سجود ہے اے میرے بے نیاز
پر قابلِ سجود کسی کی جبیں نہیں

فرماتے ہیں کہ آئیں تو زاہد ہمارے پاس
ہم اُن کی توبہ توڑنے کو نازنین نہیں

شوخی کا ہاتھ اُٹھ کے پکڑلے شبِ وصال
اتنی بھی کام کی نگہِ شرمگیں نہیں

اے جان ابھی نہیں مری حسرت کا خاتمہ
پہلی نظر ہے یہ نگہِ واپسیں نہیں

تلواریں ایک چھوڑ کے دو دو کمر میں ہیں
اس بوجھ اُٹھانے کے لئے تم نازنین نہیں

رو دیا جو میں وصال میں بولے ہٹا کے ہاتھ
آنسو کسی کے پوچھے یہ وہ آستیں نہیں

رسوا ہوا تو حشر میں اتنا کہوں گا میں
بندوں میں تیرے کیا میں جہاں آفریں نہیں

آنسو سے آشنا نہیں شمعِ مزار بھی
اب کوئی میرے حال پر اندوہگیں نہیں

دل ناز اُٹھانے والوں کے کیا دیکھ کر بڑھا ہے
ہر انجمن میں ناز ہے ناز آفریں نہیں

واعظ کو تم تو دیکھتے ہی ہنس پڑے امیر
باتیں تو ان بزرگ کی تم نے سُنیں نہیں

یاد قاتل میں لہو سے جو ہوئیں تر پلکیں
بن گئیں طائرِ مذبوح کی شہہ پر پلکیں

کھینچتی ہیں دلِ بیمار پہ خنجر پلکیں
مو بمو اس سے ہے انسان کی شرافت ثابت
گور میں بھی خلشِ خارِ محبت ہے وہی
نرگسی آنکھیں دکھاتے نہیں یہ لالہ غدار
اثرِ سوزِ محبت نے دکھایا اعجاز
اہلِ بینش کو بہت سیرِ جہاں خوب نہیں
قتلِ عشاق سے باز آئینگی کھاتی ہیں قسم
چشمِ بد دور ہے کیا ظلم کی رسی بھی دراز
چشمِ مخمور سے ٹوٹے کہیں انکا بھی خمار
عیب اپنوں کا نہیں ہے سببِ کلفتِ دل
کیا ہی ہمسائے کو ہمسائے کی ایذا ہے وبال
ناتوانوں کو ترے دیگا فلک کیا گردش

ناتواں پا کے چڑھالاتی ہیں لشکر پلکیں
مردمک آنکھ میں ہے آنکھ کے باہر پلکیں
آج تک دل میں کھٹکتی ہیں برابر پلکیں
کھینچتے ہیں مجھے کانٹوں میں دکھا کر پلکیں
بہہ گیا آنکھ سے دریا نہ ہوئیں تر پلکیں
مردمِ چشم سے کہتی ہیں یہ جھک کر پلکیں
طاقِ ابرو کی طرف ہاتھ اٹھا کر پلکیں
صاف بڑھ کر ہوئیں خمیازہ برابر پلکیں
ہیں اذیت کشِ خمیازہ برابر پلکیں
لاکھ اڑے گردِ نظر ہوں نہ مکدر پلکیں
آنکھیں روئیں جو کھنچیں بال برابر پلکیں
گردشِ چشم سے کھاتی نہیں چکر پلکیں

آج آنکھوں کو جوانی میں یہ زیور ہیں امیر
گر گئے ہو جائیں گی کل خس کے برابر پلکیں

عالم شگفتہ ہو جو میں آفت رسیدہ ہوں
مطلب کی سمت رُخ ہے مراد رمیدہ ہوں
راغب مری طرف ہے کوئی دل کوئی گوش
میر صفائے دل نے جو کھوئے ہیں میرے عیب
ماہی کی طرح ہے مجھے مرہم وہ آب تیغ
ضبطِ فغاں سکھاؤں میں اوروں کو ہوں جو خاک
چہرے پہ اُسکے مطلعِ ابرو کا ہے یہ قول

صبحِ بہار ہوں جو گریباں دریدہ ہوں
گویا قصیدے میں میں گریزِ قصیدہ ہوں
بزمِ جہاں میں حرفِ مکرّر شنیدہ ہوں
شرمندہ مثلِ زنگیِ آئینہ دیدہ ہوں
کیا مبتلائے دردِ گلو سے بریدہ ہوں
سُرمہ پیے صدائے گلوے بُریدہ ہوں
دیوانِ انوری کا میں مضمونِ چیدہ ہوں

ظلم جہاں نہ دورِ فلک کا مجھے خیال
دریا کے جوش میں تہِ پل آرمیدہ ہوں

اے اہلِ بزم مجھ کو اُٹھاؤ نہ بزم سے
شمعِ سحر ہوں عمرِ بپایاں رسیدہ ہوں

میں اور جم ہیں پیرِ مغاں دو ترے مُرید
لیکن وہ بد عقیدہ ہے میں خوش عقیدہ ہوں

مجروحِ تیغِ حسن ہُوا کب خبر نہیں
یوسف کی جلوہ گاہ میں دستِ بریدہ ہوں

مارا ہے اہلِ کبر نے پردے میں عجز کے
میں بیخبر تو کشتۂ تیغِ خمیدہ ہوں

اب تک کسی پہ میری حقیقت نہیں کھلی
حرفِ ناگفتہ ہوں سخنِ ناشنیدہ ہوں

پیدا کیے کی شرم الٰہی ضرور ہے
تو آفریدگار ہے میں آفریدہ ہوں

صحرا کو کپڑے پھاڑ کے چلتا ہوں اے جنوں
پائے شکستہ ہوں نہ میں دستِ بریدہ ہوں

ہوں دشمنوں میں پر نہیں فریاد کی مجال
بتیس دانتوں میں میں زبانِ بُریدہ ہوں

بہتا ہے یادِ رُخ میں تو کہتا ہے طفلِ اشک
یوسف کے خاندان کا میں نورِ دیدہ ہوں

مطلب خزاں سے کچھ نہ غرض ہے بہار سے
دونوں سے مثلِ سرو میں دامن کشیدہ ہوں

دیکھوں کسی کے عیب تو کیا خاک کہہ سکوں
ہاں غم سے آئنے کی طرح آبدیدہ ہوں

کہتا ہے مرغِ روح اجل سے ڈرا ہُوا
صیاد میرے پیچھے ہے میں صیدِ رمیدہ ہوں

بلبل ہوں میں نہ گل ہوں گلستانِ دہر میں
ہاں اک پرِ شکستۂ رنگِ پریدہ ہوں

شبنم کے اے امیر ملے ہیں مجھے نصیب
گل ہنس پڑیں چمن میں جو میں آبدیدہ ہوں

کسکے چمکے چاند سے رخسار قیصر باغ میں
چاندنی ہے سایۂ دیوار قیصر باغ میں

سبزۂ خوابیدہ کیسا آگیا جو خفتہ بخت
اُسکے طالع ہوگئے بیدار قیصر باغ میں

فی الحقیقت یہ بھی کم گلزارِ جنت سے نہیں
حوریں پھرتی ہیں سرِ بازار قیصر باغ میں

ہر روش پر چل رہی ہے ایسی صحت کی ہوا
چشمِ نرگس تک نہیں بیمار قیصر باغ میں

پاؤں کا یہاں ذکر کیسا صاف ہے آئینے میں
دل پھسلتے ہیں دمِ رفتار قیصر باغ میں

بند جب ٹوٹیں شکستِ توبہ کی آئے صدا
ہیں اگر انگڑائیاں میخوار قیصر باغ میں

لوٹتا پھرتا ہے یہ مارے خوشی کے صبح و شام
وجد میں ہے سایۂ دیوار قیصر باغ میں

یہ اشارہ نہر میں کرتی ہے ہر انگشتِ موج
سب کا ہو جائیگا بیڑا پار قیصر باغ میں

چار نغموں میں ہو سعدی کی گلستاں کا جواب
بلبلیں کھولیں اگر منقار قیصر باغ میں

زیرِ شاخِ گل اگر سبزہ کبھی سونے لگا
شورِ بلبل نے کیا بیدار قیصر باغ میں

اتنے پتے بھی نہ ہونگے گلشنِ فردوس میں
جس قدر پھولوں کے ہیں انبار قیصر باغ میں

تشنگانِ شوق ہیں شیریں لبوں کے میہمان
بٹ رہا ہے شربتِ دیدار قیصر باغ میں

قطرے شبنم کے رگِ گل پر دکھاتے ہیں بہار
گُندھ رہے ہیں موتیوں کے ہار قیصر باغ میں

کہہ رہی ہے یہ صنوبر قامتوں سے فاختہ
آؤ بھی بہرِ علمبردار قیصر باغ میں

آتے آتے لب تلک بن جائے بُکّا نور کا
کھینچیے گر آہِ آتشبار قیصر باغ میں

نخلِ گل ہے ہر تماشائی زہے فیضِ بہار
پھول جھڑتے ہیں دمِ گفتار قیصر باغ میں

موجۂ مے کی نسیمِ صبح میں تاثیر ہے
بے صبوحی مست ہیں ہشیار قیصر باغ میں

ایدلِ مایوس بے برگی سے افسردہ نہ ہو
لائیگا نخلِ تمنّا بار قیصر باغ میں

دُور ہونگی کلفتیں مٹ جائینگی سب کاہشیں
لالہ ہے بیداغ گل بیخار قیصر باغ میں

سایۂ بالِ ہما کیا ڈھونڈتا ہے اے امیر
بیٹھ زیرِ سایۂ دیوار قیصر باغ میں

داغ اے بہار جیسے ہمارے بدن میں ہیں
اس رنگ و بو کے پھول بھی تیرے چمن میں ہیں

نالہ ذرا کرے تو سمجھ بُوجھ کر کرے
بلبل سے کوئی کہدے کہ ہم بھی چمن میں ہیں

شیخِ حرم سے ملکے ہوا سخت انفعال
کتنے ذلیل ہم نگہِ برہمن میں ہیں

سینوں میں عاشقوں کے کہاں عاشقوں کے دل
کچھ زلف میں ہیں کچھ ترے چاہِ ذقن میں ہیں

اک عمر سیتے سیتے رفوگر کو ہو گئی
کیا جانے کتنے چاک مرے پیرہن میں ہیں

یاد آئیں کیوں قفس میں نہ گلشن کے ہمصفیر
غربت میں ہم ہیں یار ہمارے وطن میں ہیں

تھوڑا سا لطف اور بھی اے پنجۂ جنوں
دو چار تار اور ابھی پیرہن میں ہیں

آئے ہیں سب سمٹ کے تری صید گاہ میں
اب کوہ پر ہیں کبک نہ آہو ختن میں ہیں

ہوں آبدیدہ درد کی باتیں نہ سُن کے آپ
پہلو ہزار طرح کے اپنے سخن میں ہیں

پیاسی ہیں آب خنجرِ قاتل کی دیر سے
جتنی رگیں امیر ہمارے بدن میں ہیں

عزیز احباب ساتھی دم کے ہیں پھر چھوٹ جاتے ہیں
جہاں یہ تار ٹوٹا سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں

کڑی منزل ہے پیری دانت بھی سب ٹوٹ جاتے ہیں
قدیمی ساتھ یاروں کے یہیں تو چھوٹ جاتے ہیں

الٰہی کیا علاقہ ہے وہ جب لیتا ہے انگڑائی
مرے سینے میں سب زخموں کے ٹانکے ٹوٹ جاتے ہیں

ادا دل مانگتی ہے جان غمزہ اے شہِ خوبی
ترے کشور میں ہے اندھیر لوٹا لوٹ جاتے ہیں

عجب کانٹا ہے ساقی محتسب جب آنکلتا ہے
تو سب جام و سبو چھالوں کی صورت پھوٹ جاتے ہیں

زمانے بھر میں ہے مشہور حال اخوانِ یوسفؑ کا
طمع دنیا کی وہ ہے جس سے بازو ٹوٹ جاتے ہیں

امیرِ زار کی تربت کو چھت سمجھے ہیں کیا گھر کی
یہ ماتم دار آ کر چھاتیاں کیوں کوٹ جاتے ہیں

منگا کر آئنہ مجھ تشنہ لب کو یاد کرتے ہیں
وہ ساحل کو بھی لیکر ساتھ دریا میں اُترتے ہیں

شہید عشق جی جاتے ہیں جی سے کیا گزرتے ہیں
خدایا موت دے سب کو ہم اس مرنے پہ مرتے ہیں

مقام شرم ہے ہم ہجر میں جی سے گزرتے ہیں
پتنگے بھی تو رخصت شمع سے ہو ہو کے مرتے ہیں

یہاں آنکھوں میں دم ہے اب کوئی ساعت میں مرتے ہیں
قضا کہتی ہے جلدی کیا ہے آئینگے سنورتے ہیں

زمانہ ذرۂ و خورشید سے آئینہ خانہ ہے
مگر اس پر بھی جب دیکھا وہ پردے میں سنورتے ہیں

ہمارے زخم بھرنا اور اے جرّاح کیا جانیں
اگر بھرتے ہیں تو دم خنجرِ قاتل کا بھرتے ہیں

رہے بیدار دل جو عمر بھر مُردہ نہ جان اُن کو
برابر رات دن جاگے تھے اب آرام کرتے ہیں

دلِ پر آرزو کہتا ہے چلکر خضرؑ سے پوچھو
پھڑکنا اُن سے بسمل کا کبھی دیکھا نہیں جاتا
خزاں غافل نہیں ہے اے جوانانِ چمن تم سے
کسے ہے ہوش فصلِ گل میں رختِ نو بدلنے کا
نہیں چلتی ہے قینچی یہ چھُری پھرتی ہے گلچیں پر
تفاوت اسقدر ہی زاہدوں میں اور رندوں میں
؏ اتنی چاہ کر آبِ دمِ شمشیر قاتل کی
نئے گل پھولتے ہیں اپنی آہِ سرد سے ہر دم
یہاں نہلا کے ہم کو دفن بھی احباب کر آئے
شمیمِ گل ہیں ہم بھی تم اگر بادِ بہاری ہو
خضر کو ڈھونڈھتا پھرتا ہے کیا مجنوں بیاباں میں
غضب ہے سامنا غصے میں اُن خونخوار آنکھوں کا
کہاں انگورِ شیرازی کہاں یہ مسکنِ ہندی

سفینے قلزمِ اُمید کے کس گھاٹ اُترتے ہیں
چھُری دیتے ہیں جس کو پہلے اُسکے پر کترتے ہیں
نہیں اُڑتے ہیں پتے یہ اُسے پرچے گذرتے ہیں
بدن سے مثلِ گل پھٹ کر یہاں کپڑے اُترتے ہیں
پرِ بلبل نہیں صیاد برگِ گل کترتے ہیں
کہ وہ کچھ دل میں لے رہتے ہیں یہ سب کہہ گذرتے ہیں
کڑا پانی ہے وہ گھونٹ اُسکے مشکل سے اُترتے ہیں
جگر کے داغ دلکی چوٹ بن بن کر اُبھرتے ہیں
وہاں حمام سے فرصت نہیں اب تک نکھرتے ہیں
جدھر چاہتے ہو چلتے ہیں جہاں ٹھہرو ٹھہرتے ہیں
اِدھر آئے کہ ہم نے یہ طریقے خوب برتے ہیں
شکار شیر کرتے ہیں جو یہ آہو بپھرتے ہیں
پہنچ رہتے ہیں وہ دانے جو قسمت میں اُترتے ہیں

برنگِ طائرِ تصویر امیر اڑنا کہاں ممکن
ہم اپنے آشیانے سے چمن میں کب اُترتے ہیں

پھڑک مرغِ بسمل کی طرح عاشق جو مرتے ہیں
نکل جاتے ہیں وہ جس راہ سے بیچین کرتے ہیں
لبوں پر آکے ہجرِ یار میں دم ضبط سے بولا
لیا تو میں نے بوسہ خنجرِ قاتل کا مقتل میں
میں اس شوخی پہ صدقے ہوں کہ مجھسے بزم میں پوچھا
تسلی خاک ہو وعدوں سے ان کی جتنو نیں ظالم

یہ مقتل ہیں عروسِ تیغ کے صدقے اُترتے ہیں
ہزاروں چٹکیاں لیتے ہیں جس دلمیں گذرتے ہیں
سلامت بیقراری ہم کہیں گھٹ گھٹ کے مرتے ہیں
اجل شرما گئی سمجھی کہ مجھ کو پیار کرتے ہیں
یہ سب نو غش ہیں مجھ پر آپ کہیے کس پہ مرتے ہیں
اشاروں سے یہ کہتی ہیں کہ دیکھو اب مکرتے ہیں

ہماری جان تم ہو وہ ہماری جان کا دشمن
تمہارے دوست ہیں ہم اسلیے دشمن سے ڈرتے ہیں

ہیں کہتا ہوا تمہیں نے دل لیا میرا تو کہتے ہیں
کہ ہاں ہاں نے لیا اچھا کیا ہم کب مکرتے ہیں

حسینوں کی تعلی ہے سبب محبوب ہونے کا
جو چڑھ جاتے ہیں نظروں پر وہی دلمیں اُترتے ہیں

بڑے رستم ہیں تیرے چشم و ابرو دیکھنے والے
نہ خنجر سے جھجکتے ہیں نہ وہ قاتل سے ڈرتے ہیں

بتوں کے چاہنے والوں میں بھی ہے شانِ محبوبی
قضا مرتی ہے اُن پر جو ادا پر اُنکی مرتے ہیں

نہ رحم آجائے قاتل کو نہ رُک جائے کہیں خنجر
نگاہِ حسرت آگیں ہم اثر سے تیرے ڈرتے ہیں

خبر ہم سخت جانوں کی وہ سنکر طنز سے بولے
کوئی مرنے کی حد بھی مر نہیں چکتے ہیں مرتے ہیں

سلیماں ہم کو یاد چشم و گیسو نے بنایا ہے
ہمارے گھر میں شب بھر تخت پریوں کے اُترتے ہیں

ہمیں بیتابیاں خط یار کو لکھنے نہیں دیتیں
جگر سے جب اُٹھاتے ہیں تو دلپر ہاتھ دھرتے ہیں

شباب اُن کا غضب ہے ہاتھ پڑتا ہے جو سینے پر
نکلا جاتا ہے منہ سے مار ڈالا ہائے مرتے ہیں

شبِ وصلت بھی یہ عالم ہے میری بیقراری کا
تڑپ جاتے ہیں وہ دلپر جو میرے ہاتھ دھرتے ہیں

کبھی مدِ نظر گر عاشقوں کا قتل ہو تم کو
ہمیں بھی یاد رکھنا ہم بھی تم کو پیار کرتے ہیں

برنگِ نبض چلنے سے ہیں اپنے دست و پا چلتے
ٹھہر جاتا ہے سارا قافلہ جب ہم ٹھہرتے ہیں

بری ہیں پاکبازانِ محبت رشک سے دیکھو
جو تم کو پیار کرتے ہیں ہم اُن کو پیار کرتے ہیں

امیر اس جان کے دشمن سے تم کو ڈر نہیں لگتا
دھڑکتے ہے تم اُسکے منہ پہ کہتے ہو کہ مرتے ہیں

وبا پایا جو ہے ہم کو تو یہ بھی ظلم کرتے ہیں
ہماری قبر کے تختے بھی اب ہم سے برتے ہیں

عدم کے جانیوالے راستے میں کب ٹھہرتے ہیں
جہاں یہ نکلے گھر سے جاکے منزل پر اُترتے ہیں

پھروں ہیں گرد تو وہ ڈر کے کچھ خیرات کرتے ہیں
میرے قربان ہونے پر وہاں صدقے اُترتے ہیں

عجب پردہ ہے پردہ شرمِ عصیاں کا دمِ آخر
اِسی پردے میں ساری عمر کے بگڑے سنورتے ہیں

مریضِ عشق سے پہلو تہی طرفہ تماشا ہے
ہوئے بیمار تو ہم اور پرہیز آپ کرتے ہیں

خیالِ یار و ابرو ہیں جو یادِ چشمِ ساقی ہے
لڑی ہیں اُن کی آنکھیں آئنے میں خطِ عارض سے
مرا خط پھینک کر قاصد کے منہ پر طنز سے بولے
پڑے ہیں ابرو دل پر بل یہ کیوں مدِّ نظر کیا ہے
تسلّی دل کو ہم دیتے ہیں کیف چشمِ ساقی سے
مدد اے آبِ خنجر رحم کر ان تشنہ کاموں پر
نہ مہر اُس گل کا ہمسر ہے نہ ماہ اُسکے برابر ہے
چلے ہی جاتے ہیں پیکِ نفس اک عمر گذری ہے
ہیں کسکی دید کا طالب ہوں کس کے وصل کا خواہاں
نہ اتنا محتسب کا خوف ہے ہم کو نہ قاضی کا
اُنہیں کا مال تھا اچھا کیا دل لے لیا میرا
بھرا ہے حسرتوں سے دل کہاں داغوں کی گنجائش
مغنّی کی نہ میخانے میں حاجت ہے نہ مطرب کی
ابھی اے جان تونے مرنیوالوں کو نہیں دیکھا
یہ اپنے داغ ہیں دن رات جن کا ایک عالم ہے
وہ سر سے پاؤں تک تصویر ہیں بیساختہ پن کی
دمِ آرائش آئینہ جو دیکھا ناز سے بولے
قیامت وہ رتنہائی کا عالم رُوح پر صدمہ
جو رکھدیتی ہے شانہ آئنہ تنگ آ گئے مشاطہ
خیال آتا ہے پیری میں جوانی خواب تھی گویا
کیا ہے نام کیا اُستاد کا روشن خدا رکھے

حرم میں بیٹھے بیٹھے میکدے کی سیر کرتے ہیں
غزالانِ حرم فردوس کے سبزے میں چرتے ہیں
خلاصہ سارے اِس طومار کا یہ ہے کہ مرتے ہیں
یہ دُہرے دُہرے خنجر آپ کس پر تیز کرتے ہیں
شرابِ حسن لیکر عشق کے ساغر میں بھرتے ہیں
نہ اُنکی پیاس مرتی ہے نہ یہ پیاسے ہی مرتے ہیں
ہیں دونوں ایک ہی سے کچھ ذرا چڑھتے اُترتے ہیں
نہ منزل ہے کہیں انکی نہ رستے میں ٹھہرتے ہیں
یہ کسکی حسرتیں ہیں آپ جن کا خون کرتے ہیں
کہیں توبہ نہ میخانے میں آئے اُس سے ڈرتے ہیں
کوئی چھینے نہیں لیتا ہے اُنسے کیوں مکرتے ہیں
یہ سب ارماں ہیں جو داغ بن بن کر ابھرتے ہیں
شکستِ توبہ کی آواز پر ہم وجد کرتے ہیں
جیے ہم تو دکھا دیں گے کہ دیکھ اسطرح مرتے ہیں
ستارے ڈوبتے ہیں دن کو راتوں کو ابھرتے ہیں
سنورنے سے بگڑتے ہیں بگڑنے سے سنورتے ہیں
اُدھر یہ کون میری لاگ پر بیٹھے سنورتے ہیں
ہمارے دن لحد میں دیکھیے کیونکر گذرتے ہیں
ادائیں بول اُٹھتی ہیں کہ دیکھو یوں سنورتے ہیں
پلک پیچھے جھپکتی ہے یہ دن پہلے گزرتے ہیں
امیر اُستاد زادوں پر ہم اپنے فخر کرتے ہیں

حباب آسا محیطِ عشق سے جو پار اُترتے ہیں
گزر جاتے ہیں پہلے سر سے پیچھے پاؤں دھرتے ہیں

دکھاتے ہیں جو سرمہ آئینے کو دور دھرتے ہیں
ستم دیکھو وہ اپنی چتونوں سے آپ ڈرتے ہیں

تصور میں اُڑا کر رنگِ رُخ نیرنگ کرتے ہیں
کہ تصویرِ خیالی میں تری ہم رنگ بھرتے ہیں

بتو اہلِ حرم بیجا نہیں تم کو بُرا کہنے
برہمن ہی کا گھر بھرتے ہو جب سجدے سے اُترتے ہیں

نہیں ہے دیر سے خورشید کی وہ گرم بازاری
ہوا ہے دھوپ کا منہ زرد شاید وہ نکھرتے ہیں

پسند آیا انہیں مجھ کو اسی کا شکر کیا کم ہے
کہ شکوہ لیکے بیٹھوں آپ دل لیا کرتے ہیں

مرے سینے پہ مقناطیس تیرا ہاتھ ہے اے بُت
کہ جتنے دل میں پیکاں جمع ہیں سب اُبھرتے ہیں

شبِ غم میں رہے جیتے بُرا ہو سخت جانی کا
نہ آئی موت اس غیرت کے مارے ہم تو مرتے ہیں

جوابِ اعضا ہمیں دیتے ہیں کیوں اے ضعف پیری میں
جوانی کی تو ہم اُن سے نہیں خواہش کرتے ہیں

چمن کی سیر ہی چھوٹی تو پھر جینے سے کیا حاصل
گلا کاٹیں مرا صیاد پر ناحق کترتے ہیں

چل اے بادِ بہاری اک ذرا آہستہ آہستہ
کہ وہ مجھ سے اُلجھتے ہیں جو اُنکے بکھرتے ہیں

لب ایسے جانفزا خط کا یہ رنگ اس قہر کی آنکھیں
مسیحؑ و خضرؑ و عزرائیلؑ تینوں تم پہ مرتے ہیں

تصور میں بھی منہ چوموں تو اُڑ جاتا ہے رنگ اُنکا
بلائیں خواب میں بھی لوں تو بال اُنکے بکھرتے ہیں

قیام اس بحرِ طوفاں خیز دنیا میں کہاں ہمدم
حباب آسا ٹھہرتے ہیں تو کوئی دم ٹھہرتے ہیں

جھجک جاتے ہیں وہ سائے سے اپنے روزِ روشن میں
اندھیری رات میں زلفوں کے لہرانے سے ڈرتے ہیں

دکھایا انقلابِ تازہ عالم کے حوادث نے
جو مرتے ہیں وہ جیتے ہیں جو جیتے ہیں وہ مرتے ہیں

بہت سنبل چمن میں آج پیچ و تاب کھاتا ہے
کسی محبوب کے شاید کہیں گیسو سنورتے ہیں

امیر اوّل سرِ لشکر ہدف ہے تیرِ آفت کا
شکار انداز پہلے مرغ کے شہپر کترتے ہیں

بخت ایسے کہاں ہیں جو کروں یار سے باتیں
کرتا ہوں میں شب بھر در و دیوار سے باتیں

کیا سمجھیں ہم اس آنکھ کا ایما سوئے نرگس
بیمار نے کیں راز کی بیمار سے باتیں

اقبال سکندر سے مرے لڑ گئے طالع
ٹھیک انکے نہ وعدے ہیں نہ ٹھیک انکی مدارات
ڈرتا ہے یہ وحشی ابھی آواز سے تیری

جس دن ہوئیں اُس آئینہ رخسار سے باتیں
دو چار سے گھاتیں ہیں تو دو چار سے باتیں
صیاد نہ کر مرغ گرفتار سے باتیں

کیا دھیان امیرؔ آیا کہ وہ ہٹ گئے پیچھے
جُھک جُھک کے جو ہم کرنے لگے پیار سے باتیں

شوخی تھی قیامت تری مستانہ ادا میں
چھوڑا ہے شگوفہ یہ نیا ناز و ادا میں
شرمائی ہوئی چتونوں پر اُسکی نہ جانا
بیمارِ محبت نے کبھی منہ نہ لگایا
اس ڈر سے وہ پامال نہیں کرتے ہیں مجھ کو
کہتی ہے شبِ وصل یہ چتون کی شرارت
جوہر جو تغافل کے ازل میں ہوئے تقسیم
دل ایک خریدار ہیں دو خیر ہو یا رب
کہتا ہے جوانی میں یہ اُس شوخ کا جوبن
مشکل ہے مسیحا کو اب جان بچانا
کسطرح نہ ہو ناز مجھے عجز پر اپنے
آنے کا نکیرین کو رستہ نہیں ملتا
احباب کے ماتم میں کٹی عمر ہماری
عکس آئینے میں اُن سے یہ کہتا ہے کہ اے شوخ
شرماتے ہیں جب وصل میں وہ مجھ سے تو شوخی
مانگی جو دعا میں نے ندا عرش سے آئی

فتنوں نے قدم چوم لیے لغزشِ پا میں
اک شاخ تغافل کی لگا دی ہے جفا میں
شوخی بھی چھپی بیٹھی ہے پہلو سے حیا میں
تاثیر کھلی جاتی ہے اس غم سے دوا میں
ملجائے نہ دل بس کے کہیں رنگِ حنا میں
آج آگ لگا دونگی میں دامانِ حیا میں
کچھ میری قضا میں گئے کچھ تیری ادا میں
چل جائے کہیں آج نہ شوخی و حیا میں
ہمسے نہ رہا جائیگا اس تنگ قبا میں
نکلی ہے قضا چھپ کے حسینوں کی ادا میں
وہ چیز ہے یہ جو نہیں درگاہِ خدا میں
کیا حوروں کے جھرمٹ ہیں مزارِ شہدا میں
ہم ساتھیوں کے رونے کو اُترے تھے سرا میں
پورا ترا شاگرد ہوں میں جور و جفا میں
لے لیتی ہے چٹکی وہیں پہلوئے حیا میں
تاثیریں گئیں سب ترے دشمن کی دعا میں

کیونکر نہ امیر اس سے تر و تازہ ہوں رنج میں
پھولوں کی ہے بو دامن گلچیں کی ہوا میں

قابل عفو میں آلودۂ عصیاں ہو لوں
اے اجل صبر کر اتنا کہ پشیمان ہو لوں

پھر وہی میں ہوں وہی جامہ دری وحشت میں
پہلے واعظ سے ذرا دست و گریبان ہو لوں

پھر کے پتلی نے دم نزع کہا قاتل سے
مرتے مرتے ترے ہاتھوں پہ میں قربان ہو لوں

آنے دیگی مجھے پھر کاہیکو وحشت سوئے شہر
رخصت احباب سے لے شوق بیابان ہو لوں

ابھی لیجل نہ گلستان سے پھنسا کر صیاد
ہمصفیروں میں ذرا رہ کے خوش الحان ہو لوں

مرہم زخم جو لائی وہ زبان شیریں
لب خنداں نے کہا میں نمک افشان ہو لوں

نیمجان کر کے مجھے چھوڑ دے دم بھر قاتل
خاک و خون میں جی کھول کے غلطان ہو لوں

قدر راحت کی پس رنج ہے دنیا میں امیر
تب چلوں باغ کو جب قیدی زندان ہو لوں

باعث تڑپ کا شوخ ستمگر سے کیا کہیں
دل تو ہی کچھ بتا دے کہ دلبر سے کیا کہیں

اُس بت کے جور خالق اکبر سے کیا کہیں
آپس کی چھیڑ داور محشر سے کیا کہیں

غم نے ترے نچوڑ لیا سر سے پاؤں تک
رگ رگ پکارتی ہے کہ نشتر سے کیا کہیں

شرم آتی ہے گناہوں سے اے پردہ پوش خلق
محشر میں جا کے شافع محشر سے کیا کہیں

خالق ہی جب نہ دے تو گلہ آسمان سے کیا
ساقی نہ منہ لگائے تو ساغر سے کیا کہیں

واقف دلوں کے بھید سے ہے آفریدگار
آئینے اپنا حال سکندر سے کیا کہیں

بگڑا ہوا وہ آپ ہے اس کا قصور کیا
بگڑیں بھی ہم اگر تو مقدر سے کیا کہیں

سارے بدن میں اب تو لہو بوند بھر نہیں
سوکھی زبان دکھائے تو خنجر سے کیا کہیں

ٹھہرا ہے روز حشر پہ دیدار یار کا
اللہ حشر تک دل مضطر سے کیا کہیں

دل پیچ و تاب میں ہے تو قسمت کے پیچ سے
وہ بے خطا ہے زلف معنبر سے کیا کہیں

ملتا نہیں مکان سے تا لامکاں پتا
ہم کیا ہوئے نکل کے ترے گھر سے کیا کہیں

کہنے کی بات ہو تو کسی سے کہے کوئی
دل تم نے لے لیا ہے یہ دلبر سے کیا کہیں

کعبہ نشیں سُنے تو کہیں اُس سے دردِ دل
کعبے میں اینٹ چھونے سے پتھر سے کیا کہیں

قسمت سے سامنا کبھی ہوتا بھی ہے اگر
پہروں ہی سوچتے ہیں کہ دلبر سے کیا کہیں

پیاسے شرابِ وصل کے ہیں ہم تو اے امیر
شرم آتی ہے کہ ساقیِ کوثر سے کیا کہیں

محبت کے جو داغ ڈالے ہوئے ہیں
ابھر کر وہی دل میں چھالے ہوئے ہیں

یہ بُت سب مرے دیکھے بھالے ہوئے ہیں
تصور کے سانچے میں ڈھالے ہوئے ہیں

خوشامد جو کی میں نے جوبن کی بولا
ارے بار ہم بھی نکالے ہوئے ہیں

شکر بے نیازی سے تو خونِ ارمان
کہ سب تیرے نازونکے پالے ہوئے ہیں

کبھی خون سودائیوں کا گرا تھا
اچھل کر وہی قطرے لالے ہوئے ہیں

ہرن کہتے ہیں غصے میں آنکھیں تمہاری
یہ دو شیر آنکھیں نکالے ہوئے ہیں

بلا کا بلا نوش ہے دل ہمارا
غمِ دو جہاں دو نوالے ہوئے ہیں

زمانہ قضا کے حوالے ہے اور ہم
تمہاری ادا کے حوالے ہوئے ہیں

بتوں کا تصور جو ان کو نہیں ہے
تو بُت کیوں یہ اللہ والے ہوئے ہیں

گراتے ہیں کیا بجلیاں بھر کے سسکی
تڑپ کر وہ تڑپانے والے ہوئے ہیں

یوہیں توڑنیوالے کے ہاتھ ٹوٹیں
بہت دل شکستہ پیالے ہوئے ہیں

لپیٹے ہیں چوٹی میں بار اُس پری نے
جو کالے تھے اب کوڑیالے ہوئے ہیں

جو آنا ہے تو نزع میں جلد آؤ
سنبھالے ابھی کچھ سنبھالے ہوئے ہیں

یہ مختی کو چہ گردی نہ صحرا نوردی
یہ رستے ہمارے نکالے ہوئے ہیں

پیالے کہاں وصل کے میکدے میں
کفِ دستِ ساقی پیالے ہوئے ہیں

یہ لپٹے ہیں گیسو کہ اے بُت کنہیا
کمر میں تری ہاتھ ڈالے ہوئے ہیں

چھپی ہے دلہن بن کے کیا تیغ قاتل
عروسِ اجل کے یہ چالے ہوئے ہیں

امیر ایسے روتے ہیں ہم میکدے میں
لہو سے لبالب پیالے ہوئے ہیں

ستارے مسّے دیکھے بھالے ہوئے ہیں
یہ سب گیند اُنکے اُچھالے ہوئے ہیں

یہ موئے مژہ بھی ہیں جادو کے پُتلے
کہ جب دل میں آئے ہیں بھالے ہوئے ہیں

مرا ضبط کہتا ہے مجھ سے کہ کہہ دو
اُٹھے درد ہم دل سنبھالے ہوئے ہیں

یہ تلواریں کس کے گلے پر چلیں گی
کہ بل تیوریوں پر وہ ڈالے ہوئے ہیں

اِدھر ضعف اُدھر ضبط تڑپوں میں کیونکر
یہ شہ زور دونوں سنبھالے ہوئے ہیں

اِدھر یار سے ہم اُدھر آسمان پر
اثر سے ہم آغوش نالے ہوئے ہیں

زہے ضبط سینے میں دم گھٹ رہا ہے
مگر دل ہم اب تک سنبھالے ہوئے ہیں

ہرن چوٹ کرتے ہیں شیر ان پہ دیکھو
حسین ہم پہ آنکھیں نکالے ہوئے ہیں

عجب بیخودی صحبت وصل میں ہے
وہ ہم کو ہم اُن کو سنبھالے ہوئے ہیں

چمن میں یہ پھولوں نے کیا گل کھلایا
کہ بلبل کو جینے کے لالے ہوئے ہیں

الٰہی یہ کس کے لہو کے ہیں پیاسے
کہ خنجر زبانیں نکالے ہوئے ہیں

کوئی کیچلی میں ہے ناگن کہ یارب
وہ لچکے کا موباف ڈالے ہوئے ہیں

سُنا ہے جو بے آب دشتِ جنوں کو
تو چھاگل لیے ساتھ چھالے ہوئے ہیں

جگر دل کو دل روکتا ہے جگر کو
یہ بسمل کو بسمل سنبھالے ہوئے ہیں

پئیں شیخ جی بیدھڑک ان میں پانی
یہ سب جام مے سے کھنگالے ہوئے ہیں

ہوا میں عجب حسن ہے گیسوؤں کا
پری اُڑ کے پردار کالے ہوئے ہیں

امیر ان سے کیا کیا لپٹتے ہیں شب بھر

رقابت میں یکتا و دو شالے ہوئے ہیں

ذرا چلمن تک آئیں گھر میں وہ کیا بنکے بیٹھے ہیں
ہزاروں سر بکف مشتاق اک چتون کے بیٹھے ہیں

اٹھیں وہ مجمعِ اغیار میں کیا بنکے بیٹھے ہیں
وہاں دشمن ہی سب اُٹھتے ہوئے جو بنکے بیٹھے ہیں

عجب ساعت ہے کیا کیا نئے گھر بنکے بیٹھے ہیں
کہیں بھادوں کے فریادی کہیں ساون کے بیٹھے ہیں

ملا کر خاک میں بھی ہائے شرم اُن کی نہیں جاتی
نگہ نیچی کیے وہ سامنے مدفن کے بیٹھے ہیں

ہمارے دوست کے پہلو میں جب بیٹھا ہو وہ جمکر
تو خنجر کی طرح پہلو میں ہم دشمن کے بیٹھے ہیں

نمودِ حُسن دُونی ہو گئی ہے خود نمائی سے
اُبھر آیا ہے جوبن اور جب وہ تنکے بیٹھے ہیں

بگاڑینگے ہزاروں گھر بناوٹ کی اداؤں سے
بنالیں گے بہت کچھ آج وہ پھر بنکے بیٹھے ہیں

وہ میرا مال لیکر کیا مرے دشمن کو دیدینگے
مرا دل لیکے کیوں پہلو میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں

کسی کو تو نے تاکا چوٹ آئی میرے ہی دل پر
نشانے ہی پہ سب ناوک تری چتون کے بیٹھے ہیں

اڑا لیجاتے ہیں عاشق کے دلکو سینہ زوری سے
غضب کے دو اُچکے بھیس میں جو بنکے بیٹھے ہیں

نگاہِ شوق ایسی پردہ در ہے کچھ نہیں کھُلتا
کہ چلمن کے اِدھر یا وہ اُدھر چلمن کے بیٹھے ہیں

تری دھن میں جو آیا آفتابِ حشر بھی سر پر
تو ہم سمجھے کہ سائے میں ترے دامن کے بیٹھے ہیں

علاقہ میرے دشمن سے نہیں جاتا نہیں جاتا
نہیں دشمن تو اب وہ سوگ میں دشمن کے بیٹھے ہیں

یہ کہتے آئنہ خانے سے اُٹھ بھاگے وہ گھبرا کر
یہاں سب لوٹنے والے مرے جو بنکے بیٹھے ہیں

رہے ہیں وصل میں کیا کیا نیاز و ناز کے جھگڑے
کبھی ہم روٹھ کر اُٹھے کبھی وہ من کے بیٹھے ہیں

دکھاتے ہیں عدم کی راہ اُن کے مردمِ دیدہ
حقیقت میں ہیں رہبر بھیس میں رہزن کے بیٹھے ہیں

بگڑ کر جب وہ اُٹھے ہیں تو دل بیٹھے ہیں لاکھوں کے
ہزاروں فتنے اُٹھے ہیں جہاں وہ بنکے بیٹھے ہیں

بڑے ہی قدرداں کانٹے ہیں صحرائے محبت کے
کہیں گاہک گریباں کے کہیں دامن کے بیٹھے ہیں

ترے دروازے پر غنچہ نہیں نظارہ بازوں کا
یہ گلچیں پھول چننے کو ترے گلشن کے بیٹھے ہیں

چھڑانا جان کا مشکل ہے کانٹوں سے علائق کے
یہاں سب کھینچنے والے مرے دامن کے بیٹھے ہیں

کبھی اُبھرے ہوئے اُن جوبنوں پر یہ نئی پھبتی
کہ دو مالی پہ دو غنچے لیے سوسن کے بیٹھے ہیں

امیر آتی ہے مجھ کو شرم اس محفل میں کچھ پڑھتے
کہ میں ناقص ہوں اور کامل یہاں ہر فن کے بیٹھے ہیں

وہ دل کی تاک میں جب شوق سے بن ٹھن کے بیٹھے ہیں
تو سو غمزوں سے دل پر تیر اُس چتون کے بیٹھے ہیں

اُدھر ہے عکس اِدھر وہ دونوں بانکے بنکے بیٹھے ہیں
غضب جوبن ہے وہ دو گز تو لے تنکے بیٹھے ہیں

یہ آہو چشم جتنے کھڑکیوں میں بن کے بیٹھے ہیں
وہ سب مارے ہوئے ظالم تری چتون کے بیٹھے ہیں

وہ آمادہ سنورنے پر ہم آمادہ ہیں مرنے پر
اُدھر وہ بنکے بیٹھے ہیں اِدھر ہم تنکے بیٹھے ہیں

عداوت ہم سے کی جاتی ہے پردے میں محبت کے
اُٹھا کر ہم کو خود وہ سامنے دشمن کے بیٹھے ہیں

اذیت سے نہیں خالی کوئی فصل اپنا فرقت میں
اُٹھے ہیں درد بنکر نقشِ حسرت بن کے بیٹھے ہیں

یہ کیا بیہودہ فرمائش ہے اُس سے اے دلِ ناداں
بھلا پردہ نشیں باہر کہیں چلمن کے بیٹھے ہیں

اشارہ کرکے آئینے کی جانب کہتے ہیں مجھ سے
وہ دیکھو دیکھنے والے مرے جوبن کے بیٹھے ہیں

جو میرا دل دکھاتا ہے مرے پہلو میں آ بیٹھیں
الگ پھر مجھ سے کیوں پہلو میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں

وہ کہتے ہیں اِدھر عاشق اُدھر عاشق کدھر جاؤں
وہ طرفہ کھینچنے والے مرے دامن کے بیٹھے ہیں

پڑی ہے آنکھ تیری بھی تو رونا مجھ کو آیا ہے
تری محفل میں ہم تصویرِ حسرت بنکے بیٹھے ہیں

وہی انصاف سے کہدیں کہ ہے کس کی جگہ اچھی
بغل میں ان کی ہم پہلو میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں

بھلا بے پردہ کوئی جلوہ اُس کا دیکھ سکتا ہے
یہ کیا کم ہے کہ ہم نزدیک اُس چلمن کے بیٹھے ہیں

وہ آئینے میں پیاری شکل اپنی دیکھ کر بولے
کہ یہ ہیں کون میرے گھر میں جو بن ٹھن کے بیٹھے ہیں

دل آغازِ شباب عمر کے بھولے مزے کیونکر
جوانی کے وہ سکے نقش ہیں بچپن کے بیٹھے ہیں

وہ رُخ غارتگرِ جان ہے تو خطِ سبز پھر کیسا
تماشا ہے کہ خضر آغوش میں نو سر بنکے بیٹھے ہیں

لگے چھکا نہ آہِ آتشیں کا دل دہلتا ہے
وہ رکھ کر ہاتھ پتھر پر مرے مدفن کے بیٹھے ہیں

نکال ان کو جو غیرت ہو کہ اے قاتل ترے ارمان
ترے کشتے کی تربت مجاور بن کے بیٹھے ہیں

نہیں اے ماہ وش یہ آسمان پر جا بجا تارے
یہ کیا بے وقت کی لے حضرتِ دل آپکو سوجھی
گڑی منزل ہر بوڑھو نکی جو موت آئے تو یہ ٹلے ہو

پتنگے کچھ تری شمعِ رُخِ روشن کے بیٹھے ہیں
اُٹھے ہیں روٹھ کر آپ جب وہ منکے بیٹھے ہیں
تھکے ماندے مسافر منتظر رہزنکے بیٹھے ہیں

امیر اچھی غزل ہے داغ کی جس کا یہ مصرع ہے
بھویں تنتی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تنکے بیٹھے ہیں

مفت وہ کس کی جان لیتے ہیں — دے کے مُنہ میں زبان لیتے ہیں
آزمایش میں جان لیتے ہیں — خوب آپ امتحان لیتے ہیں
ناتوانی سے ہم حسینوں میں — چھانٹ کر دھان پان لیتے ہیں
فقرے فقرے میں دل پہ ہیں چوٹیں — باتوں باتوں میں جان لیتے ہیں
وصل میں کچھ نہیں نہیں ہی نہیں — مانتے ہیں تو مان لیتے ہیں
پیر ہوتے ہیں جو شباب کے بعد — تیر دے کر کمان لیتے ہیں
طعنے دیتے ہیں عشق میں بے مہر — چٹکیاں مہربان لیتے ہیں
سوزِ دل اُس پری سے کہنے کو — شمع سے ہم زبان لیتے ہیں
دخترِ رز کی جو بات آتی ہے — مغبچے خوب چھان لیتے ہیں
کس سے سیکھے ہیں ظلم پوچھو تو — کس کا نام آسمان لیتے ہیں
سانڈے مستوں کے مفت میں قاضی — دخترِ رز کو سان لیتے ہیں
لبِ میگوں و خطِ سبز کے مست — مے ہیں سبزی کبھی چھان لیتے ہیں
ہر قدم پر برنگِ نقشِ قدم — دم ترے ناتوان لیتے ہیں
وصل میں بھی جھجک نہیں جاتی — پھیر کر منہ وہ پان لیتے ہیں
کیوں سراپا نہ جان ہوں معشوق — سارے عالم کی جان لیتے ہیں
میکشوں کو عروجِ مستی میں — ہاتھوں ہاتھ آسمان لیتے ہیں

ہم سند کے لئے نعت میں امیر
فصحا کی زبان لیتے ہیں

وصل میں یوں وہ جان لیتے ہیں
ضبط کا امتحان لیتے ہیں

دل کو تو لیتے ہیں جان اچھ کے پھر
بنکے انجان جان لیتے ہیں

دل بچے کس طرح حسینوں سے
ملکے سب چھین چھان لیتے ہیں

ہنسیں ساقی پہ قلقل مینا
ہچکیاں نیم جان لیتے ہیں

میں جو ہم بات پر ہیں سو سو عذر
غیر کی خوب مان لیتے ہیں

ہو کے برباد تیرے خانہ خراب
لامکاں میں مکان لیتے ہیں

ہائے کیا دلبری کی ہیں گھاتیں
دم دلاسے میں جان لیتے ہیں

یہ ملا اوج خاکساری سے
کہ قدم آسمان لیتے ہیں

نقد دل دیکے مصر حسن سے ہم
کیا جگیلا جوان لیتے ہیں

چھوڑتے ہیں وہ سینے میں پیکاں
دلدہی کر کے جان لیتے ہیں

ہر گلوری پہ چھیڑ ہے شب وصل
ہم یہ رخصت کا پان لیتے ہیں

وہیں زخم چوسنے میں وہ تیغ
کیا مزے بے زبان لیتے ہیں

پھیروں دل نہیں جو ان کو پسند
کیوں ستمزدوں کی جان لیتے ہیں

چوم کر خط و رخ کو اس گل سے
گل لئے ہم پھول پان لیتے ہیں

مردم دیدہ پہلے گرد نظر
سات پردوں میں چھان لیتے ہیں

تب مزہ دیکھ بھال کا تیری
دور سے میری جان لیتے ہیں

تنگ کر دل مرا کہ کہ امیر
ہم تو ایسا جوان لیتے ہیں

غش میں گر لکھوں زلف سنگھاتے ہی نہیں
جاتے جاتے ہم آپ میں آتے ہی نہیں

بُت بنے بیٹھے ہیں کچھ بات بتاتے بھی نہیں
اور یہ غصہ کہ میں روٹھا تو مناتے بھی نہیں

کچھ وفا کچھ ہے حیا جان ہے کس مشکل میں
دل سے جاتے بھی نہیں آنکھوں میں آتے بھی نہیں

نیمجان کرکے مجھے سر پہ کھڑے ہیں چُپکے
ہاتھ اُٹھاتے بھی نہیں ہاتھ لگاتے بھی نہیں

روٹھنا روز کا ٹھہرا ہے تو یہ سُن رکھیے
روز کے روٹھنے والے کو مناتے بھی نہیں

آگے آئینے کے بیٹھے ہیں جُھکائے آنکھیں
چوٹ کھاتے بھی نہیں چوٹ لگاتے بھی نہیں

اپنے پہلو میں بٹھاتے نہیں عاشق کو مگر
بیٹھ جائے تو مروت سے اُٹھاتے بھی نہیں

اُن نگاہوں سے جوانی میں حیا کہتی ہے
جاؤ اب پردے میں ہم تم کو بٹھاتے بھی نہیں

نکلے ہی پڑتے ہیں محرم سے اُچکے دیکھو
شرم کی بات ہے تم اُن کو دباتے بھی نہیں

جی دھڑکتا ہے کہ چوری نہ ہو دل کی ثابت
منہ سے انکار بھی ہے آنکھ ملاتے بھی نہیں

پرسشِ حشر میں چوکے تو وہ مجھ سے بولے
تم کھڑے دیکھتے ہو اور بتاتے بھی نہیں

ہیچ ہیں حور و پری لیلیٰ و شیریں کیسی
ایسے ویسوں کو تو وہ دھیان میں لاتے بھی نہیں

ہنس ہی دیں دیکھ کے رونا نہ کریں ہمدردی
مجھ کو رونا تو یہی ہے کہ رُلاتے بھی نہیں

آکے تربت پہ مری کہتے ہیں لو اُٹھ بیٹھو
اب تو مدت ہوئی ہم تم کو ستاتے بھی نہیں

پھیر دو دل جو نہیں دیتے ہو بوسہ یہ کیا
مال پر لوٹ بھی ہو دام لگاتے بھی نہیں

ناز کہتا ہے کہ جان اُسکی ہو تم جی نہ اُٹھے
مارے اس ڈر کے جنازے پہ وہ آتے بھی نہیں

زاہد و حق تو یہ ہے تم ہو بڑے بے توفیق
اپنے مہمان کو دو گھونٹ پلاتے بھی نہیں

جب سے عاشق کے ہوئے پھول پہننا کیسا
کپڑے وسواس سے پھولوں میں دباتے بھی نہیں

لطف مرنے کا دکھائیں کسے فرقت میں امیر
نہیں آتے وہ تو ہم جان سے جاتے بھی نہیں

اے خوشا غم ہوئی اُلجھن جو سرِ مو دل میں
بڑھتے بڑھتے وہی آخر ہوئی گیسو دل میں

انکھڑیاں تیری ہیں نظروں میں مری تیغ دل میں
سیر ہے آنکھوں میں پریاں ہیں پری رو دل میں

واہ اب ڈالیگا خالِ تہ ابرو دل میں
جال لائے ہیں چھپانے کو وہ گیسو دل میں

ضعف ایسا ہے کہ آیا مجھے غش جب آیا
کوئی پہلو کے بدلنے کا بھی پہلو دل میں

گرمیاں کر کے رُلاتے ہو مجھے یاد رہے
چھالے ڈالینگے یہ جلتے ہوئے آنسو دل میں

جوڑ پورا دلِ صد چاک کا ہوا چھا ہے
ساتھ شانے کو بھی لے آئیں وہ گیسو دل میں

ہجر میں ہوش نہیں صبر نہیں تاب نہیں
اٹھ بھی اے دردِ دل اب کیوں ہے پڑا تو دل میں

کرتی ہے آنکھ تری داغِ محبت پیدا
گُل کھلاتی ہے تری نرگسِ جادو دل میں

طرفہ سانچا ہے غم و دردِ محبت جس سے
ڈھلتے ہیں آٹھ پہر موتی سے آنسو دل میں

ہو گئے مست سب اُٹھی جو ترے رُخ سے نقاب
رنگ اس پھول کا آنکھوں میں گیا بُو دل میں

ہے نگہ تیر ادا تیرِ بلا تیرِ قضا
دل ہے پہلو میں مرے تیر سہ پہلو دل میں

ناوکِ ناز ہے آواز تری چھاگل کی
اے پری بن گئے پیکاں ترے گھنگرو دل میں

کرتے ہیں اپنے تصور کے مکاں کی زینت
دو دو آئینے لیے آئے ہیں زانو دل میں

دل سے جلتی ہوئی آنکھوں نے جو مانگا پانی
ضبطِ اُلفت نے کہا قید ہیں آنسو دل میں

کھینچکر سرمے کا دنبالہ دکھائی مجھے آنکھ
پھر گئی کوکبِ دُمدار کی جھاڑو دل میں

ناز انداز ادا غمزہ کرشمہ شوخی
لیکے آیا ہے پریخانہ پری رو دل میں

کہتے ہیں تیر و کماں دونوں ہیں میرے پاس
جھوٹی باتیں ہیں نہ مژگان ہے نہ ابرو دل میں

اب خدا حافظ و ناصر ہے مرے ارمانوں کا
پھانسیاں لیتے ہوئے آئے ہیں گیسو دل میں

پڑ گئی جان جو آیا تری افشاں کا خیال
سارے آہوں کے شرر بنگئے جگنو دل میں

ناوکِ ناز و ادا کا ترے اللہ رے ادب
حسرتیں جتنی ہیں بیٹھی ہیں دو زانو دل میں

کونسی چیز ہے معشوق کو عاشق سی عزیز
مژہ دل میں ہے نگہ دل میں ہے ابرو دل میں

آنکھ اُس آنکھ سے دیکھو نہ مقابل ہو امیر
اسی کھڑکی سے اُتر آتا ہے جادو دل میں

طرفہ آیا ہے پہنچنے کا یہ پہلو دل میں
تیر جاتے ہیں چھری بن کے وہ ابرو دل میں

چھوٹے موتی جو سمجھتا ہے انہیں تو دل میں
اور اس غم سے گھلے جاتے ہیں آنسو دل میں

غمزہ اُس شوخ سے کہتا ہے ادا سے اسکی
چٹکیاں لوں میں کلیجے میں تو لے تو دل میں

حکم ہے ضبطِ محبت کا کہ ہو راز نہ فاش
آ گئے آنکھوں میں پلٹ جاتے ہیں آنسو دل میں

شوخی اُس شوخ کی آنکھوں کے تصور میں بھی ہے
بھرتے ہیں چوکڑیاں آکے یہ آہو دل میں

ڈیوڑھی سے شاہ نشیں تک ہے مہک پھولوں کی
آنکھوں میں وہ گلِ رخسار ہوں خوشبو دل میں

سلسلہ دیکھنے اشکوں کا یہاں آ بیٹھو
خوب آتی ہے نظر سیر لب جو دل میں

خالی معشوق سے عشاق کہیں رہتے ہیں
دھیان تیرا ہے جو اے یار نہیں تو دل میں

سرو گلزار سے فردوس سے طوبیٰ اکھڑے
پر جما ہی رہے وہ قامتِ دلجو دل میں

طفلِ اشک اُٹھ گئے جو دوڑیں تو سنبھالے اُنکو
اب تو اتنا بھی نہیں ضعف سے قابو دل میں

ہو چکا حسرت و ارماں کا تو خون اے قاتل
کس پر اب کھنچے ہیں چھریاں ترے ابرو دل میں

نکل اے یاس کہ ہے وصل میں ارماں کا ہجوم
اب جگہ اتنی نہیں ہے کہ رہے تو دل میں

ایک ایک ان میں شرارہ تھا جہنم کا امیر
آگ لگ جاتی جو رہ جاتے یہ آنسو دل میں

وہ رُخ و زلف نہ تڑپائیں یہ ممکن ہی نہیں
ہائے راتیں بھی قیامت ہیں فقط دن ہی نہیں

رنگ پیری میں جوانی کے ہوں ممکن ہی نہیں
پھولنے پھلنے کی اب دن ہی نہیں سن ہی نہیں

دیکھیے محکمۂ حسن سے کیونکر ہو نجات
مجرمِ عشق ہوں میرا کوئی ضامن ہی نہیں

جذبِ دل اُن سے یہ کہتا ہے کہ اب کیوں آئے
تم تو کہتے تھے کہ آنا مرا ممکن ہی نہیں

یوں تو سلجھے گا نہ الجھا ہوا برسوں کا حساب
سہل سا گر میں بتا دوں تجھے تو گن ہی نہیں

سادگی میں مرے محبوب کی ہے لاکھ بناؤ
سُرمے مسّی سے سنورنے کے ابھی دن ہی نہیں

اُن سے مطلب کی کہی بات تو ہنسکر بولے
بات وہ کہیے جو ممکن ہو یہ ممکن ہی نہیں

دارِ فانی میں پتا اُس کا میں کس سے پوچھوں
سب ہیں پردیسی یہاں کا کوئی ساکن ہی نہیں

میرے آغوش میں آنے کو جو وہ اُٹھتے ہیں
نازکی کہتی ہے بیٹھو بھی یہ ممکن ہی نہیں

نالہ کش دل کو نہ دیکھا تو وہ کافر بولا
اچھی مسجد ہے جہاں کوئی مؤذن ہی نہیں

جب کہا میں نے کہ اب رحم ہے واجب بولے
آپ واجب کہیں یا فرض یہ ممکن ہی نہیں

اے صنم وصل میں کیا قید کہ ٹھہرے کس دن
سب دن اللہ کے ہیں کوئی بُرا دن ہی نہیں

وہ جفا کو ابھی جانیں نہ وفا کو سمجھیں
بارھویں سال کا آغاز ہے کچھ سن ہی نہیں

تیغِ قاتل ہے کھچی مجھ سے اجل روٹھی ہے
کس کا احسان اُٹھاؤں کوئی محسن ہی نہیں

غیر کے پاس سے اُٹھ کر جو میں اُن سے لپٹا
بولے پریاں بھی بنی آگ کی ہیں جن ہی نہیں

اُن سے ہے وصل کی درخواست وہ جب چاہیں کہیں
غمزہ کیوں بیچ میں بول اُٹھتا ہے ممکن ہی نہیں

صنعتِ کاتبِ قدرت ہیں رخ و خط دونوں
وہی اس متن کا شارح بھی ہے باتن ہی نہیں

بے جگہ شام ہوئی جاتی ہے جنگل میں امیر
ہائے کیا پہنچیں گے منزل پہ کہ اب دن ہی نہیں

ردیفِ واؤ

اُلفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو
ہر بات میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو

ہم تم ہوں شبِ وصل اکیلے تو مزا ہو
ہم سے ہو ادب دور حیا تم سے جُدا ہو

آئے جو مری لاش پہ وہ طنز سے بولے
اب میں ہوں خفا تم سے کہ تم مجھ سے خفا ہو

جو اُن سے ادا ہوتی ہے کہتا ہے مرا دل
اس پردے میں اللہ کرے میری قضا ہو

مہمان چمن آج ہے مہ سیدا گُلِ نازک
کہدو کہ دبے پاؤں رواں بادِ صبا ہو

گھبرا کے وہ بولے جو سُنا شورِ قیامت
دیکھو مرے عاشق کا جنازہ نہ اُٹھا ہو

آئے جو دمِ نزع کہا ہنس کے سدھارو
پریوں کو تو چاہا بہت اب حور و نکو چاہو

کیا شوق تھا عرفہ سے قیامت میں میں پہنچا
کہتا ہوا اب وعدۂ دیدار وفا ہو

جھنجلا کے سزا دیں وہ مجھے ہاتھ سے اپنے
ایسی کوئی اے دل جو خطا ہو تو مزا ہو

ہر رنگ میں ہے یار نیا رنگ تمہارا
بے پردہ جو شوخی ہو تو در پردہ حیا ہو

وحشت کو مری ساتھ مرے دفن نہ کرنا
گھر خانہ خرابی کا مرے گھر سے جدا ہو

تو صورتِ دریا ہے حبابِ اہلِ جہاں ہیں
تیرا ہے تری راہ میں سر جس کا فدا ہو

ہنس ہنس کے چھری پھیر گلے پر مرے قاتل
آخر کی تڑپ ہے یہ کچھ اس میں تو مزا ہو

نیرنگیِ حسن اُن کی یہ کہتی ہے شبِ وصل
چتون میں شرارت ہو تو آنکھوں میں حیا ہو

رحم اس دل پر داغ پر اے الفتِ مژگاں
کانٹوں میں نہ کھینچ اُسکو جو پھولوں میں تُلا ہو

اس وہم سے گندھوانے ہیں چوٹی کے وہ جھجکے
مشاطہ کا بہروپ نہ عاشق نے بھرا ہو

اُٹھ جاتے ہیں محفل سے جو ہو جاتی ہے گُل شمع
ڈرتے ہیں کہ مجھ سے نہ ملی بادِ صبا ہو

کیا ربط ہے سینے سے کھنچے تیر تو پیکاں
ناوک سے جُدا ہو مرے دل سے نہ جدا ہو

لایا مہِ نو بدر کا آئینہ بغل میں
اتنا بھی نہ اپنا کوئی مشتاق لقا ہو

کیا ہاتھ میں درکار امیر اُن کو ہے مہندی
چھو لیں گُلِ عارض تو وہی رنگِ حنا ہو

بولے وہ آئے جو ناصح مرے سمجھانے کو
کون ہو تم نہ ستاؤ مرے دیوانے کو

گھر سے ہم نکلے تھے مسجد کی طرف جانے کو
رند بہکا کے ہمیں لے گئے میخانے کو

تو نے کمبخت کبھی پی ہی نہیں کیا تجھے قدر
محتسب دیکھ مری آنکھ سے پیمانے کو

زلفیں اتنی نہ بڑھا ہے وہ بہت زار و نحیف
بیڑیاں چاہییے ہلکی ترے دیوانے کو

یہ زبان چلتی ہے ناصح کہ چھری چلتی ہے
ذبح کرنے مجھے آیا ہے کہ سمجھانے کو

ہٹ گئی عارضِ روشن سے تمہارے جو نقاب
رات بھر شمع سے نفرت رہی پروانے کو

شمع دولت ہے جہاں آپ ہی آ رہتے ہیں لوگ
بزم میں کون طلب کرتا ہے پروانے کو

چشمِ ساقی کی ادا نے مجھے مے نوش کیا
دخترِ رز آ کے لگا لیگئی میخانے کو

مے کہاں فرقتِ ساقی میں میسّر ہم کو رکھ کے ہم سینے پہ سو رہتے ہیں پیمانے کو
گور میں آئے نکیریں تو میں یہ سمجھا ناصح آ پہنچے یہاں بھی مرا سر کھانے کو
شورِ ہُو حق ہے یہاں بڑھ کے وہاں سے زاہد اپنی مسجد سے لڑا لے مرے میخانے کو
آج کچھ اور بھی پی لوں کہ سُنا ہے میں نے آتے ہیں حضرتِ واعظ مرے سمجھانے کو
باغباں ہاتھ لگاتا نہیں پھولوں کو ترے آنکلتا ہوں کبھی دل کے میں بہلانے کو
وہ کہاں دن کہ رہا کرتا تھا دَورِ ساغر آنکھ بھر آتی ہے اب دیکھ کے پیمانے کو
رات دن خال و خط و زلف کا رہتا ہے خیال گھیرے رہتی ہیں بلائیں ترے دیوانے کو

جا بجا گل نہیں چھلّے کے بدن پر یہ امیر
کیاریاں پھولوں کی ہیں جی مرا بہلانے کو

بولے وہ میں نے کہا جی کے جو بہلانے کو مُنہ لگاتے نہیں دشمن مرے دیوانے کو
ساقیا دخترِ رز کا تو بڑا رتبہ ہے بے وضو میں کبھی چھوتا نہیں پیمانے کو
موے مژگاں یہ نہیں گرد تری آنکھوں کے غول پریوں کے ہیں گھیرے ہوئے میخانے کو
چھیڑ ہر بات میں اچھی نہیں یہ اے ناصح چٹکیاں لینے کو آیا ہے کہ سمجھانے کو
دل میں تیرا جو تصور ہے تو اے رشکِ پری دیکھنے آتی ہیں پریاں ترے دیوانے کو
بے ادب جل کے جو لپٹا تو سزا بھی پائی آگ میں پھونک دیا شمع نے پروانے کو
مے پلانے کو جو ہوتی ہے رقیبوں کی طلب زہر تھوڑا سا عنایت ہو مجھے کھانے کو
آ گئے نزع میں تم راہِ سفر کی کھوٹی رک رہے تھم گئے تیار تھے ہم جانے کو
بختِ واژوں کو کرا اے ساقی دوران سیدھا کیا کروں لیکے میں اُلٹے ہوئے پیمانے کو
خوانِ الفت میں وہ ہے کونسی نعمت جو نہیں خونِ دل پینے کو ہے لختِ جگر کھانے کو
میری آتش قدمی سے نہیں واقف حدّاد بھون ڈالے گی یہ زنجیر کے ہر دانے کو
بجلیاں جان پہ توبہ کی گرانے کے لیے بدلیاں گھیرے ہوئے ہیں مرے میخانے کو

اب خدا چاہے تو مقتل میں اُٹھیں خوب مزے
برق دم تیغ ہوئی ہے مرے تڑپانے کو

واعظو تم جسے سمجھے ہو سحاب رحمت
لے اُڑی ہے یہ صبا دو شبہ میخانے کو

یار کو محفلِ خوباں سے اُڑا لائے امیر
لیچلے لُوٹ کے ہم آج پریخانے کو

صدقے میں مرغ دل کو ہمارے رہا کرو
تم بادشاہِ حُسن ہو اس کو ہُما کرو

عصمت یہ اُن سے کہتی ہے اب تم چھپا کرو
نامِ خُدا جوان ہوئے ہو حیا کرو

چلتے ہو ساتھ میرے جنازے کے ہے یہ خوف
ایسا نہ ہو لحد پہ قیامت بپا کرو

شوخی یہ ہے کہ دیکے وہ عاشق کو گالیاں
کہتے ہیں شاہ جی مرے حق میں دعا کرو

لو ہم تو آگے جاتے ہیں صحرائے عشق میں
یارو تم اپنے پاؤں سے کانٹے چنا کرو

جب پوچھتا ہوں میں کوئی تدبیر وصل کی
کہتے ہیں بُت کہ اپنے خدا سے دعا کرو

پردے میں تم ہو اُس پہ یہ عالم ہے حُسن کا
پردے سے باہر آؤ تو کیا جانے کیا کرو

ہم مانگتے ہیں بوسہ تو جُھنجلا کے بار زبان
کہتا ہے اپنے منہ سے جو چاہو بکا کرو

کیا روٹھتے ہو عکس سے آئینہ دیکھ کر
اپنی طرف خیال تم اے مہ لقا کرو

جب پوچھتا ہوں اُن سے دوا دردِ عشق کی
کہتے ہیں پہلے ہوش کی اپنے دوا کرو

مشکل ہے اُس سے حضرتِ دل یوں تو رسم و راہ
پہلے تم اپنے درد سے دل آشنا کرو

کہتے ہیں بزم میں تو تمہارا یہ رنگ ہے
تنہا جو مجھ کو پاؤ تو کیا جانے کیا کرو

کیا قدر ہے فسانۂ اُلفت کی واں امیر
کہتے ہیں ہم سنیں نہ سُنیں تم کہا کرو

اے تیغ یار ملکے گلے سے جدا نہ ہو
اب روٹھنے کا وقت نہیں ہے خفا نہ ہو

وہ کیا خرامِ ناز ہے جو فتنہ زا نہ ہو
وہ فتنہ کیا ہے جس سے قیامت بپا نہ ہو

حسن و وفا کا ساتھ تو اے دل ہوا نہو
معشوق نام اُسی کا ہے جس میں وفا نہو

میری نگاہِ یاس کی اک چوٹ کھا تو لے
بیدرد پھر میں دیکھوں کہ درد آشنا نہ ہو

چٹکا چمن میں غنچہ تو بولا جھجک کے یار
ٹوٹا کہیں مرا ہی یہ بندِ قبا نہ ہو

موسیٰ پڑے ہیں غش میں تڑپتی ہے برقِ طور
پردہ تمہارے رُخ سے کہیں ہٹ گیا نہ ہو

ہنستے ہیں اوچھے زخم تو خوش ہو کے تو بھی ہنس
یہ تو ہنسی کی بات ہے ظالم خفا نہ ہو

اے ضعف اسقدر تو گھلا میرے جسم کو
آئینے میں بھی شکل مری رونما نہ ہو

ہر وار میں نمک کی بھی چٹکی چلی ہی جائے
کس کام کی تڑپ ہے وہ جس میں مزا نہ ہو

حسرت سے دیکھتا ہوں جو اُن کی طرف امیر
کہتے ہیں دیکھو دیکھو کوئی دیکھتا نہ ہو

حکم دربان کا ہے عشاق سے سر کو سر کو
ہائے جائیں یہ کہاں چھوڑ کے تیرے در کو

بدشگونی دمِ رخصت نہ کرو گرم نہ ہو
ٹھنڈے ٹھنڈے مری جان جاؤ سدھارو گھر کو

ہند میں آ کے ہے آئینہ مصاحب اُن کا
مژدہ دے روم میں جا کر کوئی اسکندر کو

تھا وہ پیاسا جو گیا خلد میں دل نے پوچھا
پہلے تسنیم کو پی جاؤں کہ میں کوثر کو

معتکف حجروں میں بن بن کے جو بت بیٹھے ہیں
کیا بلا دیر بنایا ہے خدا کے گھر کو

کون میخوار ہے ذی رتبہ جہاں میں مجھ سا
تاک دیتا ہے کنیزی میں مجھے دختر کو

ناخدا ہے جو خدا پار ہے بیڑا تیرا
پھینک دے توڑ کے کشتی سے الگ لنگر کو

محتسب نے تو کیا دونوں کا خون اے ساقی
روئیں میخوار ترے شیشے کو یا ساغر کو

ملکے بیٹھا میں شبِ وصل تو جھنجلا کے کہا
دم گھٹا جاتا ہے گرمی سے ذرا تو سرکو

پھیر کر گردنِ بسمل پہ جو رُک جاتے ہیں
ذبح کرنے کا سکھاتے ہیں چلن خنجر کو

میری ایذا کا ہے کب وادیٔ وحشت خواہاں
پاؤں سے کہتی ہیں کانٹوں کی زبانیں سر کو

پھیرنا آنکھ کا اچھا نہیں مجھ سے قاتل
پھیر دے اس سے تو گردن پہ مری خنجر کو

اس قدر ہے ادبِ پیرِ مغاں مجھ کو امیر

بے وضو ہاتھ لگاتا نہیں میں ساغر کو

آج وہ چھاؤں میں تاروں کی سدھارے گھر کو
لگ گئی آگ دھندلکے میں ہمارے گھر کو

ہائے برسات کی رُت میں وہ سدھارے گھر کو
پھونکدے پھونکدے اے برق ہمارے گھر کو

کوے قاتل کو چلیں ہم تو عدم کو پہنچیں
راہ جاتی ہے اُدھر ہو کے ہمارے گھر کو

دیکھو کیا ڈھیٹ ہوا ہے یہ دلِ خانہ خراب
پوچھتا تم سے ہے رستے میں تمہارے گھر کو

راہ میخانے کی ہم بھول گئے ہیں زاہد
لے ثواب اُٹھکے جو پہنچادے ہمارے گھر کو

دل جو پھُنک جائے تو ٹھنڈا ہو کلیجہ میرا
خوش ہوں میں آگ لگادے کوئی سارے گھر کو

دیکھوں اب خانہ خرابی مجھے لیجائے کہاں
نکھرا کے تو ہیں آپ سدھارے گھر کو

گھر سے ہم وادیِ وحشت کی طرف چل نکلے
چھوڑ کر خانہ خرابی کے سہارے گھر کو

ڈوبنا دل کا جو اشکوں میں ہمیں یاد آیا
رو دیے دیکھ کے دریا کے کنارے گھر کو

کہتی ہے یادِ وطن مجھ سے نہ روٹھ اب من جا
چھوڑ غربت کو پلٹ چل مرے پیارے گھر کو

میں نے پوچھا جو پتہ گھر کا بگڑ کر بولے
ہم سے پوچھا نہ کرے کوئی ہمارے گھر کو

خانہ بردوش ہیں ایسے کہ بگولے کی طرح
بادِ صرصر لیے پھرتی ہے ہمارے گھر کو

دم نکلتے ہی ہوئی لاش جو ایسی دوبھر
کیا ہوئی ہم سے محبت تھی جو سارے گھر کو

جب اُترتی ہیں فلک سے تو یہیں آتی ہیں
تاک رکھا ہے بلاؤں نے ہمارے گھر کو

کیا خبر تھی کہ گراں ہوگا ہمارا آنا
ہم تو گھر اپنا سمجھتے تھے تمہارے گھر کو

خبر دل کی نہیں افشاں کے تصور میں امیر
ایک دن پھونک ہی دینگے یہ شرارے گھر کو

مسجدوں میں نہ بے محل بیٹھو
زاہدو میکدے میں چل بیٹھو

یارو پڑھتا ہوں غزل بیٹھو
میری باری ہے اب سنبھل بیٹھو

گھر میں مستو نہ آج کل بیٹھو
فصلِ گل ہے چمن میں چل بیٹھو

دیکھو نکلی شہیدِ ناز کی لاش
تم بھی گھر سے ذرا نکل بیٹھو

کہہ رہی ہے یہ سوزنِ ساعت
چلنے والو نہ ایک پل بیٹھو

جب میں اُٹھتا ہوں کوے قاتل سے
روک کہتی ہے اجل بیٹھو

شوقِ دیدار کا تقاضا ہے
حشر میں سب سے پہلے چل بیٹھو

درد کہتا ہے مجھ سے رہ رہ کر
دیکھو اُٹھتا ہوں میں سنبھل بیٹھو

وہ جو اُٹھتے ہیں فتنے کہتے ہیں
ہے تمہیں سے چہل پہل بیٹھو

بزمِ ماتم کسی کی سونی ہے
دو قدم پر تو گھر ہے چل بیٹھو

دیکھو دیکھو وہ آئنہ آیا
چوٹ پڑ جائے گی سنبھل بیٹھو

یادِ احبابِ رفتہ کہتی ہے
کسی تکیے میں اب تو چل بیٹھو

دونوں ہاتھوں سے تھام لو دلکو
آہ کرتا ہوں میں سنبھل بیٹھو

بیقراروں کی دیکھنا ہو جو سیر
کبھی چلمن سے تم نکل بیٹھو

کشتۂ ناز کے ہیں پھول اے جان
جی میں آئے تو تم بھی چل بیٹھو

ہو جو مسجد میں دل گرفتہ امیر
کسی بھٹی پہ کیوں نہ چل بیٹھو

راز توحید کا جو ظاہر ہو
ایک منظور اور ناظر ہو

کوسِ رحلت سے آتی ہے آواز
کہ خبردار اے مسافر ہو

شبِ فرقت دراز ہے دیکھیں
عمر آخر ہو یا یہ آخر ہو

سخت منزل ہے امتحان کی جگہ
ٹھہرے ایوبؑ سا جو صابر ہو

کیا مزہ ہو جو ذبح سے پہلے
پاے قاتل پہ لوٹتا سر ہو

اتنی وابستگی جہاں سے ہے کیا
شہر بیگانہ تم مسافر ہو

اوّلِ عشق میں یہ حالِ امیر

تم تو آغاز ہی میں آخر ہوں

نہ آؤ تم تو مزاج چمن بحال نہو
ہے ایک عمر سے مہمان سے ملال نہو
نکل چلی ہے بہت تیغ ناز دیکھ اے یار
یہ غیر سے ہے محبت کہ میں جو ہوں بیمار
جو اوچھے زخم بھی ہنستے ہیں میں یہ ڈرتا ہوں
یہ چاہتا ہے تحیر کہ دونوں ہوں تصویر
دمِ خرام یہ کہتی ہے پاؤں کی چھاگل
خوشی کی دل میں تمنا بھی کر نہیں سکتا
کرو بناؤ سنوارو تم اپنے گیسو کو
عروسِ مرگ سے بھی میں لپٹ نہیں سکتا
ہٹی جو زلف یہ چہرے کی روشنی پھیلی
ترے مریضِ محبت کو کوئی کیا جانے
یہ ہم کو رہتا ہے اظہارِ دوستی میں بھی خوف
بہت ہوئے ہیں زمانے میں لوگ شادی مرگ

شجر نہال نہو گل کا چہرہ لال نہو
شبِ فراق میں ذکر شبِ وصال نہو
کوئی غریب کہیں بے چھری حلال نہو
وہ دیکھنے کو نہ آئیں جو غیر حال نہو
ہنسی ہنسی میں کسی کو کہیں ملال نہو
اُدھر جواب نہو کچھ ادھر سوال نہو
وہ سرفراز نہیں ہے جو پائمال نہو
خیال ہے ترے غم کو کہیں ملال نہو
پر اس قدر کہ پریشان کسی کا حال نہو
خیال ہے کہ اُنہیں اور کچھ خیال نہو
میں ڈر گیا کہیں صبح شبِ وصال نہو
وہی بتائیگا یہ حال جس میں حال نہو
کہ دشمنوں کو تمہارے کہیں ملال نہو
شبِ وصال ہے اپنا کہیں وصال نہو

نمودِ خطِ رُخِ یار سے ہے خوف امیر
کہ خضر کو بھی کہیں زندگی وبال نہو

مارہی ڈالتے ہیں گیسوؤں والے دل کو
کیسے الفت میں پڑے جان کے لالے دل کو
ہوں میں بیکس کوئی ہمدم ہے نہ غمخوار مرا
تاک کر تیر ہی سینے پہ لگائے ظالم

پیچ پر پیچ ہیں اللہ بچالے دل کو
اس مصیبت سے اب اللہ نکالے دل کو
درد ہی اُٹھ کے سنبھالے تو سنبھالے دل کو
یوں ہی نکلے مری حسرت کہ نکالے دل کو
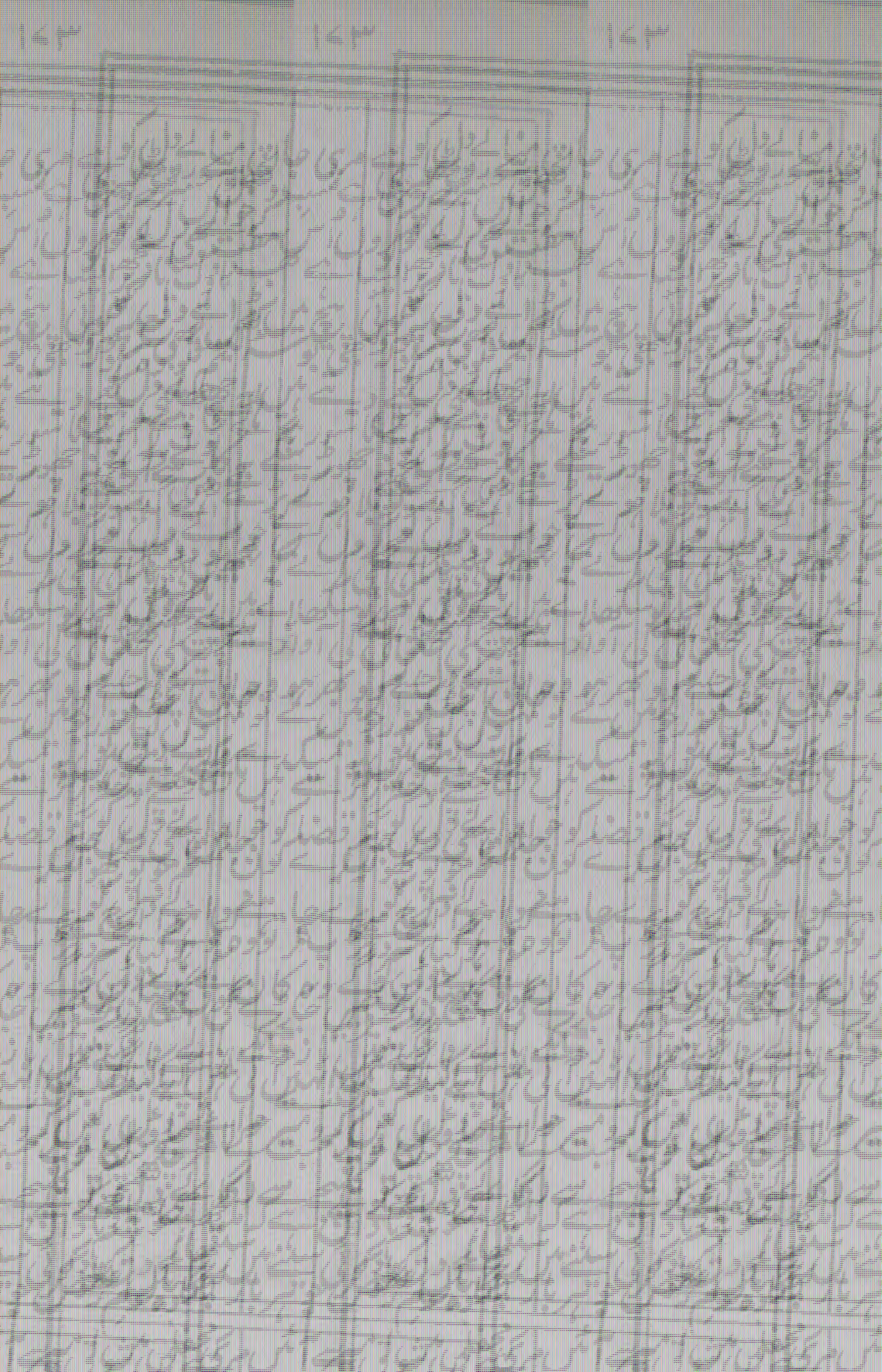
یوں مٹا اُلفتِ خدا میں خودی
نام باقی رہے نشان نہو

ہم رہیں تم رہو وصال رہے
غم نہیں ہے جو یہ جہان نہو

ہو رہیں ہم تو اے صنم تیرے
تُو ہمارا خدا کی شان نہو

وہ بھی معشوق ہے کوئی معشوق
جس میں جوبن ہو آن بان نہو

زلف مجھ زار کو دکھائی واہ
اُسپہ سو دُرّے جسمیں جان نہو

مست عالم کو کرتی ہے وہ آنکھ
میفروشی کی یہ دُکان نہو

وہ اُٹھاتے نہیں مرا مُردہ
کہتے ہیں دیکھو اس میں جان نہو

مستیوں کا عروج کیا جب تک
پاؤں کے نیچے آسمان نہو

میں جو آیا کہا یہ اُس نے امیر
دیکھنا یہ وہی جوان نہ ہو

منہ دکھا دو جو ہم ندیدوں کو
تو چلا لو اجل رسیدوں کو

ملتے ہیں تُربتوں میں عیدونکو
کیا خوشی ہے ترے شہیدوں کو

کہتے ہیں رشک سے کہ لپٹی ہیں
حسرتیں کیوں مرے شہیدوں کو

تو وہ بُت ہے جو کعبے جا نکلے
بُت بنا دے خدا رسیدوں کو

ہر جفا کو ادا سمجھتے ہیں
کیا مزے ہیں ستم کشیدوں کو

نامہ بر لا مرے خطوں کا جواب
پھاڑ کر پھینک دے رسیدوں کو

اس ادا سے کیا شہید اُس نے
خونبہا ملگیا شہیدوں کو

دیکھ لے حالِ شمع و پروانہ
گھر جہنم ہے زن مریدوں کو

سیرِ فردوس و سایۂ طوبیٰ
ہو مبارک ترے شہیدوں کو

اور تو آسرا نہیں کوئی
یاس ہے آس نا اُمیدوں کو

آئنہ خانے میں وہ کہتے ہیں
کوئی دیکھے تو اِن ندیدوں کو

چشمِ بد دُور اب تو حوریں بھی
جلنے ہٹ ہیں یہاں جنت میں

گھُورتی ہیں ترے شہیدوں کو
سب ملیں گے خدا رسیدوں کو

قفلِ خاطر تو کیا کھلے گا امیر
آزماتے ہیں ہم کلیدوں کو

قتل کرتے ہو دکھا کر جو ادائیں مجھ کو
دیکھے اُن زلفوں کو دل جان مصیبت میں پڑی
حکم دے عفو کو یارب کہ کرے مطلع صاف
ہائے وہ لوگ جو رکھتے تھے مدام آنکھوں میں
دلکو بند ہوجاتا ہے جب شب ترے گیسو کا خیال

پہلے لے لینے دو جی بھر کے بلائیں مجھ کو
لپٹی جاتی ہیں زمانے کی بلائیں مجھ کو
مرگ کے بعد بھی گھیرے ہیں خطائیں مجھ کو
اب لحد میں بھی جو ڈھونڈیں تو نہ پائیں مجھ کو
نظر آتی ہیں بلائیں ہی بلائیں مجھ کو

نقش بیٹھا ہے مرا کوچۂ جاناں میں امیر
کیا نگہبانوں کی طاقت کہ اُٹھائیں مجھ کو

غیر سے آنکھیں چار کرتے ہو
عکسِ آئینہ سے وہ کہتے ہیں
ہے جو نفرت اُمیدواروں سے
دل کے دو ٹکڑے اک نگہ میں کیے
بنکے انجان مجھ سے کہتے ہیں
ایک نالہ جو ہم کریں تو ابھی
روز آنے کو جب کہا بولے
تم ہو خنجر ہے میں ہوں قتل کرو
میں نے تعریفِ حسن کی تو کہا

جاؤ بھی کس کو پیار کرتے ہو
تم کو کیا مجھ کو پیار کرتے ہو
کیوں پھر اُمیدوار کرتے ہو
اور پھر آنکھ چار کرتے ہو
سچ کہو کس کو پیار کرتے ہو
منتیں تم ہزار کرتے ہو
اک تمہیں مجھ کو پیار کرتے ہو
کس کا اب انتظار کرتے ہو
کیوں مجھے شرمسار کرتے ہو

سچ کہو کس کو دل دیا ہے امیر

جان کس پر نثار کرتے ہو

میکشو اُلجھو نہ واعظ سے عبث جانے بھی دو
منہ کی کھائیگا جو آئے تمپہ منہ آنے بھی دو

آنسوؤ نکلے ایک چھینٹے میں بجھا دونگا میں آگ
آتش افروز اُن کو بھڑکائیں تو بھڑکانے بھی دو

خوف کیا تنہا ہے وہ مجمع یہاں ہے میکشو
محتسب آتا ہے میخانے میں تو آنے بھی دو

وہ خطِ عارض وہ گیسو دیکھ کر آیا خیال
غول پریوں کا ہے اسکے ساتھ دیوانے بھی دو

لختِ دل میرے جو دیکھے ہنسکے اُس گل نے کہا
پھول یہ بے فصل کے ہیں اِن کو مرجھانے بھی دو

آؤ ہم تم میکشو مسجد سے میخانے چلیں
یہ جو سر سجدوں میں ٹکراتے ہیں ٹکرانے بھی دو

کون پوچھیگا تمہاری نغمہ سنجی کے حضور
زُہرہ اپنی سی اگر گاتی ہے تو گانے بھی دو

ابروؤنکو اور آنکھوں کو تو ان کی دیکھیے
ساتھ ہی دو مسجدوں کے ہیں یہ میخانے بھی دو

حضرتِ دل اب تو چندے ربط پریوں سے رہے
حوریں جنت میں جو گھبراتی ہیں گھبرانے بھی دو

تنگ ہو کر کہتی ہے مشاطہ اُن سے بار بار
اِس قدر اُلجھو نہ صاحب بال سلجھانے بھی دو

بوسۂ لب لیکے خود ہی بن گیا ہے بُت امیر
بات کیا ہے تم بھی چپکے ہو رہو جانے بھی دو

دیکھ سکتے نہیں پیاسا مرے آنسو مجھ کو
روز دیجاتے ہیں پانی کوئی چُلّو مجھ کو

پھولوں کی سیج سے آتی ہے تری بو مجھ کو
تکیے پہلو کے ہیں اب حور کے زانو مجھ کو

آبروئے نگہِ لطف سے گر تو مجھ کو
سب جگہ آنکھوں پہ دیں صورتِ ابرو مجھ کو

سرمگیں آنکھیں جو آئینے میں دیکھیں تو کہا
گھورتے ہیں یہ جگائے ہوئے جادو مجھ کو

کشتہ ہوں وحشتِ طرزِ نگہِ قاتل کا
خطِ شمشیر ہے موجِ رمِ آہو مجھ کو

ہوں وہ بلبل کبھی صیاد کو آیا جو ترس
پھولوں میں چھوڑ دیا توڑ کے بازو مجھ کو

چتونیں چلتی ہیں لیکے نکیلی چھریاں
دو دو تلواروں سے دھمکاتے ہیں ابرو مجھ کو

گھر سے کیوں مجلسِ منعم میں لیے جاتی ہے حرص
چار زانو سے بٹھائے گی دو زانو مجھ کو

لوٹتا ہے دل دیوانہ لپٹنے کے لیے
سانولے رنگ کی پریاں ہیں وہ گیسو مجھ کو

چوم کر آنکھوں میں رکھ لوں انہیں پتلی کی طرح
یاد دلواتے ہیں جگنی تری جگنو مجھ کو

شمع ساں کیا ہے مجھے حاجت دریائے غرق
آپ لے ڈوبے گا میرا عرق رو مجھ کو

آرسی سامنے آئی تو کہا جھنجھلا کر
دیدے پھوٹیں ترے کیوں گھورتی ہے تو مجھ کو

میرے پہلو میں تری طرح وہ جگر بیٹھے
درد دل ایسا بتا دے کوئی پہلو مجھ کو

ہوں جوان آمدِ پیری سے مگر ڈرتا ہوں
کہ جبیں سے نہ بنا دے کہیں ابرو مجھ کو

میں جہاں بیٹھ کے روتا ہوں ہنسی ہوتی ہے
ہر جگہ کرتے ہیں رسوا مرے آنسو مجھ کو

سمجھے ہیں دیکھنے والا جو تری آنکھوں کا
کیسے شرماتے ہیں اب دیکھ کے آہو مجھ کو

سمٹا جاتا ہے مرا حشر میں رویاں رویاں
شرم عصیاں نے بنایا ہے لجالو مجھ کو

میکش راز ہوں بستر ہے مجھے چادرِ آب
ہے حبابِ لبِ جو تکیۂ پہلو مجھ کو

کون پہنچائے مجھے کوچۂ جاناں تک امیر
لے چلیں کاش بہا کر مرے آنسو مجھ کو

چین آتا نہیں دم بھر کسی پہلو مجھ کو
اتنی تکلیف تو اے درد نہ دے تو مجھ کو

عالم عشق میں بھی ہے الفتِ گیسو مجھ کو
چاہیئے لخلخۂ نافۂ آہو مجھ کو

میرے قاتل کو تڑپنے سے ہے ایسی نفرت
ذبح کرتا ہے دبا کر تہِ زانو مجھ کو

کشتۂ عشق ہوا دیکھ کے آنکھیں اسکی
شیر کے منہ پہ لگائے گئے آہو مجھ کو

نگہِ شوق سے کہتی ہے یہ عصمت اسکی
کہ اچھوتا مرا پنڈا ہے نہ چھو تو مجھ کو

کیوں نہ مضمون ترے گوہر دنداں سے ملیں
طبع سنجیدہ کی ہاتھ آئی ترازو مجھ کو

عاشقِ چشم ہوں دل لوٹ کے رہ جاتا ہے
نظر آتا ہے جو قیدی کوئی آہو مجھ کو

ضبط سے اور محبت میں گلا گھٹتا ہے
آنسو پیتا ہوں تو ہو جاتا ہے اچھو مجھ کو

ہوں وہ میخوار کہ بھٹی میں ملی شوکتِ جم
ٹاٹ مسند ہے سبو تکیۂ پہلو مجھ کو

چشمِ ابرو کے اشاروں سے ہوا یہ ثابت
زیرِ شمشیر بلاتے ہیں یہ آہو مجھ کو

بار بار اُس گُلِ خوبی کا سمٹنا شبِ وصل
یاد دلواتے ہیں شرما کے لجا لو مجھ کو

ہوں وہ خوش چشموں کا عاشق کہ ختن سے احباب
چھانٹ کر بھیجتے ہیں تحفے میں آہو مجھ کو

سب کو سنجیدہ کیا خود نہ ہوا سنجیدہ
طالعِ بد نے کیا سنگِ ترازو مجھ کو

آبرو جان یہ کمبخت ہیں سب کے دشمن
مار ڈالیں گے ڈبو کر مرے آنسو مجھ کو

اس توقع پہ پھرا کرتا ہوں گلزاروں میں
کہ کسی گل سے کبھی آئے تری بُو مجھ کو

کس کی آنکھوں کا ہوں وحشی کہ خوشی کے مارے
بھرتے ہیں چوکڑیاں دیکھ کے آہو مجھ کو

روح ہوتی ہے جو رخصت تو یہ کہتا ہے بدن
اسی دن کے لیے لائی تھی یہاں تو مجھ کو

پھونک ہی دیتی مجھے گرمیِ رخسار امیر
اپنے سائے میں نہ لے لیتے جو گیسو مجھ کو

حسرت آئی یہ اُنہیں دیکھ کے بسمل مجھ کو
چُلبلا ایسا ہی مل جائے کوئی دل مجھ کو

دیکھنا نیند جو آئی دمِ بسمل مجھ کو
اپنے زانو پہ سُلا رکھیگا قاتل مجھ کو

تو ہو کچھ درد سے آگاہ میں بیدردی سے
دل مرا تجھ کو ملے اور ترا دل مجھ کو

بوسے پر بوسے دمِ ذبح اشاروں میں لیے
اچھی سوجھی یہ ترے خنجرِ قاتل مجھ کو

چٹکیاں لیتا ہے پہلو میں مرے آٹھ پہر
دلربا بن کے ستاتا ہے مرا دل مجھ کو

آنکھ جھپکے نہ پتنگوں سے تو اس مجمع میں
پھونکدے پھونکدے اے گرمیِ محفل مجھ کو

پھر مزہ تجھ کو دکھا دوں میں دل آزاری کا
چار دن کو بھی جو مل جائے ترا دل مجھ کو

کچھ اس انداز سے وہ ناز بھرے ہاتھ چلے
آ گئی نیند تہِ خنجرِ قاتل مجھ کو

شبِ غم کون ترس کھائے ہے رونے والا
کبھی رو لیتا ہوں دل کو کبھی دل مجھ کو

ناتوانی نے بنایا ہے مجھے نقشِ قدم
پاؤں رکھتا ہوں جہاں ملتی ہے منزل مجھ کو

کچھ خبر مجھ کو نہیں ہے کہ کہاں جاتا ہوں
کہیں کھینچے لیے جاتا ہے مرا دل مجھ کو

وہ مسافر ہوں ہوا دفن بھی اپنے گھر میں
گھر تلک آگے مرے لیگئی منزل مجھ کو

بن سنور کر جو نکلتے ہیں ادھر سے وہ کبھی
گدگدا دیتا ہے ارمان بھرا دل مجھ کو

دست و بازو جو ہو خیبر اور لگا دے اک ہاتھ
میرے بیہ رو نہ جا چھوڑ کے بسمل مجھ کو

اُسکی رحمت سے جو ہو خاتمہ بالخیر امیر
پھر ہے سب سہل کڑی ہو بھی منزل مجھ کو

بوسہ دیتے نہیں پھر دینے سے حاصل مجھ کو
پھیر دو پھیر دو اے جان مرا دل مجھ کو

غنچے حوروں کے جو فردوسِ بریں میں دیکھے
یاد آئی کسی محبوب کی منزل مجھ کو

سانس کے ساتھ رگِ جان سے لہو آتا ہے
نیشتر بن کے نہ چھیڑا کرے خلشِ دل مجھ کو

اُسکے خنجر نے کہا کیا میں کوئی مرشد ہوں
وجد میں آتے ہیں کیوں دیکھ کے بسمل مجھ کو

ہوں وہ مجنوں کہ جو لیلیٰ کی طرف جا نکلوں
اُٹھ کے تعظیم کو لے پردۂ محمل مجھ کو

اس تمنا میں کہ ملجائیں مجھے اُٹھ نہ سکا
ہوئے اُترے ہوئے ہار اُنکے سلاسل مجھ کو

دشتِ وحشت میں یہ آنکھوں میں بسی ہے لیلیٰ
ہر بگولے میں نظر آتا ہے محمل مجھ کو

وہ نگہ کہتی ہے کس گھر میں نہیں میری جگہ
نکلی میں آنکھ سے باہر تو ملا دل مجھ کو

وہ نزاکت ہے یہ کہتے ہیں نہ پہنونگا میں ہار
عکس دانتوں کا پنہا دے گا حمائل مجھ کو

تشنہ لب دیکھ کر کھینچا مجھے خنجر کی طرف
لیگیا پیاس میں قاتل لبِ ساحل مجھ کو

شوقِ نظارہ لیلیٰ جو بنا سے اندھا
سرمہ دے دوڑ کے گردِ پسِ محمل مجھ کو

شوقِ پابوس کسی کا ہے مجھے وحشت میں
پاؤں چڑھے گی جو پائے گی سلاسل مجھ کو

گڑگڑا کر کچھ اس انداز سے بوسہ مانگا
بھیک دینے وہ بڑھے جانکے سائل مجھ کو

ساری دنیا مجھے اس پردے میں اللہ نے دی
کر دئے آنکھوں میں رکھ لینے کے قابل مجھ کو

یاد اس شوخ کی تڑپاتی ہے اسکو جو امیر
چین لینے نہیں دیتا ہے مرا دل مجھ کو

کم نہیں موئے کمر سے جسم لاغر دیکھ لو
میری حیرت پر عبث ہو اسقدر حیران تم
دیدۂ بلبل سے نظارہ رخ گل کا کرو
نزع میں ہچکی جو آئی اُس نے کوٹھے سے کہا
باغ میں تم نے کیا طاؤس تو پائمال
حسن میں بیجا ہے یکتائی کا دعویٰ جانِ من
نزع میں جاتے تو ہو بالیں سے مجھ بیمار کے

فرق کیا ہے ہو گئے ہم تم برابر دیکھ لو
اک ذرا آئینہ اپنے آگے رکھ کر دیکھ لو
فاختہ کی آنکھ سے قدِ صنوبر دیکھ لو
سر اُٹھا کر ایک ذرا نیچے سے اُوپر دیکھ لو
کوہ پر ہے کبک اب اسکو بھی چلکر دیکھ لو
اک حسین ہے اور آئینے کے اندر دیکھ لو
اک نظر آنکھوں کا صدقہ اور پھر کر دیکھ لو

سوچ کیا نظارۂ برقِ تجلیٰ میں امیر
کھول دو آنکھیں دکھائے جو مقدر دیکھ لو

ہو وصل پر دوئی کی کہیں اُس میں بو نہو
زاہد شراب ناب سے جب تک وضو نہو
پہلو سے دل جُدا ہو تو کچھ غم نہیں مجھے
وہ گم شدہ ہوں میں کہ اگر چاہوں دیکھنا
قاتل لگا رہا ہے جو تیغِ نگہ سے زخم
ملنا تو کیا حنا کو لگانے نہ ہاتھ وہ
مسجد میں میں نے شیخ کو چھیڑا یہ کہکے آج
مہندی لگاتے ڈرتے ہیں کہتے ہیں بار بار
غش آگیا ہے مجھ کو گمان اور کچھ نہ کر
شاخیں اسی کی ہیں یہی جڑ ہے فساد کی
تو ہو تو بتکدہ مجھے کعبے سے کم نہیں
ہیں اُن کو دیکھتے ہی جو کل لوٹنے لگا

تو ہو تو میں نہوں میں اگر ہوں تو تو نہو
قابل نماز پڑھنے کے مسجد میں تو نہو
اے دردِ دل جدا مرے پہلو سے تو نہو
آئینے میں بھی شکل مری روبرو نہو
منظور ہے کہ چاکِ جگر میں رفو نہو
جب تک شریکِ خونِ ہزار آرزو نہو
مے لاؤں میکدے سے جو آپ وضو نہو
شامل کسی شہید کا اس میں لہو نہو
اچھا ہوں میں اُداس مری جان تو نہو
پہلو میں دل نہو تو کوئی آرزو نہو
کعبہ صنم کدہ ہے جو کعبے میں تو نہو
بولے تمہارے مارے کوئی خوبرو نہو

ایذا پسند ہیں وہ ترے زخمیوں میں ہم
دوڑے نہ دل جو زلف تری مشکبو نہو

صحن چمن ہو ابر ہو شیشہ ہو جام ہو
یہ سب تو ہوں غضب ہے کہ پہلو میں تو نہو

آنسو بہائے میں نے جو محفل میں تو کہا
دیکھ اسقدر نہ رو کوئی بے آبرو نہو

کہتے ہیں سامنے ترے آبیٹھیں ہم مگر
یہ شرط ہے کہ آگے کوئی آرزو نہو

ساری چمک دمک تو انہیں موتیوں سے ہے
آنسو نہوں تو عشق میں کچھ آبرو نہو

پردے میں آئینے کے یہ دل ہے امیر کا
پہچان لے جو وہ تو کبھی رو برو نہوا

ابھی آئے ابھی جاتے ہو جلدی کیا ہے دم لیلو
نہ چھیڑونگا میں جیسی چاہو تم مجھ سے قسم لیلو

نہ دو بوسہ نگاہِ لطف ہی پر دل صنم لیلو
تمہارا مال ہے تم دیکے قیمت بیش و کم لیلو

گلا خنجر پہ میں نے رکھدیا آتے ہی تو بولے
کرینگے ذبح ٹھہرو کیوں مرے جاتے ہو دم لیلو

سوِ میخانہ آنکلے جو قاضی دخترِ رز بولی
بڑے مرشد ہیں حضرت میکشو اٹھو قدم لیلو

زمینِ گور رہرِ مہمان سے اپنے یہ کہتی ہے
اُتر جائے تھکن آگے کڑی منزل ہے دم لیلو

خدا نے دن یہ دکھلایا کہ وہ بُت میہمان آیا
ملے تو شیخ سے کہہ سُنکے دو دن کو حرم لیلو

خبر ہے حضرتِ مجنوں کہ آئی نجد میں لیلے
نہ پہنچے ہاتھ محمل تک تو ناقے کے قدم لیلو

فراقِ یار کا دن کم نہیں عاشور سے نالو
اُٹھاؤں تعزیہ میں اپنے دل کا تم علم لیلو

دکھانا ہے جو زورِ نشہ بسم اللہ میخوارو
فلاطوں سے نہ ہاتھ آئے اگر خم جام جم لیلو

نہ ملنے تک تو اے شیخ حرم سارا تقدس ہے
برہمن دے تو سجدے کرکے مٹی کا صنم لیلو

ابھی تو آسمانو خاک میں گڑ جاؤ تم ساتوں
جو میرے سر سے اپنے سر پہ میرا بارِ غم لیلو

چمن میں پینے کو ہے میکشو برسات میں لازم
نہ بیچو تو کرایہ دیکے رضوان سے ارم لیلو

نہیں کچھ انتہا اُس نزک کے کشتوں کی اے عیسیٰ
کہا نٹناک تم کہو گے منہ سے تھک جاؤ گے دم لیلو

غرض تو میکشو مستی سے ہے تکرار سے حاصل
ملے پیرِ مغاں سے جسقدر مے بیش و کم لیلو

ہم اُسکے قد کے ہیں عاشق ہمیں کیا غیر سے مطلب
عبث کہتی ہے یہ قمری صنوبر کے قدم لیلو

امیر اُس عیسیِٰ دوراں کو خط لکھنا جو ہو تم کو
فلک سے مانگ لو کاغذ عطارد سے قلم لیلو

جو وقتِ بوسہ ایذا ہو ذرا بھی لعلِ جاناں کو
گہُر کی طرح پلبیوں توڑ کر میں اپنے زنداں کو

اتار دل میں آنکھیں دیکھ کر اُس شاہِ خوباں کو
جگہ پہلو میں دی پریوں کے لالچ سے سلیماں کو

گلوں سے چاکے میں نے داغِ دل اپنے ملائے تھے
نہیں شبنم پسینا آگیا ہے یہ گلستاں کو

خدا نے حسن کو تیرے عجب تاثیر بخشی ہے
یہ نعمت دیکھنے سے سیر کر دیتی ہے مہماں کو

لہو رو رو کے ان آنکھوں سے ایسے گل کھلائے ہیں
چمن سے دیکھنے آتے ہیں گلچیں میرے زنداں کو

اجل آئے کہیں پیری میں ہم اس درد سے چھوٹیں
شکستہ حال اب دیکھا نہیں جاتا ہے زنداں کو

میں اُٹھتا ہوں تو کانٹے پاؤں پڑ پڑ کر یہ کہتے ہیں
اجی بیٹھو بھی کیوں ویران کرتے ہو بیاباں کو

جب اگلی صحبتیں یاد آتی ہیں یارانِ رفتہ کی
نکلکر گھر سے دیکھ آتا ہوں میں گورِ غریباں کو

تسلّی یادِ رُخ میں جب کسی صورت نہیں ہوتی
تو بوسہ دیکے آنکھوں سے لگا لیتا ہوں قرآں کو

وہ آنکھیں تاکتی ہیں لوٹ سے مژگاں کی دل میرا
کہ پریاں جھانکتی ہیں ان جھروکوں سے سلیماں کو

اگر یوں کھٹکے جیسے دل میں وہ مژگاں کھٹکتی ہو
مژہ کی طرح رکھ لوں آنکھ پر خارِ مغیلاں کو

سوا اب خاک ہونے کے نہیں حسرت کوئی باقی
کہ مٹی ہو گیا جی دیکھ کر گورِ غریباں کو

قیامت ہے نہ دوں تشبیہ اُسکی چال کو کیونکر
اُٹھا کر راہ میں چلتے ہیں فتنے جسکے داماں کو

تڑپنا جانتا ہوں لذّتِ ناوک سے اے قاتل
نہ میں سوفار کو جانوں نہ پہچانوں میں پیکاں کو

گیا میں بزمِ جاناں تک تو بولے وہ سکندر سے
اُٹھاؤ آئینے کو بیٹھنے دو میرے حیراں کو

میں اُس پردہ نشیں کی جانہ زیبی کا ہوں دیوانہ
چھپائے رکھتی ہے پردے میں عصمت جسکے داماں کو

عبث ترکش میں قاتل رکھے رکھے زنگ لگتا ہے
مجھے دے چیر کر پہلو میں رکھ لوں تیرے پیکاں کو

تصور قید میں ہے لے امیر اک بُت کی آنکھوں کا

پری خانہ بنا رکھا ہے میں نے اپنے زنداں کو

غضب ہے اپنے عیبوں کا خیال آئے نہ انساں کو
کیا ہے شرمِ عریانی نے خم شمشیرِ عریاں کو

کریں مجھ سے محبت میں تو بھوکا ہوں محبت کا
اُٹھا رکھیں یہ منعم اپنے نعمتہائے الواں کو

ہیں اک غربت زدہ باقی رہا تھا میں بھی آتا ہوں
مبارک باد دے آئے کوئی گورِ غریباں کو

نہ جانے دیں نگہباں مجھ کو زنداں سے نہیں پروا
مری زنجیر کے نالے تو جاتے ہیں بیاباں کو

میں اے بُت مصحفِ رُخ کو ترے چھو کر ہوا مجرم
مسلماں رات دن بوسے دیا کرتے ہیں قرآں کو

ملاحت ناوک افگن کی جو وقتِ صید یاد آئی
دہانِ زخم نے چوسا مزے لے لیکے پیکاں کو

خیالِ آسودگانِ خاک کا دل سے نہیں جاتا
لیے پھرتا ہوں اپنے ساتھ میں گورِ غریبان کو

پری کو بھی اُترتے یوں نہیں دیکھا ہے شیشے میں
عجب انداز سے تو نے اُتارا دل میں پیکان کو

اُن آنکھوں کی نظربازی میں دل کھویا گیا میرا
نگاہوں میں اُڑا کر لے گئیں پریاں سلیمان کو

جو پلتا ہے یہ مہندی میں تو مہندی رنگ لاتی ہے
پسند اس واسطے کرتے ہیں وہ خونِ شہیداں کو

جگر کو ڈھونڈتی پھرتی ہے تیغِ ناز قاتل کی
کسی کے دل میں جا بیٹھا یہ دھن ہے اُسکے پیکاں کو

دبا رکھا ہے اُسنے ایک مدت سے گلا میرا
کوئی جھٹکا تو دے اے پنجۂ وحشت گریباں کو

بہت ہی مختصر ہے وصل کی شب کچھ تو بڑھ جائے
مری خاطر سے دم بھر کھول دو زلفِ پریشاں کو

بہارِ گل میں کام آئے ترے اے پنجۂ وحشت
لگا رکھا ہے میں نے اسلیے اپنے گریباں کو

کیا تھا شام کو نالہ تڑپ کر تیرے وحشی نے
ہلا یا زلزلے نے صبح تک دیوارِ زنداں کو

بہت ہے زور پر دستِ جنوں ناصح الگ رہنا
ترا دامن نہ پکڑے چھوڑ کر میرے گریباں کو

ہوائے گل اسے کہتے ہیں اے بلبل کہ جنگل میں
لیے پھرتا ہے ہر طاؤس ساتھ اپنے گلستاں کو

میں وہ بدمست وحشی ہوں جو میرا دسترس چلتا
بناتا بوتلوں کی ڈاٹ واعظ کے گریباں کو

امیرؔ ایسی کہاں قسمت کہ پہنچوں اُڑکے پھولوں تک
کبھی چاکِ قفس سے جھانک لیتا ہوں گلستاں کو

گرد اغیار بیچ میں تو ہو
ہائے کیونکر قضا پہ قابو ہو

جام ہو شیشہ ہو لب جو ہو
یار ہو میں ہوں ساقیا تو ہو

بوسہ کب چاند سی جبیں کا لیا
کیا سبب ہے کہ چین بابرو ہو

آئنہ اور وہ رخ روشن
شانہ ہو اور اُس کا گیسو ہو

عشق ابرو ہے عاشقو مشکل
تیغ باندھو جو زور بازو ہو

بات کہتے زبان کٹتی ہے
کس سے تعریف تیغ ابرو ہو

کیا تمہارا ملے چمن میں نشان
رنگ میں رنگ بو میں بو تم ہو

عاشق چشم بھی شراب پئیں
جاے ساغر جو چشم آہو ہو

پاس سے تم اُٹھو تو دل بیٹھے
کبھی خالی نہ اپنا پہلو ہو

قد ہے طوبےٰ تو لب ترے کوثر
وہی فردوس ہے جہاں تو ہو

فکر کس بات کی ہے تم کو امیر
کیا سبب ہے کہ سر بزانو ہو

وصل کی راحت تو راحت سے بسر ہونے دو
شام ہی سے ہے یہ دہکی کہ سحر ہونے دو

ناوک ناز کا پہلو میں گزر ہونے دو
کب سے برباد ہے آباد یہ گھر ہونے دو

دیکھنا کیسی برابر کی پڑینگی چوٹیں
یار کا آئنہ خانے میں گزر ہونے دو

وصل ہو قتل ہو جو مد نظر ہو ہو جاے
یا ادھر ہونے دو یا مجھ کو اُدھر ہونے دو

جسنے یہ درد دیا ہے وہ دوا بھی دیگا
لا دوا ہے جو مرا درد جگر ہونے دو

ہیں غریب اور غریبوں کا خدا والی ہے
ہونے دو سارے زمانے کو اُدھر ہونے دو

تلملانے میں تڑپنے میں کمی کی کس دن
ہے جو اس پر بھی خفا درد جگر ہونے دو

کبر سب خاک میں ملجائیگا مغروروں کا
اک ذرا گور غریباں میں گزر ہونے دو

ذکر رخصت کا ابھی سے نہ کرو بیٹھو بھی
جان من رات گزرنے دو سحر ہونے دو

ہم تصور میں نہ کھینچیں یہ نہ ہوگا ہم سے
لاکھ نازک ہے حسینوں کی کمر ہونے دو

تو سہی مجھ سے سوا صبر تڑپ کر کھینچے
میرے دل تک تو ذرا اُس کا گزر ہونے دو

وصلِ دشمن کی خبر مجھ سے ابھی کچھ نہ کہو
ٹھہرو ٹھہرو مجھے اپنی تو خبر ہونے دو

ہائے وہ وصل کی شب اُن کا ادا سے کہنا
باندھنے دو مجھے جُوڑے کو سحر ہونے دو

جاگ کر کاٹتے ہیں ہجر میں ہم بھی راتیں
رَتجگے ہوتے ہیں گر غیر کے گھر ہونے دو

شوق سے تُم ہو در و بام پہ سرگرم خرام
دونوں عالم ہوں اگر زیر و زبر ہونے دو

آنے دو آنے دو زلفوں کو ذرا گالوں پر
شاہدِ شب کو ہم آغوشِ سحر ہونے دو

خواب میں آکے وہ بولے مرے ارمانوں سے
بےخبر کو نہ خبردار خبر ہونے دو

چھیڑتے کیوں ہو جوانی میں حسینوں کو امیر
رات ہی بھر کا یہ جوبن ہے سحر ہونے دو

ردیف ہائے ہوز

کتنی ہے گرم دخترِ رز کی ادا تو دیکھ
واعظ ذرا سی پی کے تو اُس کا مزا تو دیکھ

اے گُلِ بہار جاتی ہے رکھا ہے گھر میں کیا
بلبل کا سُن نہ حال چمن کی فضا تو دیکھ

بُت سنگِ طور کے ہیں ترے سنگ ہی نہیں
زاہد کدھر خیال ہے نورِ خدا تو دیکھ

وہ رُخ بھی لاجواب وہ گیسو بھی برہمن
کعبے کا دیکھنا نہ سہی کالکا تو دیکھ

اب تو نہ بند کر رہِ میخانہ محتسب
نکلا ہے چاند عید کا سوئے سما تو دیکھ

اُس آستان کو عرش سے تشبیہہ دی امیر
پہنچا کہاں رسائیِ ذہنِ رسا تو دیکھ

چمن میں غیر بھی آئے جو میرے یار کے ساتھ
ہزار نالے کروں باغ میں ہزار کے ساتھ

خزاں میں کیجیے نہ بلبل سے چھپانے کو
کہ وہ بہار کی باتیں گئیں بہار کے ساتھ

کیا وہ نالہ کہ دل سے نکل گئیں پھانسیں
ہوا میں اُڑتے ہیں خس جس طرح غبار کے ساتھ

مزار سے جو یہ آتی ہے دردناک صدا
ہمیں تو روتے ہیں شمع سر مزار کے ساتھ

چرائے رنج و مشقت سے جی نہ طالب عیش
کہ نوش نیش کے ہمراہ گل ہے خار کے ساتھ

شب وصال جھگڑنے سے فائدہ کیا ہے
مزہ تو یہ ہے کہ باتیں ہوں چاہ پیار کے ساتھ

بجا ہے آنکھ جو ہے جوشِ گریہ سے بے نور
نظر بھی بہ گئی ہے آنسوؤں کے تار کے ساتھ

عدم کو روح گئی رہ گیا تنِ خاکی
پہنچ سکے نہ پیادہ کبھی سوار کے ساتھ

ذرا ہوئے جو وہ آزردہ اپنی آئی اجل
امیر پھر گئیں آنکھیں نگاہِ یار کے ساتھ

رکھتے ہو رقص میں جو کمر پر اٹھا کے ہاتھ
موے کمر سے باندھو گے دزدِ حنا کے ہاتھ

چھوٹیں جو اپنے ہاتھ سے اس دلربا کے ہاتھ
سارے جہان سے بیٹھ رہیں ہم اٹھا کے ہاتھ

ڈھکا نہ بار بار مرے پاس لا کے ہاتھ
دے ڈال جام کھینچ نہ ساقی بڑھا کے ہاتھ

اب تک تو تیغ یار سے موڑا نہیں ہے منہ
آئندہ آن بان ہے اپنی خدا کے ہاتھ

کچھ بھی ہوئی جو دست درازی شب وصال
چین جبیں سے اس نے چھری لی بڑھا کے ہاتھ

ڈرتا ہوں اور کچھ نہ سمجھ کر وہ چھپ جائے
سینے پر اپنے رکھ نہیں سکتا اٹھا کے ہاتھ

لیں اس نے ہاتھ اٹھا کے جو انگڑائیاں کبھی
جوبن نے کتنے چھین لیے دل بڑھا کے ہاتھ

کب سعی سے اچھلتے ہیں ڈوبے ہوئے نصیب
دریا کے پار کب ہوئیں موجیں لگا کے ہاتھ

دکھلا کے پاؤں کتنوں کو پامال کر دیا
کتنوں کو تم نے ہاتھ سے کھویا دکھا کے ہاتھ

دیکھی جو اسکی زلف میں افشاں ہوا یہ شوق
کیا چاندنی ہے توڑیے تارے بڑھا کے ہاتھ

وہ سخت جان ہوں میں نہ چلا کچھ کسی کا بس
جلاد بیٹھ بیٹھ گئے سب تھکا کے ہاتھ

کہتا ہے قاتل آپ ہی مرتے تھے جاں نثار
بدنام ہائے مفت ہوئے ہم لگا کے ہاتھ

قاضی کو شوق بادہ کشی کا ہے آج کل
بنت العنب پڑی ہے عجب پارسا کے ہاتھ

بس میں مرے نہ موت ہے میری نہ زیست ہے
یہ ہے قضا کے ہاتھ تو وہ ہے ادا کے ہاتھ

بے کار عشق میں نہ گئیں میری ہڈیاں
بھیجا سگِ حبیب کو تحفہ ہما کے ہاتھ

خوں اس نے میرے دل کا کیا ہے یہ کون ہے
مہندی نے باندھے کیوں ہیں مرے دلربا کے ہاتھ

نارِ شعاعِ مہر سمجھتے ہو تم جسے
سورج یہ لے رہا ہے بلائیں بڑھا کے ہاتھ

یہ دل چرا چرا کے کسے اسنے دیدیے
خالی ہیں دیکھنے میں تو دزدِ حنا کے ہاتھ

قاصد اڑا رہا ہے تو کچھ نہیں امیر
خط لکھ کے بھیجدونگا میں پیکِ صبا کے ہاتھ

راہ بتلاتے ہیں ہم اور اسے دھیان ہے کچھ
دلکو سمجھائیے کس طرح یہ انسان ہے کچھ

کرکے پامال مرے دل کو کہا ظالم نے
کون تعظیم کرے اسکی یہ قرآن ہے کچھ

نہیں کرتا ہے ملاقات تو زاہد نہ کرے
لاابالی ہیں ترے رند انہیں ارمان ہے کچھ

سبز عمامہ بسنتی ہے عبا ریش سپید
نوبنو رنگ ہیں واعظ کی عجب شان ہے کچھ

کرکے زخمی مجھے مقتل سے چلا ہے قاصد
دوڑ کر کوئی یہ کہدے کہ ابھی جان ہے کچھ

غیب سے آئی صدا قصد جو قاصد نے کیا
شیر کے منہ میں چلا ہے ارے نادان ہے کچھ

ہو نہو آئی ہے اس کوچۂ گیسو کی ہوا
جوشِ سودا ہے امیر آج پریشان ہے کچھ

چاند سا چہرہ نور کی چتون ماشاء اللہ ماشاء اللہ
طرفہ نکالا آپ نے جوبن ماشاء اللہ ماشاء اللہ

گل رخِ نازک زلف ہے سنبل آنکھ ہے نرگس سیب زنخداں
حسن سے تم ہو غیرتِ گلشن ماشاء اللہ ماشاء اللہ

ساقیِ بزمِ روزِ ازل نے بادۂ حسن بھرا ہے اس میں
آنکھیں ہیں ساغر شیشہ ہے گردن ماشاء اللہ ماشاء اللہ

قہر غضب ظاہر کی رکاوٹ آفتِ جان درپردہ لگاوٹ
چاہ کے تیور پیار کی چتون ماشاء اللہ ماشاء اللہ

غمزہ اچکا عشوہ ہے ڈاکو قہر ادائیں سحر ہیں باتیں
چور نگاہیں ناز ہے رہزن ماشاء اللہ ماشاء اللہ

نور کا تن ہے نور کے کپڑے اسپر کیا زیور کی چمک ہے
چھلے کنگن اگے جوشن ماشاء اللہ ماشاء اللہ

جمع کیا ضدیں کو تم نے سختی ایسی نرمی ایسی
موم بدن ہے دل ہے آہن ماشاء اللہ ماشاء اللہ

واہ امیر ایسا ہو کہنا شعر ہیں یا معشوق کا گہنا
صاف ہے بندش مضمون روشن ماشاءاللہ ماشاءاللہ

ردیف یائے تحتانی

کیوں وصل کی چرخ کو خبر کی
آمد ہے جو شام سے سحر کی

کیسی آرَنی و لن ترانی
تھی ایک صدا اِدھر اُدھر کی

اے یاس نہ دل میں پاؤں پھیلا
پھانسیں نہ چبھیں مرے جگر کی

خط لیتے ہی چلدیا عدم کو
اتنی ہی لکھی تھی نامہ بر کی

نیرنگی چار باغِ عالم
گدڑی ہے ترے گدائے در کی

کچھ میری سنو کچھ کہو اپنی
باتیں نہ کرو اِدھر اُدھر کی

خط یار نے اُس طرف کیا چاک
یاں اُڑ گئیں دھجیاں جگر کی

دن بھر مجھے رکھتی ہیں پشیماں
شرمائی وہ چتونیں سحر کی

ہر بات میں ہُو زباں سے نکلا
جب ہمنے کہی کہی اُدھر کی

غفلت میں نہ کھو شباب اے دل
یہ رات ہے جان عمر بھر کی

سینے میں نہیں ہے داغ ظالم
اُبھری ہیں یہ چٹکیاں جگر کی

چھاگل کا یہ شور ہو شبِ وصل
آواز سنوں نہ میں گجر کی

عنقا جسے جانتا ہے عالم
پرچھائیں ہے وہ تری کمر کی

آنکھیں کھولیں بھی بند بھی کیں
وہ شکل نہ سامنے سے سرکی

ہنگامۂ حشر کو جو دیکھا
ڈیوڑھی سمجھا میں تیرے گھر کی

شامِ شبِ ہجر و عمرِ آخر
اُمید امیر کیا سحر کی

دوسرا کون ہے جہاں تو ہے
کون جانے تجھے کہاں ہے تو

لاکھ پردوں میں تو ہے بے پردہ
سو نشانوں پہ بے نشان تو ہے

تو ہے خلوت میں تو ہے جلوت میں
کہیں پنہاں کہیں عیاں تو ہے

نہیں تیرے سوا یہاں کوئی
میزباں تو ہے میہماں تو ہے

جسم کہتا ہے جان ہے تو ہی
جان کہتی ہے جانِ جاں تو ہے

نہ مکاں میں نہ لامکاں میں کچھ
جلوہ فرما یہاں وہاں تو ہے

رنگ تیرا چمن میں بُو تیری
خوب دیکھا تو باغباں تو ہے

محرم راز تو بہت ہیں امیر
جس کو کہتے ہیں رازداں تو ہے

جتنی کمی کہ نامہ سیاہی میں رہ گئی
اتنی ہی دیر عفوِ الٰہی میں رہ گئی

حسرت نہیں وطن کی تباہی میں رہ گئی
کچھ گرد تھی کہ دامنِ راہی میں رہ گئی

صد شکر عفو میرے گنہ حشر میں ہوئے
حرمت گدا کی مجلسِ شاہی میں رہ گئی

آنکھ اُس نے پھیر لی تو کہاں پھر ہماری زیست
آدھی تو جان نیم نگاہی میں رہ گئی

تھی زار کوئے یار میں کیا جاتی اپنی خاک
اتنی تھی کم کہ اُڑ کے ہوا ہی میں رہ گئی

دی بھی تو قدِ یار کو طوبے سے دی مثال
پستی مری بلند نگاہی میں رہ گئی

دیکھو تعلیاں مری قندیل آہ کی
کیسی لٹک کے عرشِ الٰہی میں رہ گئی

ڈوبے ہوئے نصیب نہ اُچھلے کسی طرح
کشتی اُبھر اُبھر کے تباہی میں رہ گئی

بختِ سیہ سے آنکھیں اُس سے ہوئیں دوچار
چومک چمک چمک کے سیاہی میں رہ گئی

ساحل پر آ کے تم نے دکھائیں وہ شوخیاں
پُتلی تڑپ کے دیدۂ ماہی میں رہ گئی

ابلیس اُدھر تھکا تو مرا دل اِدھر تھکا
دو ہاتھ چل کے رہزن و راہی میں رہ گئی

منہ زورِ حشر موڑ گئی تیغِ یار بھی
چلتی ہوئی زبان گواہی میں رہ گئی

صد شکر منہ سے نامِ محمد نکل گیا
بات اپنی بارگاہِ الٰہی میں رہ گئی

ابرو پہ اُس کے آگئی اُڑ کر ہوا سے زُلف
کیا رویتِ ہلال سیاہی میں رہ گئی

اللہ رے انقلاب محل ہے نہ قصر ہے
تربت فقط عمارتِ شاہی میں رہ گئی

صد شکر حق نے میری تواضع قبول کی
اچھی تھی شے خزانۂ شاہی میں رہ گئی

اُمید ناخدا کی کہاں بحرِ عشق میں
ہاں اک خدا کی آس تباہی میں رہ گئی

اظہارِ جرمِ عشق میں کی آہ نے کمی
ایسی زبان دراز گواہی میں رہ گئی

پردے سے اُس کی ذات کو کیا کام تھا امیر
چھپ کر صفاتِ نامتناہی میں رہ گئی

آئینہ ترے حسن کا دل بھی ہے جگر بھی
ہے ایک ہی صورت کہ ادھر بھی ہے اُدھر بھی

خورشید بھی اُس نور کا مظہر ہے قمر بھی
اے بے بصرو کچھ تمہیں آتا ہے نظر بھی

ساقی ہوں تری بزم میں میں تشنہ جگر بھی
صدقے تری آنکھوں کے کوئی جام ادھر بھی

تو چشمِ سخن گو سے مجھے پوچھ وے اتنا
ہیں باتیں ہی باتیں کرے کچھ مدِّ نظر بھی

گھبرائے چلے جاتے ہیں گل کس کی ہے آمد
گھبرائی ہوئی پھرتی ہے کچھ بادِ سحر بھی

کیا پاس نہیں میرے جو تم غیر سے مانگو
پہلو میں مرے دل بھی ہے سینے میں جگر بھی

اللہ رے ناطاقتی و ضعف کا عالم
میں کیا کہ پہنچتی نہیں واں میری خبر بھی

مُنہ مہرِ فلک کا جو ادھر کو نہیں پھرتا
شاید کوئی معشوق تمہیں سا ہے اُدھر بھی

کیا جانئے کیا حال ہے یارانِ عدم کا
اک عمر ہوئی ہے نہیں آتی ہے خبر بھی

وہ چہرۂ پُر نور ہے اک برقِ تجلی
کس آنکھ سے دیکھوں میں ٹھہرتی ہے نظر بھی

بتخانے سے دل اپنا نہ کعبے سے پھرا ہے
کچھ سوچ کے انجام ادھر بھی ہے اُدھر بھی

رگ رگ کے جو چلتا ہے گلے پر مرے خنجر
کچھ دل میں ہے قاتل کے ترحم کا اثر بھی

کس کس کا گلہ کیجیے یارب کہ شبِ وصل
دشمن ہے مؤذن کی طرح مرغِ سحر بھی

کیا تنگ ہے جلاد مری سختیِ جان سے
ہر وار پہ کہتا ہے کہ ظالم کہیں مر بھی

جوبن مری آنکھوں میں پھرا گنبد نون کا
گدرائے ہوئے باغ میں دیکھے جو ثمر بھی

رفتار تری دیکھ کے کہتے ہیں فرشتے
اللہ وغنی ایک ہی فتنہ ہے بشر بھی

مقصود مزہ ہے تو امیر اور کہو شعر
ہونگے نہیں پھولوں انہیں پتّوں میں ثمر بھی

غیروں سے ہیں باتیں بھی عنایت کی نظر بھی
پر دیکھتے جاتے ہیں کنکھیوں سے ادھر بھی

پیری میں بھی جائیگی جوانی کی نہ غفلت
اللہ ہے جو آنکھ کھلے وقت سحر بھی

سچ کہدو نکل بھاگو ہوتا بوسے یہ کسکے
لب خشک ہیں ایجان پسینے میں ہو تر بھی

جانا ہے مجھے وعظ کی محفل میں نہ کر دیر
شاقی ہے گلرنگ ہے ساغر کہیں بھر بھی

جب قتل کو آیا ہے مرے غمزۂ قاتل
کیا تیز چھری کھینچ کے نکلی ہے نظر بھی

کیا غم ہے خزاں میں جو نہیں طاقت پرواز
نکلینگی جو کلیاں تو نکل آئیں گے پر بھی

معلوم نہیں کس کو کیا قتل کہ ڈر کر
غائب ہے دہن یار کا رو پوش کمر بھی

جاتا ہے جو ہستی سے عدم کو نہیں پھرتا
بے شبہ کوئی شہر ہے دلچسپ اُدھر بھی

ہے شوق جو بالوں کے بڑھانے کا تو ایجان
پیدا کرو اس بوجھ اُٹھانے کو کمر بھی

پہلو میں مرے رہتے ہیں جی دیتے ہیں اُنپر
دل ہو کہ جگر دونوں ادھر بھی ہیں اُدھر بھی

بیمار میں کس کا ہوں کہ آئے جو مسیحا
تعظیم کو اٹھا نہ مرا دردِ جگر بھی

ڈرتا ہوں شب وصل کہ تقدیر بُری ہے
آئے نہ کہیں شام کے ہمراہ سحر بھی

ان آنکھوں کی اُلفت میں ہوا ہوں میں لاغر
کافی مرے دب جانے کو ہے گردِ نظر بھی

ڈرتے ہیں سیہ خانے سے میرے جو یہ دونو
منہ پھیرے ہوئے شمس بھی جاتا ہے قمر بھی

رُخ عرش کی قندیل ہے قد شمعِ تجلی
اللہ کی قدرت کا تماشا ہے بشر بھی

فرقت میں امیر ایسی برستی ہے اُداسی
روتے ہیں مرے حال پہ دیوار بھی در بھی

پیکاں ہی ترے تیر کا پہلو میں در آئے
ٹھنڈا ہو کلیجا یہی امید بر آئے

آمد جو شبِ وصل کی سن لے مرے گھر میں
اللہ رے ضد شام سے پہلے سحر آئے

رخصت ترے بیکس کو کرے کون دمِ نزع
ہچکی ہی الٰہی کوئی وقتِ سحر آئے

اللہ رے سنم بیخودیِ عشق کے ہم پر
ہم آپ میں آئے تو کہا تم کدھر آئے

عاشق کی طرف خود نہیں جاتے ہو تو کہہ دو
کچھ ناوکِ دلدوز ہی تسکین کر آئے

آئے وہ دمِ بازپسیں یوں مرے گھر میں
جس طرح کہیں چاندنی پچھلے پہر آئے

کوٹھے سے نزاکت تو اترنے نہیں دیتی
تم آنکھوں سے دل میں مرے کیونکر اتر آئے

ہمسایہ ہی کے کوٹھے پر آئے کبھی وہ ماہ
چاند اورونکے گھر چاندنی ہی میرے گھر آئے

دیکھی جو مری یاس ترس کھا کے یہ بولے
اللہ کرے اب تری امید بر آئے

یاد آئے اگر مجھ کو چمن کنج قفس میں
دامن میں لیے پھول نسیم سحر آئے

ہنس ہنس کے بہت زخمِ جگر چھیڑ رہے ہیں
قاتل وہ لگا ہاتھ کہ دل تک اتر آئے

کس طرح امیر ان سے بنا ہے کوئی الفت
دل دینے کو ہر روز کہاں سے جگر آئے

ہیں اشارے یہ تیغِ قاتل کے
آؤ ارماں نکالدوں دل کے

داغ افسردہ ہو چلے دل کے
جھلملائے چراغ محفل کے

شرم لیلےٰ تو مانعِ دیدار
مفت بدنام پردے محمل کے

ہم سے سیکھیں جو طرز نالہ کشی
پھول منہ چوم لیں عنادل کے

دل میں آ کر نہ دل سے پھر نکلے
تم تو ارمان بن گئے دل کے

سونے کیا ہیں پڑے ہیں تکیے میں
تھکے ماندے غریب منزل کے

فیصلہ کر رہے ہیں مجنوں کا
بیچ میں پڑ کے پردے محمل کے

غمِ کونین سے مجھے کیا کام
کسی کونے میں پڑ رہے دل کے

اب تو کپڑے بھی وہ پہنتا ہے
چھاپے دے دیکے خونِ بسمل کے

ہوں جو واقفِ جزائے احسان سے
ہاتھ چومیں کریم سائل کے

کیسے مجنوں کے بن گئے ہیں رقیب
پاکے لیلیٰ کو پردے محمل کے

حالِ دل درد و داغ سے پوچھو
یہ بڑے راز دار ہیں دل کے

موت سے وہ جھجک کے کہتا ہے
ہٹ نہ آ پاس میرے بسمل کے

پوچھتے ہیں وہ مجھ سے عید کے دن
کھو کیا مل گیا گلے مل کے

تیر آتے ہی دل کو لے نکلے
اچھے آئے یہ مدعی دل کے

اُس کی رحمت سے لو لگا کہ امیر
آڑے آئیگی وقت مشکل کے

وہ بن سنور کے ادھر آتے ہیں جفا کے لیے
مزے ہیں آج دلِ دردِ آشنا کے لیے

خیال ہی میں مزے وصلِ دلربا کے لیے
لیے جو بوسے تو ہونٹوں سے بھی چھپا کے لیے

مجاز میں بھی ہے اپنی نظر حقیقت پر
بتوں کی راہ میں پھرتے ہیں ہم خدا کے لیے

خدا کی شان جو شوخی سے آشنا ہی نہ تھیں
ترس رہی ہیں وہی آنکھیں اب حیا کے لیے

وہاں زخم میں خنجر وہ رکھ کے کہتے ہیں
کہ بے زبان تجھے دیتے ہیں مرحبا کے لیے

دکھاؤں گا شبِ وصل انکو پھول داغوں کے
لگا رہا ہوں یہ ڈالی اک آشنا کے لیے

یہ ہچکیاں نہیں آتی ہیں نزع میں پیہم
بٹھائی جاتی ہے ڈاک آمدِ قضا کے لیے

وہ آئیں نزع میں چلتی نہیں زبان نہ چلے
نگاہِ یاس تو ہے عرضِ مدعا کے لیے

دمِ اخیر تو ترسا نہ اپنے جلوے کو
مسافروں پہ ترس کھا ذرا خدا کے لیے

نگاہِ لطف بھی خالی نہیں زبان نہ چلے
کسی ادا کو تو رکھ چھوڑیے حیا کے لیے

یہ کس کے وصل کی ہے آرزو کہ یاس بھی اب
دعائیں مانگ رہی ہے مری دعا کے لیے

دل و جگر کو مرے تاک کر وہ کہتے ہیں
نشانے خوب ہیں یہ ناوکِ جفا کے لیے

ٹپک رہی ہے مرے بال بال سے حسرت
درست کرتی ہے کیوں بار بار مشاطہ

یہ سب زبانیں ہیں اظہارِ مدعا کے لیے
شکست عیب نہیں گیسوِ دوتا کے لیے

امیر کعبے کو جاتا ہوں میں تو دیر سے بُت
پکارتے ہیں اِدھر بھی ذرا خدا کے لیے

کہہ رہی ہے حشر میں وہ آنکھ شرمائی ہوئی
ٹھوکریں کھلوائیگی یہ چال اُٹھلائی ہوئی
آئنے میں ہر ادا کو دیکھ کر کہتے ہیں وہ
جان بلب حسرت میں پاتی ہے جو مجھ ناشاد کو
کھل گیا جوبن تو عصمت سے حیانے یہ کہا
کہہ تو اے گلچیں اسیرانِ قفس کے واسطے
میں تو رازِ دل چھپاؤں پر چھپا رہنے بھی دے
کیفِ مستی میں بھی رہتا ہے یہ جوبن کا لحاظ
موت آتی روح جاتی ہے کرے کون اہتمام
کیوں ترے لب پر تبسم مجلسِ ماتم میں ہے
آنکھ اُٹھے پردہ ہٹے یہ بھی ہے کوئی دیکھنا
وصل کی شب واہ رہی بیتابیِ شوقِ وصال
غمزۂ ناز و ادا سب میں حیا کا ہے لگاؤ
جو ادا کی جس حسیں نے میری آنکھوں نے کہا
وصل میں خالی ہوئی اغیار سے محفل تو کیا
اُٹھ گیا پردہ تکلف کا جب اُٹھے جب نکلے ہاتھ
کیا پھلے پھولے گی اُمید دلِ پُر آرزو

ہائے کیسی اس بھری محفل میں رسوائی ہوئی
کیا جوانی پھرتی ہے جوبن پر اترائی ہوئی
آج دیکھا چاہیے کس کس کی ہر آئی ہوئی
کیا ہنسی پھرتی ہے ان ہونٹوں پر اترائی ہوئی
ایک انگڑائی سے ہم دونوں کی رسوائی ہوئی
توڑلوں دو چار کلیاں میں بھی مرجھائی ہوئی
جان کی دشمن یہ ظالم آنکھ للچائی ہوئی
اُنکو انگڑائی بھی آئی ہے تو شرمائی ہوئی
اک نگاہِ واپسیں پھرتی ہے گھبرائی ہوئی
یہ ہنسی بھی کیا مرے پھولوں میں ہر آئی ہوئی
آڑ میں گھونگھٹ کی آنکھ اور وہ بھی شرمائی ہوئی
شرم بھی نیچی نگاہوں سے تماشائی ہوئی
ہائے رے بچپن کہ شوخی بھی ہے شرمائی ہوئی
ہیں یہ سب پائے نگہ کی ٹھوکریں کھائی ہوئی
شرم بھی جائے تو میں جانوں کہ تنہائی ہوئی
آکے حسن و عشق میں مشاطہ انگڑائی ہوئی
یاس کے دامن میں ہی یہ پرورش پائی ہوئی

گرد اڑی عاشق کی تربت سے تو جھنجلا کر کہا ۔۔۔ واہ سر پر چڑھنے لگی پاؤں کی ٹھکرائی ہوئی

شعر گلدستے ہیں مجھ افسردہ دل کے کیا امیر
دامنِ گلچیں میں کچھ کلیاں ہیں مرجھائی ہوئی

کیا رنگ کہوں ضبطِ نفس پاسِ ادب کے ۔۔۔ پس پس گئی فریاد مری ہونٹوں میں دب کے
وہ آکے تصور میں جدا ہو گئے کب کے ۔۔۔ ہم لے رہے ہیں بوسے ابھی تک رخ و لب کے
غمزے رمضان میں ہیں وہی بنتِ عنب کے ۔۔۔ شعبان کے کام آئے نہ اعمال رجب کے
ٹھہریں کہیں محشر میں بھی بے جرم نہ مجرم ۔۔۔ کشتے تری آزردگیِ غیر سبب کے
جس نخل کے سائے کے تلے راہ میں ٹھہرے ۔۔۔ ہم راہروِ زار وہیں رہ گئے دب کے
دیوانو گلستاں کو چلو بادِ بہاری ۔۔۔ پتے جو اڑا لائی ہے خط ہیں یہ طلب کے
اُلٹیں تو وہ محشر میں ذرا چہرے سے پردہ ۔۔۔ آگے ابھی ہو جائیں گے پیچھے ہیں جو سب کے
ایک ایک گھڑی روزِ قیامت سے بڑی ہے ۔۔۔ کسطرح کٹیں چار پہر ہجر کی شب کے
لیں ساتھ مجھے ڈرتے ہیں کیوں حضرتِ موسیٰ ۔۔۔ طالب ہیں وہ خود دیدۂ دیدار طلب کے
بتلائیں گے کیا مجھ کو یہ دربار کا آئین ۔۔۔ خود ہوش ٹھکانے نہیں خدّامِ ادب کے
آئینے حسینوں تلک آنے بھی نہ پاتے ۔۔۔ افسوس یہ ہے ہم ہوئے حاکم نہ حلب کے
کس مے کے ہیں سائل یہ حبابِ لبِ دریا ۔۔۔ خالی ہے جو ایک ایک قدح ہاتھ میں سب کے
معشوقِ حقیقی میں بھی گرمی کی ہیں باتیں ۔۔۔ قرآن میں بھی آئے ہیں آیات غضب کے
واعظ کا کیسے ڈر ہے جو ساقی ہے سلامت ۔۔۔ ہم مست تو ملتے نہیں گردوں سے بھی دب کے
گھر بیٹھے ہمیں ہاتھ لگے منزلِ مقصود ۔۔۔ جب توڑ کے ہم بیٹھ رہے پاؤں طلب کے
جب تیغ تری آکے گلے ملتی ہے قاتل ۔۔۔ آتے ہیں ہمیں یاد مزے وصل کی شب کے
ہر ماہ ہیں دیکھا کیے وہ مصحفِ رخسار ۔۔۔ اس سال ہیں سب چاند ہوئے ہم کو رجب کے
سُنتے ہیں کہ آئیں گے حسین فاتحہ پڑھنے ۔۔۔ دن پھرتے نظر آتے ہیں کچھ گور کی شب کے

کوسوں کا تفاوت ہے، وفا اور جفا میں
بس گونگا تمہاری ہوں نہ تم ہو مرے ڈھب کے

وہ فتنہ ہے تو تن میں ترے چار عناصر
ہیں قہر کے آفت کے قیامت کے غضب کے

باقی ہے امیر اب تو فقط جان کا جانا
ہوش و خرد و تاب و تواں جا چکے کب کے

رندو جو ملو حضرتِ قاضی سے تو دب کے
سمجھو کہ بزرگوں میں ہیں یہ بنتِ عنب کے

دیوانو پری بن کے بہار آئی ہے اب لے
غمزے ہیں قیامت کے تو عشوے ہیں غضب کے

کیا رعب جنوں وادیٔ وحشت میں ہے اپنے
کانٹے بھی مرے چھالوں سے ملتے ہیں تو دب کے

بتخانے میں آؤ کبھی اے حضرتِ زاہد
دیکھو کہ تماشے ہیں عجب قدرتِ رب کے

سو لینے دے اے قبر ہم اٹھ لیں تو دبانا
آئے ہیں بھرے نیند میں جاگے ہوئے شب کے

اچھے وہ رہے سامنے اللہ کے او بت
جو بیٹھنے والے تھے تری بزم ادب کے

ساقی نے مجھے آنکھیں دکھا کر یہ کہی بات
دو جام مرے پاس ہیں یہ آپ کے ڈھب کے

افلاک نے چمکائے ستارے تو میں سمجھا
نقشے یہ اڑائے ہیں تری بزم طرب کے

دل ہی میں رہے جاتے ہیں سب حوصلے افسوس
کیا کیجئے معشوق نہیں ملتے ہیں ڈھب کے

ٹھوکر سے مرا سر نہ ہٹاؤ نہ ہٹاؤ
دیکھو کہیں کھل جائیں نہ یاں ہاتھ ادب کے

معلوم نہیں خونِ شہیداں کی تمہیں قدر
مہندی بھی ہے یاں باندھے ہوئے ہاتھ ادب کے

جی بھر کے تڑپتے انہیں چھاتی سے لگاتے
دل اور بھی دو چار جو ملتے اسی ڈھب کے

جی چاہے جہاں جائیں حسیں کون ہے مانع
ہمزاد نہیں کچھ جو رہوں ساتھ میں سب کے

ہر شب یہ کہتے ہو کہ ہم جاتے ہیں گھر کو
سب باتیں تو اچھی ہیں یہ فقرے ہیں غضب کے

ہر صبح جو ہوتے ہیں عیاں خطِ شعاعی
لوگوں کو خط آتے ہیں ادھر سے یہ طلب کے

زلفِ سیہ حور ہو یا تیرگیٔ گور
دونوں یہ نمونے ہیں مری ہجر کی شب کے

زاہد انہیں لوگوں کو وہاں چاہئیں حوریں
جو چاہنے والے ہیں یہاں بنتِ عنب کے

شاخوں پہ نہیں پھول یہ تختوں پہ ہیں پریاں
دیوانو بہار آئی نئے رنگ سے اب کے

ماتم میں مرے خاک ہوا نے یہ اُڑائی
جو گاڑنے آئے تھے وہ خود رہ گئے دب کے

قرآن میں امیرؔ آئے ہیں حوروں کے جو اوصاف
در پردہ وہ انداز ہیں سب حسنِ طلب کے

نازکی کہتی ہے تسمہ تو لگا رہنے دے
ناز کہتا ہے لگی میری ہلا رہنے دے

عشق کے راز کو پنہاں کوئی کیا رہنے دے
ناخن کچھ درد نہیں ہے کہ چھپا رہنے دے

خلشِ نوکِ مژہ کا نہ کر اے دل شکوہ
کیا مزے کی ہے یہ پھانس اُسکو چبھا رہنے دے

اے دل اس دور میں ایسی نہیں سنتا کوئی
نہ کر اس قصے کو اب ذکرِ وفا رہنے دے

بے پر و بال ہوں طاقت نہیں اُڑنیکی صبا
اک ذرا شاخِ نشیمن کو جُھکا رہنے دے

رو سیہ ہوں سرِ محشر نہ بلا داورِ حشر
مجکو تو خاک کے پردے میں چھپا رہنے دے

اے نمک پاش خدا کے لیے چٹکی نہ رُکے
کوئی دم اور تڑپنے کا مزہ رہنے دے

سو بلائیں ہیں مرے ہوش کی دشمن شبِ وصل
لے اُڑیں اور ادائیں جو حیا رہنے دے

درد بیدرد مرے دل کو ستاتا کیوں ہے
چپ پڑا ہے یہ غریب اسکو پڑا رہنے دے

جب وہ بت ہی نہیں جنت میں تو جنت کیسی
ایسی جنت سے تو دوزخ میں خدا[1] رہنے دے

بیقراری جو اُٹھاتی ہے مجھے اُس در سے
ضعف کہتا ہے نہ چھیڑ اسکو پڑا رہنے دے

دل لیا صبر لیا ہوش لیا جان ہی چھوڑ
کچھ تو گھر میں مرے اے دزدِ حنا رہنے دے

کثرتِ رنج سے رو رو کے نہ کر دل خالی
یہ بھرا گھر نہ اُجاڑ اس کو بسا رہنے دے

دلِ شکستوں کی نہ توڑ آس ترس کھا اے یاس
آسرا آسرے والوں کا لگا رہنے دے

اے فلک گورِ غریباں کو تو برباد نہ کر
اس لُٹے قافلے کا کچھ تو پتا رہنے دے

اِک کھٹک سی ہے مزے کو ہمیں درکار جنوں
کوئی کانٹا کسی چھالے میں چبھا رہنے دے

سو چمن صدقے کیے دامنِ گلچیں پر امیرؔ

[1] معاذاللہ

ذکر پھولوں کا یہاں بادِ صبا رہنے دے

لوٹ ہو جس پہ تبسم وہ دہن کس کا ہے
باہمیں منہ جو میں وہ اندازِ سخن کس کا ہے

فتنے پستے ہیں یہ بے ساختہ پن کس کا ہے
حشر کی کچھ نہیں چلتی یہ چلن کس کا ہے

پوچھا اے تیغِ ادا تیغِ قضا سے چل کر
تیرے چلتے ہوئے فقروں میں چلن کس کا ہے

تو اُسے لائے مرے گھر نہیں باور آتا
یہ نیا شعبدہ اے چرخِ کہن کس کا ہے

پھونک دیتی ہے دو عالم کو ہوائے دامن
تجھ میں اے گرمیِ رفتار چلن کس کا ہے

بات پھنس پھنس کے نکلتی ہے ہنسی ہنس ہنس کر
اسقدر تنگ سوا تیرے دہن کس کا ہے

چبھ رہی ہیں دلِ پرداغ میں پلکیں کس کی
تلتے ہیں پھولوں میں کانٹے یہ چمن کس کا ہے

گھر اُجڑتے بھی ہیں بستے بھی ہیں لیکن اے روح
جو اجڑ کر نہ بسے پھر وہ وطن کس کا ہے

دیر سے ہم گئے کعبے کو تو کعبے نے کہا
آئنے رہیے یہ گھر قبلۂ من کس کا ہے

تیر چٹکی میں کمان ہاتھ میں نخچیر فریب
انتظار اب تجھے اے تیر فگن کس کا ہے

میں تو ہوں غش میں وہ کہتے ہیں سنگھا کر مجھ سے
بوجھ تو جاؤ کہ یہ سیبِ ذقن کس کا ہے

نظر آتی ہے کہیں جب نئی چادر کوئی
دل دھڑکتا ہے کہ یارب یہ کفن کس کا ہے

دیکھ کر خط تیرے گالوں پہ یہ کہتی ہے بہار
کانٹے پھولوں سے ہیں نازک یہ چمن کس کا ہے

بولے مجھ زار کی تربت میں نکیرین امیر
لاش تو ہے نہیں خالی یہ کفن کس کا ہے

نہ سُنے دردِ دل مرا نہ سُنے
میں کہوں گا سنے وہ یا نہ سُنے

دل کی یارب وہ دلربا نہ سُنے
ایسی حسرت بھری صدا نہ سُنے

یوں وہاں چل کہ پاؤں کی آہٹ
پاسباں کیا ہے نقشِ پا نہ سُنے

کسی نا آشنا کا کیا شکوہ
آشنا کی جب آشنا نہ سُنے

لاکھ دلچسپ ہے مرا قصّہ
مگر اُسنے کبھی سُنا نہ سُنے

جو کسی کو بُرا بھلا نہ کہے ‌ ‌ وہ کسی سے بُرا بھلا نہ سُنے

دل وہاں ٹھنڈی سانسیں لیتا ہے ‌ ‌ کوئی فقرہ جلا بھنا نہ سُنے

خواہشِ وصل پر وہ شوخی سے ‌ ‌ بولے بس جانے دو حیا نہ سُنے

وائے قسمت جو سب کی سُنتا ہے ‌ ‌ وہ بھی عاشق کی التجا نہ سُنے

دل جو کہتا ہے بے اثر ہے دوا ‌ ‌ درد کہتا ہے چُپ دوا نہ سُنے

پھول آہستہ توڑ اے گلچیں ‌ ‌ دیکھ ظالم کہیں صبا نہ سُنے

وعدۂ وصل چپکے چپکے ہو ‌ ‌ غمزہ عشوہ ادا حیا نہ سُنے

حال پھولوں کا جو خزاں نے کہا ‌ ‌ کہیں بلبل وہ ماجرا نہ سُنے

میری فریاد رائگاں تو نہ ہو ‌ ‌ بُت ہی سُن لیں اگر خدا نہ سُنے

درد پر دل نثار دل پر درد ‌ ‌ ایسے دیکھے ہیں آشنا نہ سُنے

نالے میرے سنے وہ اور تڑپے ‌ ‌ میں سُناؤں اگر تو کیا نہ سُنے

بہت اے دل وفا وفا نہ پکار ‌ ‌ کہیں وہ دشمنِ وفا نہ سُنے

میں تو سُنتا ہوں تو جو کہتا ہے ‌ ‌ اے ستمگر مگر خدا نہ سُنے

رات تھوڑی سی حسرتیں بیحد ‌ ‌ کیا کرے کیا سُنے وہ کیا نہ سُنے

ناز اُٹھوانی ہے قضا مجھ سے ‌ ‌ کہیں اُس شوخ کی ادا نہ سُنے

جو کوئی درد آشنا ہو امیر
ادھر آئے مرا فسانہ سُنے

مُنہ پہ کہہ دیں گے ہم قیامت کے ‌ ‌ ہیں یہ غمزے کسی کے قامت کے

پھر وہ چمکے نصیب فرقت کے ‌ ‌ تم چلے دن پھرے قیامت کے

چھپتی پھرتی ہیں حسرتیں پسِ مرگ ‌ ‌ گوشے گوشے میں میری تربت کے

اس ادا سے چلے وہ حشر کے دن ‌ ‌ فتنے پس پس گئے قیامت کے

مچلے جاتے ہیں روٹھے بیٹھے ہیں
کیا گلے ہیں مری شکایت کے

عیش کر لو نئی جوانی ہے
یہی دو چار دن ہیں فرصت کے

ہجر کی ایک شب نے دکھلائے
سیکڑوں دن مجھے قیامت کے

جلوۂ بزم عیش و سیرِ چمن
ہیں تراشے سمندِ دولت کے

دیکھ کر دخترِ رز کو پگھلے شیخ
اب تو ٹھنڈے وضو ہیں حضرت کے

رتبہ دیکھو ہمارے نالوں کا
کنگرے ہیں قصورِ جنت کے

کیا کیا کوہکن سے شیریں نے
بھاگ سائے سے بے مروت کے

ناز کی طرح اُٹھے گا تابوت
ہم ہیں کُشتے تری نزاکت کے

باغ لوگوں کو ہم کو داغ ملے
تھے یہی پھول اپنی قسمت کے

دل کی افسردگی ہے مرکے وہی
جھلملے ہیں چراغ تربت کے

ہفت دوزخ کو جانتا ہے امیر
گرم فقرے تری شرارت کے

دل میں جو داغ ہیں ندامت کے
پھول ہیں سب یہ باغِ جنت کے

سونگھے جب پھول میری تربت کے
دوڑے سقے سحابِ رحمت کے

وصل کے دن قریب آتے ہی
جوڑ چلنے لگے نزاکت کے

کہتے ہیں عاشقوں سے اب اُٹھیے
مر سے جاتے ہیں پان رخصت کے

دل مرا اور آرزو تیری
جان صدقے ہو ایسی حسرت کے

تیری صورت بنا کے بیٹھ رہے
کارکن کارگاہ صنعت کے

کیوں نہ ہو رنگ آنسوؤں کا سیاہ
ہیں عزادار دل کی حسرت کے

ہو گئے سُرخ ہونٹھ باتوں میں
واہ کیا رنگ ہیں نزاکت کے

دونوں عالم ہوئے تہ و بالا
تم تھے پردے میں کیا قیامت کے

تیرے کشتوں کے حق میں ہیں قاتل
کہتے ہیں تم کو دیکھ کر یوسفؑ
جس کو دیکھا حسین لوٹ گئے
وصل کیونکر ہو دونوں قیدی ہیں
اُسکا نقشہ کھچے تو اے نقاش
اُسنے تلووں سے میرے دل کو ملا
قتل کو توڑ کر چلے آئے
رکھ کے خنجر گلے پہ کہتے ہیں

رگڑے خنجر کے گھونٹ شربت کے
صدقے اس پیاری پیاری صورت کے
ہم تو عاشق ہیں اس طبیعت کے
ہم نقاہت کے وہ نزاکت کے
رنگ بھرنا مری طبیعت کے
آج ارمان نکلے حسرت کے
وصل میں عذر تھے نزاکت کے
کیوں چکھادوں مزے محبت کے

جتنے تکیے میں سو رہے ہیں امیر
یار ہیں سب ہماری صحبت کے

یہ گالی جو اے دلربا مل رہی ہے
لگا چاہتی ہے کوئی آگ تازہ
بھری زہر سے ہیں عیادت کی باتیں
گلے پر جو رُک رُک کے چلتا ہی خنجر
الٰہی اُنہیں راس آئے یہ زینت
مرے قتل کا دن ہے کیا عید کا دن
بہار آتی ہے چہچہاتے ہیں بلبل
مرا دل وہ تلووں سے ملتے نہیں ہیں
امیر التجا کیوں کروں چارہ گر سے

دعا دی تھی اُسکی سزا مل رہی ہے
شرارت سے اُن کی حیا مل رہی ہے
مریضوں کو اچھی دوا مل رہی ہے
یہ گویا قضا سے ادا مل رہی ہے
لہو میں ہمارے حنا مل رہی ہے
گلے تیغ کے کیوں قضا مل رہی ہے
قیامت صدا سے صدا مل رہی ہے
یہ مٹی میں میری وفا مل رہی ہے
اذیت میں لذت سوا مل رہی ہے

امیر اب کہاں شعر میں کوئی کامل
رہی ہے تو اک بحر کامل رہی ہے

قد نے گیسو کو سر چڑھایا ہے — سرو سے بھی بلند سایا ہے

خود نہیں ابر گھر کے آیا ہے — شوق مستوں کا گھیر لایا ہے

روح پھر آگئی بدن میں مرے — دیکھو تربت پہ کون آیا ہے

سجدے کرتے ہیں طاق ابرو میں — ہمنے کعبہ نیا بنایا ہے

مشرب صلح کل میں اے زاہد — دیر بھی اک حرم کا سایا ہے

طرفہ آفت ہے روز فرقت بھی — حشر نے راس اسے بٹھایا ہے

دیدۂ تر سے کر کے ہم چشمی — کیا سمندر نے غوطہ کھایا ہے

گیسوؤں سے ضیائے رُخ ہے عیاں — نور مہتاب چھن کے آیا ہے

کھیلتے ہیں وہ غیر سے ہولی — دل لہو ہو کے رنگ لایا ہے

ہو نہو چین زلف میں ہو گا — ہم نے دل کا پتہ لگایا ہے

نقد طاعت جو روز کرتے ہیں نذر — خُلد کا پیشگی کرایا ہے

اُنس پیکاں سے کیوں نہ ہو دل کو — اپنا ہمشکل یار پایا ہے

گھڑیوں روئے ہیں ہم امیر لہو
زخم کوئی جو مسکرایا ہے

کیوں وہ شرمائیں اپنے دربان سے — حوریں چھپتی نہیں ہیں رضوان سے

نشتر اُنکی نکیلی پلکوں کے — مانگتے ہیں لہو رگِ جان سے

آبلے دلکے جب دکھاتا ہوں — چھیڑ دیتے ہیں نوکِ مژگان سے

پھنس کے بلبل نے دام میں یہ کہا — آب و دانہ اُٹھا گلستان سے

نخلِ اُمید یوں ہی ہیں سرسبز — سینچیئے اسکو آبِ پیکان سے

چاک کرنیکی وضع پوچھتی ہے — صبح محشر مرے گریبان سے

چاندنی کو اگر چمکنا ہے — مانگ لے ذرّے اسکی افشان سے

وحشتِ وحشت سے پیشتر اُٹھے   آگے چل نکلے ہم گریبان سے

یادِ مژگان ہوئی پیامِ اجل   خون آنے لگا رگِ جان سے

برگِ گل لکہ ہائے ابر نہیں   تیرے دامن مرے گریبان سے

پھول جھڑتے نہیں خزاں میں امیر   روٹھے جاتے ہیں گل گلستان سے

شکل آئینہ جو حیرت ہو گی   دیکھ لینے کی تو صورت ہو گی

کچھ تو پچھ جائیں گے آنسو میرے   لاش پر تم کو جو رقت ہو گی

کہتے ہیں آئیں گے ہم بھی پئے دفن   کنگھی چوٹی سے جو فرصت ہو گی

وصل میں شام سے یہ خوف رہا   صبح کو کیا مری حالت ہو گی

لوگ کہتے ہیں کہ بجلی چمکی   میری آہوں کی شرارت ہو گی

دوڑ ساقی کہ ترے مستوں کو   ہوش آیا تو قیامت ہو گی

نزع میں ہوں نہ چُراؤ آنکھیں   دیکھو پھر تم کو بھی حسرت ہو گی

کب تک اے شیخ حسینوں سے گریز   یہی حوروں کی بھی صورت ہو گی

ہے یہی چال تو دو ہی دن میں   آگے تم پیچھے قیامت ہو گی

گرد اے حور ترے کوچے کی   اڑ کے بوئے گل جنت ہو گی

یادِ خوباں ہے تو کیا رنجِ فراق   شب غم حور کی صورت ہو گی

دم لبوں پر ہے بہت دیر نہیں   آئیے جلد فراغت ہو گی

آئنہ دیکھیے ہنسیے نہ مجھے   آپ کی بھی یہی صورت ہو گی

بھجوا دی شیشہ نہ ٹوٹے کوئی   مجھ کو ساقی سے خجالت ہو گی

لاش اُس حور کے کوچے میں گڑی   روح اب داخلِ جنت ہو گی

ہم بھی محشر میں طلب ہونگے امیر   کیا قیامت میں قیامت ہو گی

نہ اُٹھو نزع میں حسرت ہوگی
یار پھر کا ہے کو صحبت ہوگی

آپ گھر غیر کے جائیں ہم بھی
مر ہی جائیں گے جو غیرت ہوگی

یہی بیتابیِ دل ہے تو مجھے
مر کے بھی خاک نہ راحت ہوگی

وہ تو ہونے کے نہیں گرمِ خرام
کون کہتا ہے قیامت ہوگی

روئیے گا نہ مرے ماتم میں
قبر میں مجھ کو اذیت ہوگی

گرمیِ مہر قیامت کیسی
طپشِ دل کی شرارت ہوگی

ہم سے دیوانے اگر جمع ہوئے
کیا پریشان قیامت ہوگی

کشتہ اک چاند سے رخسار کا ہوں
چاندنی چادرِ تربت ہوگی

آنکھ اُس حور کو تکتے تکتے
نرگسِ گلشنِ جنّت ہوگی

یہ اُٹھا دینے کی حکمت ہے نئی
کہتے ہیں پھر بھی زیارت ہوگی

دل اُٹھاؤنگا میں اُس سے ناصح
ناز اُٹھانے سے جو فرصت ہوگی

میں نے شکر ان کا کیا غیروں سے
اُن کو اس کی بھی شکایت ہوگی

آئنہ دیکھتے دو اُن کو امیر
دیکھنا اور ہی صورت ہوگی

اُٹھا پردہ تو شرم حائل ہوئی
طبیعت کہیں اُن کی مائل ہوئی
نہ پتلی سے پتلی مقابل ہوئی

جب اُس شمع رو سے مقابل ہوئی
جو پا زیب تھی وہ سلاسل ہوئی

بڑھا ہجر میں اس قدر ضعفِ دل
چراغِ سحر شمعِ محفل ہوئی

چھپا دخترِ رز کو پیرِ مغاں
مجھے سانس لینی بھی مشکل ہوئی

اجل آگئی اپنی پیری میں یاد
جواں ہو کے پردے کے قابل ہوئی

چھری کھینچ کے اس ترک کی میان سے
سحر کو جو گل شمعِ محفل ہوئی

کلیجے میں رکھنے کے قابل ہوئی

شبِ غم جو اُس زلف کا تھا خیال — بلا بھی پری بن کے نازل ہوئی
ہُوا وصل اُس سے تو اک دم کے دم — یہ سمٹی کہ شب آنکھ کا تِل ہوئی
ہُوا اگرم رحمت کا جب محکمہ — مرے جرم کی فرد باطل ہوئی
شبِ غم کی صورت نہ نکلی کبھی — بلا جو مرے گھر میں نازل ہوئی
کھچی قتل گہ میں جو تیغ ادا — قضا شوق سے بڑھ کے بسمل ہوئی
وہ لاغر ہوں باہر جو ہوں آپ سے — تو سمجھوں کہ طے کوئی منزل ہوئی
جوانی کے دن آئے نامِ خدا — وہ گات اب چھپانے کے قابل ہوئی
ہُوا دونوں آنکھوں سے یہ جوش اشک — کہ گنگا سے جمنا مقابل ہوئی
نظر بھر کے دیکھا یہ کس مست نے — کہ سرشار محفل کی محفل ہوئی
بڑھی قیدِ غم دیکھ کر زلفِ یار — مرے دل کی الجھن سلاسل ہوئی
چھری تیری مژگاں کی ایسی ہے تیز — کہ ساقی بطِ مے بھی بسمل ہوئی
وہاں باغ میں کی قبا گل نے چاک — یہاں ٹکڑے ٹکڑے سلاسل ہوئی
میں دیوانہ کیوں ہوش میں آگیا — یہ کیسی مری عقل زائل ہوئی

پڑھا ما عرفناک برسوں امیر
تو کچھ معرفت اس کی حاصل ہوئی

حجابِ نور ایسا درمیاں ہے — عیاں ہو کر وہ آنکھوں سے نہاں ہے
رقیبوں پر جو وہ بت مہرباں ہے — ہمارا حق نصیبِ دشمناں ہے
نزاعِ مرگ و ہستی اب کہاں ہے — قدم خنجر کا تیرے درمیاں ہے
کہیں وہ ایک بوسے پر جو دوں دل — کہ مال اچھا مگر قیمت گراں ہے
ہُوا تو ہے ترے عشاق موجیں — جدھر تو اُس طرف عالم رواں ہے
کہو لیلےٰ سے اب پردہ الٹ دے — ترے ناقے کا مجنوں سارباں ہے

اُٹھا جب ابر دوڑے مست بیخود
فلک کیا میفروشی کی دکاں ہے

زلیخا کیا جو تم کو دیکھ پائیں
کہیں یوسف بھی کیا اچھا جواں ہے

ہزاروں خوبرو رہتے ہیں اس میں
یہ دل بھی کیا تماشے کا مکاں ہے

تڑپ کر کہتے ہیں مژگاں کے کُشتے
یہ لذّت زخمِ خنجر بھی کہاں ہے

یہ وقتِ مرگ لیلیٰ کی دعا تھی
الٰہی خوش رہے مجنوں جہاں ہے

تم اپنے پاؤں سے کانٹے نکالو
مجھے اے ہمرہو فرصت کہاں ہے

نہیں بیوجہ میری بے قراری
کوئی شاید کسی کا میہمان ہے

صدا یہ تیشۂ فرہاد کی تھی
ارے تیری مشقت رائیگاں ہے

کرے دو حصّے مجھ کو تیغ اُس کی
امیر ایسی مری قسمت کہاں ہے

مہر الفت میں تیری جلتا ہے
صبح کا تجھ پہ دم نکلتا ہے

ہے زمانہ بھی کیا ترا بیتاب
رات دن کروٹیں بدلتا ہے

شمع کہتی ہے یہ پتنگوں سے
کہو پہلے سے کون جلتا ہے

حوریں کیونکر تری زباں سیکھیں
لب و لہجہ کہیں بدلتا ہے

سوزِ غم بعدِ مرگ بھی ہے وہی
ہڈیوں سے دھواں نکلتا ہے

مے گلرنگ یہ نہیں ہے امیر
دہن شیشہ لعل اُگلتا ہے

بدن میں جان شبِ وصل دلستاں آئی
اجل ہوا بھی ہو اسوقت تو کہاں آئی

ہزار طوطی و بلبل نے مشق پیدا کی
نہ اسکو آئی نہ اُسکو مری زباں آئی

بہار جوش پہ ہے مشورے ہیں پھولوں میں
ذلیل ہوگی جو اب باغ میں خزاں آئی

کہا جگر نے کہ اب چھیڑیے مرا قصّہ
جو خاتمے پہ کبھی دل کی داستاں آئی

پھری نہ مرضیِ جلّاد سے کبھی گردن
ہزار بار تہِ تیغ امتحان آئی

وہ بادہ کش ہیں قدم جمگئے امیر وہیں
جو میفروش کی ہم کو نظر دکان آئی

کوے جاناں میں ہوئی ہے شہادت میری
دامنِ حور کے سایے میں ہے تربت میری

آج کل آئنۂ یار ہے حیرت میری
چڑھتی ہے منہ پہ سکندر کے بھی قسمت میری

ہیچ میں عشق کے ہوں پر ہے یہ ہمّت میری
تیرے گیسو سے بھی بل کرتی ہے قسمت میری

ہنسکے فرماتے ہیں وہ دیکھ کے حالت میری
کیوں تم آسان سمجھتے تھے محبت میری

پھیر لیتا ہے مجھے دیکھ کے منہ آئینہ
میرے آگے سے سرک جاتی صورت میری

سو پہ بجانے سرے دشتِ جنوں کے صدقے
تخت پریوں کے اُڑا لائی ہے وحشت میری

یاد آتی ہے دمِ فکر جو وہ طرزِ خرام
ناز کرتی ہوئی چلتی ہے طبیعت میری

کیا وفادار ہے ناگور مرا ساتھ دیا
میرے گھر تک مجھے پہنچا گئی غربت میری

چارہ گر مجھ سے مکدر ہے الٰہی کیا ہے
آج مٹی ہوئی جاتی ہے طبیعت میری

کس سے شرماتے ہو تم وصل میں یاں غیر نہیں
میں ہوں یا ایک مرے پاس ہے حسرت میری

ہو چکے قتل دو عالم تو کہا ظالم نے
آج کچھ رنگ پہ آئی ہے طبیعت میری

چاہ سے قتل کرو پیار سے مٹی دیدو
ہائے اتنی بھی نہیں تم کو مروّت میری

میں نے آغوشِ تصور میں بھی کھینچا تو کہا
پس گئی پس گئی بیدردو نزاکت میری

ہاتھ جوبن تلک اُنکے تو پہنچتا ہی نہیں
چٹکیاں دل میں مرے لیتی ہے حسرت میری

لامکاں میں نہ پتا ہے نہ مکاں میں میرا
مجھ کو کیا جانے کدھر لیگئی وحشت میری

بیدھڑک وصل میں چلاؤ نہ اتنا دیکھو
کہیں گھبرا کے نکل آئے نہ حسرت میری

جرمِ الفت سے میں انکار اگر کرتا ہوں
آئینہ سامنے رکھ دیتی ہے حسرت میری

یار پہلو میں ہے تنہائی ہے کہدو نکلے
آج کیوں دل میں چھپی بیٹھی ہے حسرت میری

حور آئی مری تربت پہ تو میں یہ سمجھا
تجھ سے اے بادِ صبا مجھ کو یہ اُمید نہ تھی

آزماتے ہیں ابھی تک وہ محبت میری
یار پھولوں کو ترس جائیگی تربت میری

کس ڈھٹائی سے وہ دل چھین کے کہتے ہیں امیر
وہ مرا گھر ہے رہے جس میں محبت میری

بعد مرنے کے بھی چھوڑی نہ رفاقت میری
میری تربت سے لگی بیٹھی ہے حسرت میری

ایسی نازک ہے ترے ہجر میں حالت میری
تو بھی چاہے تو نہ نکلے کوئی صورت میری

دھوم ہے روزِ قیامت کی قیامت کیسی
آئی ہے بھیس بدلکر شبِ فرقت میری

پھول داغوں کے مرے دل میں جو دیکھے تو کہا
کیا ریاں خوب بناتی ہے محبت میری

چین سے حور کے آغوش میں میں سوتا ہوں
سیج فردوس کے پھولوں کی ہے تربت میری

آئنہ دیکھ کے شرمائے تو ہنسکر بولے
ابتو مجھ سے بھی لجانے لگی صورت میری

توبہ کی جان کو بجلی ہے چمک بجلی کی
بدلی آتے ہی بدل جاتی ہے نیّت میری

مستی سرمے کے لیے قاف میں پریاں لیجائیں
کہیں نکلے تو ترے دل سے کدورت میری

درِ قاتل کا پتا دیتی ہے مشتاقوں کو
خضر بن بیٹھی ہے اس کوچے میں تربت میری

وصل میں چھیڑ کا شکوہ نہ زباں پر لانا
چوم لیگی ترے ہونٹوں کو شکایت میری

کہتے ہیں مال ہے میرا تو مجھی کو دیدو
کیوں بغل میں لیئے بیٹھے ہو محبت میری

آئنہ صبح شبِ وصل جو دیکھا تو کہا
دیکھ ظالم یہی تھی شام کو صورت میری

توبہ بھی کر کے خمِ مے کا نہ پیچھا چھوڑا
مُہر کی طرح لگی رہتی ہے نیّت میری

مجھ کو کیا غم نہیں دیتے ہیں وہ مٹی تو نہ دیں
خاک میں مجھ کو ملا دے گی کدورت میری

کہتے ہیں اپنی نزاکت کے میں صدقے جاؤں
کہ بچا لیتی ہے یہ وصل میں عزت میری

جسطرف دیکھ لیا اُس نے وہ چلّا اُٹھا
دیکھیے دیکھیے وہ آئی طبیعت میری

بیخودی نے کیا بال و پرِ عنقا پیدا
میرے گم ہونے سے عالم میں ہے شہرت میری

دخترِ رز کہتی ہے واعظ سے کہ میں کچھ ہی ہوں
مگر اللہ کے گھر میں تو ہے حرمت میری

قہر سے حشر میں یہ کہکے چھڑایا مجھ کو
جانے دے اس کی طرفدار ہے رحمت میری

آرسی آئنہ چوری میں ہیں دونوں اُستاد
جب بچی آنکھ چرا لینگئے حیرت میری

جب میں جانوں کہ بدلتا ہے زمانہ کروٹ
وصل کی شب سے بدل دے شبِ فرقت میری

جان بلب ہوکے بھی دم توڑ رہا ہوں میں اسیر
اسقدر ضعف پر اللہ رے طاقت میری

مر کے بھی ایسی شگفتہ ہے طبیعت میری
پھولوں کے ساتھ کھلی جاتی ہے تربت میری

کہتے ہیں حسن میں دیکھے کوئی عصمت میری
کہ نہیں ملتی ہے پریوں سے بھی رنگت میری

خنجرِ ناز نے نوشاہ بنایا مجھکو
آئی مقتل میں دلھن بنکے شہادت میری

وصل میں اُن کی حیا دیکھ کے نکلے کیونکر
دل میں شرمائی ہوئی بیٹھی ہے حسرت میری

خاک میں مجھ کو ملا کر بھی ہوئے صاف نہ وہ
مٹ گیا میں نہ مٹی ہائے کدورت میری

شمع روتی ہے بہت اُسکو اٹھالے کوئی
بیٹھ جائے نہ کہیں کچّی ہے تربت میری

دیکھتے ہیں وہ آئنہ تو کہتا ہے یہ عکس
تم تو بنتے ہو بگڑتی ہے طبیعت میری

اپنے مستوں پہ کڑی پڑتی ہے ساقی کی نگاہ
آج مشکل ہے کہ ثابت رہے نیّت میری

کہتے ہیں میری جگہ پیار کیا کر اس کو
میں نہیں تو ترے دل میں ہے محبت میری

گلۂ جور کیا میں نے تو وہ بُت بولا
قدرت اللہ کی تم اور شکایت میری

عمر گذری ہے نکلنے کا نہیں لیتی ہے نام
شبِ فرقت بھی ہے شاید کوئی حسرت میری

فاتحے کو جو وہ آیا تو لپٹ کر رویا
نقشِ حُب بن گئی تعویذ سے تربت میری

آج گھر میں مجھے جنت کا مزہ آتا ہے
گیسوئے حور کی لٹ ہے شبِ وصلت میری

دل سے باتیں میں کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں
سُن رہا ہوں میں کیے جاؤ شکایت میری

شان پیدا ہوئی ہے عشق میں معشوق کی
جوڑ ہے تیری نزاکت کا نحافت میری

کہتے ہیں آئنے کی آنکھ سے شرم آتی ہے
میری صورت سے بھی ملتی ہے جو صورت میری

کھوٹے دیتی ہیں مرے دل کو لٹیں زلفونکی
رانہیں گلیوں میں بھٹک جاتی ہے میری

ہاتھ سینے سے جھٹک دیتے ہیں وہ سوتے میں
رات کو روز سرک جاتی ہے دولت میری

حسن اور عشق ہم آغوش نظر آجاتے
تیری تصویر میں کھچ جاتی جو حیرت میری

آس تھی روز قیامت کی نہ آیا وہ بھی
چکھ گئی اُسکو بھی شاید شب فرقت میری

بھیجدے شاہد رحمت کو اب اے ربِ کریم
ہمنشیں کوئی نہیں سونی ہے تربت میری

الفتِ موئے کمر نے یہ گھلایا ہے امیر
آئنے میں نظر آتی نہیں صورت میری

بے ترے حالت ہے گلزار کی
نکہتِ گل سانس ہے بیمار کی

حکم ہے باتیں کرو اغیار کی
واہ فرمائشیں ہیں یار کی

مل گئیں ہم سے نگاہیں یار کی
ہوگئیں آپس میں باتیں پیار کی

ہوں وہ لاغر در پر اُسکے گر پڑا
کھا کے ٹھوکر سایۂ دیوار کی

اُٹھ چلے جب وہ خبر دی موت نے
نبض ابھی چلتی ہے اس بیمار کی

حال مجھ سے سر پٹکنے کا نہ پوچھ
دیکھ لے حالت در و دیوار کی

خشمگیں ہے یار ظاہر ہیں تو ہو
ہم نظر پہچانتے ہیں پیار کی

دل میں رہیے خواہ آنکھوں میں حضور
جلوہ گاہیں دونوں ہیں سرکار کی

جرم میرے حد سے باہر ہیں تو ہوں
رحمت اُن سے بڑھکے ہے غفار کی

شمع کی آتش زبانی پر نہ جا
اور ہوتی ہے زباں گفتار کی

ہجر میں باقی نہیں کچھ میرے پاس
اک شکایت ہے تو وہ بھی یار کی

فرطِ بیماری سے میں گھٹتا نہیں
گو غشت کھائے جاتی ہے غمخوار کی

آکے بالیں پر مرے بولی اجل
میں دوا ہوں عشق کے آزار کی

گل ترے عارض کے دیوانے ہوئے
پھاڑے کپڑے راہ لی بازار کی

وہ مسلماں ہوں اگر توڑوں میں بت
صاف آواز آئے استغفار کی

عاجزی کس دن مرے گھر سے گئی
ہے وہی افتادگی دیوار کی

حشر کے دن بھی وہ نہ آئے نظر
دل میں حسرت رہ گئی دیدار کی

اے امیر اسکی لگاوٹ پر نہ جا
مار ڈالیں گی نگاہیں پیار کی

دم تری الفتِ پوشیدہ کا بھرنے والے
دل جلے سینہ جلے اف نہیں کرنے والے

عشق میں جی سے گزرتے ہیں گزرنے والے
موت کی راہ نہیں دیکھتے مرنے والے

داغ دل سے مرے کہتا ہے یہ اسکا جوبن
دیکھ اسطرح ابھرتے ہیں ابھرنے والے

بزمِ ماتم میں کبھی شب ہی کو آجا چھپ کر
او مرے سوگ کے پردے میں سنورنے والے

پھر بہار آئی ہے پھر ہم کو جنوں ہوتا ہے
کیا دن آئے ہیں فراغت سے گزرنے والے

دیدہ و دل میں رقیبوں کے بسے ہیں جا کر
میری آنکھوں سے مرے دل میں اترنے والے

آخری وقت بھی پورا نہ کیا وعدۂ وصل
آپ آتے ہی رہے مر گئے مرنے والے

پھر کھچیگی مے گلرنگ چڑھیں گے نشے
خوشے انگور کے رندو ہیں اترنے والے

اُٹھے اور کوچۂ محبوب کو پہنچے عاشق
یہ مسافر نہیں رستے میں ٹھہرنے والے

بام پر کھولکے زلفوں کو وہ خود کہتے ہیں
راستہ بند یہی سانپ ہیں کرنے والے

بحرِ ہستی میں جو ڈوبے تو عدم میں نکلے
پار اتر جاتے ہیں یوں پار اترنے والے

نزع میں ہم ہیں غمِ عشق یہ چلاتا ہے
دیکھ غربت میں مجھے چھوڑ نہ مرنے والے

دلِ بیتاب مگر آہ کوئی کی تو نے
رو اُٹھے چھینکے کیوں بات نہ کرنے والے

اب مزے اُٹھیں گے اُٹھتی ہے جوانی اُنکی
نخلِ امید سے دو پھل ہیں اترنے والے

کیوں رقیبوں سی چلوں میں کہ یہ سب ہیں ای ترک
ذکر میرا تری سرکار میں کرنے والے

وقت انکار زباں چلتی ہے خنجر کی طرح
خون اقرار کا کرتے ہیں مکرنے والے

جان دینے کو کہا اُن سے تو ہنسکر بولے
تم سلامت رہو ہر روز کے مرنے والے

آب خنجر کو بھی قاتل نے مجھے ترسایا
نہ دیے حلق سے دو گھونٹ اُترنے والے

مردے پر مردے مزاروں میں گڑینگے تا حشر
لاکھ مہماں ہوں یہ گھر نہیں بھرنے والے

تیغ و خنجر سے نہ جھگڑا سر و گردن کا مٹا
چل دیے موڑ کے منہ فیصلہ کرنے والے

نزع میں کیا نظر آتا ہے کوئی برق جمال
آنکھیں کر لیتے ہیں کیوں بند یہ مرنے والے

کبھی داغوں کے چمن پر بھی نظر حسرت سے
او مرے پھولوں میں پھولوں سے سنورنے والے

جب میں کہتا ہوں کہ مرتا ہوں تو کہتی ہے اجل
مر بھی چک اب کہیں اور روز کے مرنے والے

نزع کا وقت جو گزرا تو خوشی کیا اُس کی
ایسے صدمے ابھی کتنے ہیں گزرنے والے

آسماں پر جو ستارے نکل آئے تو امیر
یاد آئے مجھے داغ اپنے اُبھرنے والے

اک ذرا دیکھ تو کیا کتنے ہیں مرنے والے
او غریبوں کے مزاروں پہ گزرنے والے

پھر کہاں دل کا پتا دل میں حسیں جب آئے
گھر بھی لیجاتے ہیں اس گھر میں ٹھہرنے والے

دلِ عشاق کے ٹکڑے نہیں یہ پرچے ہیں
داورِ حشر کی خدمت میں گزرنے والے

موت کہتی ہے کہ دیتے تو حسینوں پہ ہیں جان
اور مجھے مفت لیے مرتے ہیں مرنے والے

منہ پہ اُڑ اُڑ کے نہ آئیں تو گُندھے کیوں چوٹی
مشکیں بندھواتے ہیں خود بال بکھرنے والے

جلوے ان برق جمالوں کے غضب ہیں دل کو
برسوں تڑپائیں گے دم بھر کے ٹھہرنے والے

آئے تربت پہ تو وہ کوٹ کے ماتھا بولے
سر ٹپکواتے ہیں سر پاؤں پہ دھرنے والے

ساتھ دو چار کو لے نکلیں گے ہم مقتل سے
پڑ کے مرتے نہیں جو لڑ کے ہیں مرنے والے

تار اشکوں کا نہ ٹوٹے گا لپٹ کر اُن سے
اب گلے سے نہیں یہ ہار اُترنے والے

نقش پا سے بھی اپاہج کہیں دیکھے ہی نہیں
ہر قدم پر یہ مسافر ہیں ٹھہرنے والے

حوریں بولیں گئے جنت کو جو مستانۂ عشق
آئے کوثر سے نہا دھو کے نکھرنے والے

گھر کے گھر کر دئے خالی ترے غصّے نے مگر
آج تک تجھ کو بھرے جاتے ہیں بھرنے والے

دل دھڑکتا ہے مرا دیکھ کے جوبن کا اُبھار
چُوم لیں مُنہ نہ تمہارا یہ اُبھرنے والے

غمِ کونین سے جھنجلا کے یہ بولا غمِ عشق
بھاگ تجھ سے دِلِ عاشق نہیں بھرنے والے

ہمتو دم کوچۂ جاناں ہی میں جا کر لیں گے
گور کیسی نہیں جنت میں ٹھہرنے والے

چاند کو داغ لگائیں جو ملیں وہ غازہ
چاندنی میلی ہو نکھریں جو نکھرنے والے

روح نے پردے میں توبہ کے کیے لاکھ بناؤ
زاہد اسطرح سنورتے ہیں سنورنے والے

خوب پہچان گئے اہل ہوس کو وہ امیر
نظروں پر چڑھ گئے سب دل سے اُترنے والے

لیکے دل کہتے ہیں وہ بال بکھرنے والے
کہ بگڑنے میں بھی بنتے ہیں سنورنے والے

ہائے قاتل نہیں ملتا کہیں شمشیر بکف
سر ہتھیلی پہ لیے پھرتے ہیں مرنے والے

دو قدم وہ جو چلے فتنے یہ چلّا اُٹھے
اب نہیں پاؤں قیامت کے ٹھہرنے والے

بولے وہ آئنہ خانے میں عجب سیر ہے یاں
ساری دنیا کے اِکٹھا ہیں سنورنے والے

کہتے ہیں کیجیے عشاق کی خاطر کب تک
اُنکے دل تو نہیں دیدار سے بھرنے والے

کام آئیگی نہ ظاہر کی چمک محشر میں
عرقِ شرم میں ڈوبیں گے نکھرنے والے

جتنے عارف ہیں وہ دنیا سے الگ رہتے ہیں
خضر کب گھر میں ہیں رہزن کے ٹھہرنے والے

یوں بدلنے کے نہیں لالہ و ریحان کے لباس
ٹکڑے ہو ہو کے یہ کپڑے ہیں اُترنے والے

جان لینے کا سلیقہ تو اجل کو آئے
جان مرنے سے چُراتے نہیں مرنے والے

کھچکے محرم جو بندھی اور بھی اُبھرا جوبن
کہیں دبتے ہیں دبانے سے اُبھرنے والے

زلفیں ہونگی جو پریشاں تو جھڑیگی افشاں
بال کے ساتھ یہ موتی ہیں بکھرنے والے

ملگجے پن میں جو حوروں کی خبر لیتے ہیں
کیا قیامت ہے وہ ہیں آج نکھرنے والے

عشق نے پھیر کے منہ پر مرے زردی یہ کہا
ہم ہیں رنگ آپکی تصویر میں بھرنے والے

کہو بلبل سے کہ منقار کی لائے مقراض
پھول پاؤں کے لیے ہیں وہ کترنے والے

خم کے خم ہوگئے خمخانۂ غم میں خالی
دل نہ مستوں کے بھر تھک گئے بھرنے والے

چتونیں کہتی ہیں کرتا ہے جو وہ وعدۂ وصل
کیا کہا پھر تو کہو او کہہ کے مکرنے والے

قابلِ رحم قیامت میں نہ ٹھہرینگے امیر
رحم دنیا میں غریبوں پہ نہ کرنے والے

خاکی نژاد خاک کے اندر چلے گئے
جس گھر سے آئے تھے پھر اُسی گھر چلے گئے

شب اُٹھکے انجمن سے جو تم گھر چلے گئے
ہم اُٹھ سکے نہ آپ سے باہر چلے گئے

کیں چلتے چلتے مڑکے نگاہیں یہ تیز تیز
دل میں مرے چبھوکے وہ نشتر چلے گئے

غیروں کے بند بند کیے یار نے جُدا
پر اُن کے جوڑ توڑ برابر چلے گئے

تربت پہ میری ہاتھ اُٹھانے کا ذکر کیا
وہ فاتحے سے ہاتھ اُٹھاکر چلے گئے

ملکِ عدم کی آمد و شد کا ہے کیا شمار
ستّر جہان میں آئے بہتّر چلے گئے

مجھ سخت جان سے چل نہ سکا قاتلوں کا زور
مقتل میں توڑ توڑ کے خنجر چلے گئے

دل پر ہے اختیار نہ قابو ہے جان پر
کیا جانے کیا وہ پھونک کے منتر چلے گئے

اے ہمصفیر اُڑ نہ سکا جب میں ضعف سے
اُڑ اُڑ کے سوئے باغ مرے پر چلے گئے

آئے وہ کیوں اس آنے سے حاصل ہی کیا ہوا
چپ تھوڑی دیر بیٹھے اٹھے گھر چلے گئے

بجلی ابھی چمک کے چھپی یا وہ ناز سے
جھلکی دکھا کے پردے کے اندر چلے گئے

شیشے پکارتے ہیں کہ رندانِ بادہ نوش
آئے تباہ کرکے مرا گھر چلے گئے

ہنستے ہوئے وہ سامنے آئے جو مثلِ برق
مانندِ ابر ہمکو رُلا کر چلے گئے

آنکھیں لڑانے غیر سے نکلے تھے وہ مگر
دیکھا جو مجھ کو آنکھ چُرا کر چلے گئے

کیا ہستی و عدم کا کہیں حال اے امیر

اس گھر سے تنگ جب ہوئے اُس گھر چلے گئے

جو گھر میں پھر کے ہم اُنکے حضور سے آئے
کلیمؑ پھرِ ملاقات طور سے آئے

خطا معاف کریں آئیں شب کو وہ چھپ کر
وہ دن بھی فضلِ خدائے غفور سے آئے

سمندِ ناز سے اُترے نہ بیٹھنا کیسا
وہ آئے گھر مرے پر کس غرور سے آئے

خدا تو عفو کرے بار بار دیکھ کے جرم
غضب ہے باز نہ بندہ قصور سے آئے

وہاں یہ حکم کہ کپڑے بھی چھین لو اسکے
یں منتظر کوئی خلعت حضور سے آئے

دکھاؤں دخترِ رز کا جمال واعظ کو
کہ شرم کچھ اُسے تعریفِ حور سے آئے

لحد میں آئے نکیرین تو میں یہ سمجھا
نقیب مجھ کو بلانے حضور سے آئے

وہ بادہ کش ہوں کہ ہو جاؤں مست حشر کے دن
صدائے قلقلِ مینا جو صور سے آئے

ہمیں نہ تم سے ملا کچھ رہے وہی اچھے
کہ خالی ہاتھ تو موسیٰؑ نہ طور سے آئے

گناہگار ترے گیسوؤں کے محشر میں
بندھے ہوئے رسنِ زلفِ حور سے آئے

بخیر کیجئے گا یاد حضرت موسےؑ
کبھی جو ذکر ہمارا حضور سے آئے

امیر اپنی جو آنکھیں ہوں طالب دیدار
چمک کے برق ابھی کوہ طور سے آئے

آکے غربت میں ہمیں عیشِ وطن بھول گئے
لطف اُٹھایا یہ قفس میں کہ چمن بھول گئے

نجد میں پھرتے ہیں کیوں چار طرف سرگرداں
کیا نشاں مرقدِ مجنوں کا ہرن بھول گئے

اب تو بھولے سے بھی کرتا نہیں تو یاد ہمیں
جتنے وعدے تھے سب اے عہد شکن بھول گئے

میں وہ دیوانۂ عریاں تھا کہ مرقد میں عزیز
دفن کرنے لگے مجھ کو تو کفن بھول گئے

قید میں طول کھچا یہ کہ اسیرانِ قفس
شکلِ گل بھول گئے رنگِ چمن بھول گئے

بخت بیدار ہوئے آکے ترے کوچے میں
صورتِ خوابِ فراموش وطن بھول گئے

دل کو ہر پیچ میں گیسوئے رسا کے ڈھونڈا
پر یہ چوکے کہ ترا چاہِ ذقن بھول گئے

سالہا سال ہوئے ہیں نہیں آئی ہچکی
کیا غریبوں کو عزیزانِ وطن بھول گئے

نالے گھٹ گھٹ کے مرے دل ہی میں رہتے ہیں امیر
کیا بلا انکو ہوئی راہِ دہن بھول گئے

تیغ کھینچے جو یار آتا ہے
اور بھی مجھ کو پیار آتا ہے

دل کو اب کب قرار آتا ہے
سُن لیا ہے کہ یار آتا ہے

بال کھولے جو یار آتا ہے
گھر کے ابرِ بہار آتا ہے

زلف و رُخ کو سنوار آتا ہے
اور کیا تجھ کو یار آتا ہے

تیرے وعدے سے عشق ہو اُسکو
ساتھ ہی اعتبار آتا ہے

وصل میں اُس کو کس نے بُلوایا
غصّہ کیوں بار بار آتا ہے

دیکھ کر مجھکو چتونوں سے کہا
وہ تمہارا شکار آتا ہے

روز تکیوں میں جا کے دل میرا
دوستوں کو پکار آتا ہے

کیا مصیبت عدم میں ہے یارب
کدھر اک اشکبار آتا ہے

اک نظر دل کو دیکھ لو دیکھو
کب سے امیدوار آتا ہے

درجِ دل میں مری تسلّی کو
گریۂ بے اختیار آتا ہے

تم کو آتا ہے پیار پر غصّہ
مجھ کو غصّے پہ پیار آتا ہے

چین آتا نہیں مزار پہ آج
کون سُوئے مزار آتا ہے

کہتے ہیں آنکھیں بند کر لو تم
اِسی رستے سے پیار آتا ہے

گردِ کلفت کو دل میں دو نہ جگہ
آئنے میں غبار آتا ہے

زندگی میں کبھی نہ آ نکلا
مر گئے پر قرار آتا ہے

تیری رحمت کو دیکھ کر مجرم
حشر میں شرمسار آتا ہے

ذبح کے وقت اُسکی گھبراہٹ
دیکھ کر مجھ کو پیار آتا ہے

بیقراری کا گھر ہے دل میرا
تو کہاں اسے قرار آتا ہے

فتنے کہتے ہیں دیکھ کر اُس کو
فتنۂ روزگار آتا ہے

جائے شکوہ مری زباں پر امیر
شکر بے اختیار آتا ہے

جب سے بلبل تو نے دو تنکے لئے
لوٹتی ہیں بجلیاں اُن کے لیے

مے نہ دی قرض اُستے دو دنکے لیے
جسنے توڑے ہیسے گن گن کے لیے

دن مرا روتا ہے میری رات کو
رات روتی ہے مری دن کے لیے

ہے جوانی خود جوانی کا سنگار
سادگی گہنا ہے اس سن کے لیے

پاک رکھا پاک دامن سے حساب
بوسے بھی گن کے دیے گن کے لیے

کون ویرانے میں دیکھیگا بہار
پھول جنگل میں کھلے کن کے لیے

ساری دنیا کے ہیں وہ میرے سوا
میں نے دنیا چھوڑ دی جنکے لیے

ذرہ ذرہ دُردِ مے کا زاہدو
دُوربیں ہے چشم باطن کے لیے

وصل میں جھنجلا کے وہ بولے کہ ہائے
کن کا جوبن اور ہے کن کے لیے

کیمیا گر آگ سا دیکھا نہیں
تار سونے کے دئے رتنکے لیے

باغباں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی
بھیجنا ہے ایک کمسن کے لیے

سب حسین ہیں زاہدونکو ناپسند
اب کوئی حور آئیگی ان کے لیے

جائیے سونپا خدا کو جائیے
تھا یہ سارا حسن ضامن کے لیے

ذبح کرنے میں بڑا مشاق ہے
گھر ہو مسلخ میں مؤذن کے لیے

وصل کا دن اور اتنا مختصر
دن گنے جاتے تھے اس دنکے لیے

کھا گیا ہم ناتوانوں کو فراق
کھول کر منہ دیونے تنکے لیے

صبح کا سونا جو ہاتھ آتا امیر

بھیجتے تحفہ مؤذن کے لیے

تند مے اور ایسے کمسن کے لیے
ساقیا ہلکی سی لا ان کے لیے

حور یا رب ہے جو مومن کے لیے
بھیجدے دنیا میں دو دن کے لیے

وائے قسمت وہ بھی کہتے ہیں برا
ہم برے سب سے ہوئے جنکے لیے

پی بھی لے زاہد جوانی میں شراب
عمر بھر ترسے گا اس دن کے لیے

گالیوں میں بھی بتوں کی ہے مزہ
اک ہنر ہے عیب بھی ان کے لیے

دخترِ رز سی پاک دامن چاہیے
شیخ جی سے پاک باطن کے لیے

کہتے ہیں چھپنے کی بھی اچھی کہی
پردے میں بیٹھینگے ہم ان کے لیے

دل کا ضامن تو ترا کیا اعتبار
پہلے اک ضامن ہو ضامن کے لیے

چھاؤنی چھائیگی کیا فوجِ خزاں
صرصر آئی باغ میں تنکے لیے

وصل میں بولے جھٹک کر ہاتھ وہ
پھول پھل سب آج ہیں انکے لیے

بن سنور کر آرسی دیکھا کیے
سب تکلف تھے یہ ہمسن کے لیے

مجھ سے رخصت ہو مرا عہدِ شباب
یا خدا رکھنا نہ اس دن کے لیے

جھاڑتی ہے کون سے گل کی نظر
بلبلیں پھرتی ہیں کیوں تنکے لیے

کھا گئی پیری جوانی کو مری
ہائے تھی یہ رات اس دن کے لیے

بوسہ بازی میں انہیں دھوکے دیے
بے گنے دس ملیں دس گن کے لیے

لاش پر عبرت یہ کہتی ہے امیر
آئے تھے دنیا میں اس دن کے لیے

عجب عالم ہے اسکا وضع سادی شکل بھولی ہے
کبھی جاتی ہے دل میں کیا رسیلی نرم بولی ہے

ادا میں کھیلتی ہے رنگ تلوار اس نے تولی ہے
لہو کی چلتی ہیں پچکاریاں مقتل میں ہولی ہے

سیاہی داغ کی سرخی میں ہے یا جوشِ مستی میں
یہ لالے نے مے گلرنگ میں افیون گھولی ہے

بہار آئی چمن ہوتا ہے مالا مال دولت سے
نکالا چاہتے ہیں زر گرہ غنچوں نے کھولی ہے

عجب ملبوس ہے ہم وحشیوں کا رخت عریانی
گریباں ہے نہ دامن ہے نہ پردہ ہے نہ چولی ہے

گھٹا کی سیر حجرے سے نکل کر دیکھ اے زاہد
نہانے کو یہ چوٹی حور نے جنت میں کھولی ہے

پری نے قاف میں دیکھی جو وہ تصویر بول اُٹھی
میں اس صورت کے صدقے ہائے کیسی بھولی بھولی ہے

خفا کیوں ہو جو آوازے کسے عاشق نے غیروں پر
یہ آزادوں کی باتیں ہیں یہ انکی بولی ٹھولی ہے

صراحی دور میں آتی ہے زاہد ہو جو محفل میں
جھکا لیں اپنی آنکھیں دختر رز کی یہ ڈولی ہے

نظر بازی سے جو ملتی ہے لذت دل میں رکھتے ہیں
ترے دیدار کے بھوکے فقیروں کی یہ جھولی ہے

ادا ہی سے تری مرتا ہے جو مرتا ہے دنیا میں
قضا کہتے ہیں جسکو وہ اسی سانچے کی گولی ہے

جگاتی ہے یہ کہہ کر صبح پیری چشم غافل کو
بس اُٹھ او نیند کی ماتی کہ شب بھر خوب سو لی ہے

طمع سے وہ نگاہ شوخ جا لپٹی ہے دشمن سے
کمر بجلی نے کو وہ آتش افشاں کی ٹٹولی ہے

وہ کہتے ہیں کہ ہم آنکھوں میں سب کو تاڑ لیتے ہیں
محبت ساری دنیا کی اسی کانٹے میں تولی ہے

صبا اُن منہ بندھی کلیوں نے شبو کسکی چوری کی
کہ تو نے صبح کو ایک ایک کی لقچی ٹٹولی ہے

امیر ایسے شگفتہ ہیں مضامین نازک و رنگین
غزل کیا ہے یہ پھولوں سے بھری گلچیں کی جھولی ہے

عجب ناگن ہے زلف اسکی کہ جس محفل میں کھولی ہے
وہاں سے جو چلا ہے اُٹھکے اُسکے ساتھ ہو لی ہے

تصور میں امر کیا کیا پری مضمون بھرتے ہیں
مری نازک خیالی ان حسینوں کی مجھولی ہے

طمع کی لت مرے پر بھی نہیں جاتی حریصوں سے
کمر تخت الثریٰ میں جاکے قاروں کی ٹٹولی ہے

گلوری کھائی اُس غنچہ دہن نے تو یہ مرجھائے
کہ ہے جو پھول گلشن میں مرے پاؤں کی ڈھولی ہے

کہاں ہے قصر شاہی میں چھپر کھٹ نازنینوں کا
وہ بچوں کا گھروندا ہے یہ گڑیوں کی کھٹولی ہے

کرم کرتی ہے رحمت دیکھیے کسپر کہ محشر میں
وہ صف پرہیزگاروں کی یہ میخواروں کی ٹولی ہے

چھپا کر منہ نہ رلوا اسکو روز حشر او ظالم
جہاں تک آنکھ سے رویا گیا فرقت میں رو لی ہے

نہ روک اے سخت جانی جانے دے اب جانِ بسمل کو
گلے مل مل کے رخصت خنجرِ قاتل سے ہولی ہے

خوشامد اے دلِ بیتاب اس تصویر کی کب تک
یہ بولا چاہتی ہے پر نہ بولے گی نہ بولی ہے

ادا کی تیغ ہی سے ساری دنیا ہو چکی بسمل
نکیلی چتونوں نے اب یہ برچھی کس پہ تولی ہے

سوا تیرے کسی کا آئنے نے منہ نہیں دیکھا
تجھے دیکھا ہے جب سے آرسی نے آنکھ کھولی ہے

تصور میں بھی اُن کو کھینچتا ہوں تو وہ کہتے ہیں
مسک جائے نہ او بیدرد نازک میری چولی ہے

بہارِ لالہ و گل دو گھڑی تو دیکھ لینے دے
ابھی نرگس نے او گلچیں چمن میں آنکھ کھولی ہے

اکیلے تم کہاں ہو وصل کی شب دل لگانے کو
ہنسی ہے چھیڑ ہے آپس کی چہلیں ہیں ٹھٹھولی ہے

کلی گل کی ہو راضی وصل پر بلبل سے کیا ممکن
ہزاروں منتوں پر تو چٹک کر منہ سے بولی ہے

امیر اس بیوفا دنیا کی صورت پر نہ تم جاؤ
بڑی عیار ہے مکار ہے ظاہر میں بھولی ہے

بتوں ہی میں ہے وہ بت کچھ تجھے خبر بھی ہے
چھپا ہوا انہیں فتنوں میں فتنہ گر بھی ہے

یہاں تو جان بھی ہے دل بھی ہے جگر بھی ہے
تری نگاہ میں کچھ جذب کا اثر بھی ہے

لپٹ کے تم سے تصور میں کوئی سوتا ہے
کدھر خیال تمہارا ہے کچھ خبر بھی ہے

وہ تیغ میان میں کرتے ہیں کوئی یہ کہدے
کہ اک غریب سا مشتاقِ قتل ادھر بھی ہے

یہ بیخودانِ محبت پہ طعن اے واعظ
مزے سے بے خبری کے تجھے خبر بھی ہے

گئے جہان سے منعم مگر تزک نہ گیا
کہ بعد مرگ سنہری مزار پر بھی ہے

عجب رفیق ہے یہ بیکسی کہ بعدِ فنا
سرِ مزار مجاور بھی نوحہ گر بھی ہے

جو تیر دل کی طرف اُس کماں سے چلتا ہے
پکارتا ہے وہیں سے کہیں جگر بھی ہے

نہ دستِ ناز میں رکھیں تو کیا کریں آخر
کہاں وہ تیغ کو باندھیں کہیں کمر بھی ہے

ہوائے شوقِ احبا ابھارتی ہے امیر
وگرنہ مجھ میں کہیں طاقتِ سفر بھی ہے

لاش پر اشک تری آنکھ سے بارے نکلے
شکر ہے آج تو ارمان ہمارے نکلے

کیا دھواں آہ شرر بار کا ہے تیرہ و تار
دن کی شب ہوگئی گردوں پہ ستارے نکلے

یاد دلوائیں وہ آنکھیں نہ ہرن صحرا کے
ہم وطن سے ہیں اسی درد کے مارے نکلے

مر گئے عشق میں ہم تم سے یہ اُمید نہ تھی
چار آنسو بھی نہ ماتم میں ہمارے نکلے

شام ہوتے ہی ہوئی کیسی شب وصل سحر
دل سے ارمان ہمارے نہ تمہارے نکلے

خوب دیکھا تو کیے چرخ نے ہم پر جو ستم
وہ بھی در پردہ تمہارے ہی اشارے نکلے

کوہ پر جا کے جو ہم سوختہ جان بیٹھ گئے
گرمیاں کرنے کو پتّھر سے شرارے نکلے

کونپلیں پھوٹیں تو اُن سے یہ صدا آئی امیر
سر پہ سودائیوں کے چلنے کو آرے نکلے

نالۂ بلبل سے دل پر چوٹ ایسی لگ گئی
روتے روتے باغباں کو آج ہچکی لگ گئی

ہمصفیرو اس چمن میں ہوں میں وہ درد آشنا
غنچہ بھی چٹکا تو میرے دل پہ گولی لگ گئی

بیعتِ پیرِ مغاں سے رل گیا بامِ مُراد
سلسلہ پیدا ہوا رفعت کا سیڑھی لگ گئی

واہ رے شوقِ تماشا وہ ابھی گھر ہی میں ہیں
اُٹھ گئی دیوار در پر بھیڑ ایسی لگ گئی

تا کجا بیداد اب فریاد کی طاقت نہیں
باغباں آواز میں بلبل کے پتی لگ گئی

دردِ دل نے اُٹھ کے پہلو وہیں چونکا دیا
رات بھر میں ایک پل جب آنکھ میری لگ گئی

آنکھ بدلی اے امیر اُس نے میں بسمل ہو گیا
واں نگہ ترچھی ہوئی یاں دل پہ برچھی لگ گئی

زیرِ گیسو شوخیِ چشمِ پر پردہ اور ہے
اس ختن میں طرز جست و خیز آہو اور ہے

دور اتنا کس لئے کھچتی ہے شمشیرِ ہلال
جسکا بسمل ہے جہاں وہ تیغِ ابرو اور ہے

تن منقش بوریے سے ہے اگر کیا فائدہ
فقر کے جامے کو زینت دے وہ اُتّو اور ہے

روتی ہے شبنم گلستاں میں تو ہنستے ہیں پھول
پانی پانی جو کرے دل کو وہ آنسو اور ہے

وہ گلابی پوش آیا ہے مگر گلگشت کو
جامے سے باہر ہیں گل رنگ اور ہی بُو اور ہے

ملگیا ہوں تجھ میں میں ہر چند مثلِ آب و رنگ
بوئے یوسفؑ مصر سے کنعاں میں لاتی ہے صبا
بوالہوس دم دیکے کیا لیگا مرے قاصد سے خط
بہرِ بالش حور کا زانو ہمیں درکار کیا
کان میں موتی جو تم پہنو بڑھے یہ آبرو
یار آیا دیکھنے اب تو ٹھہر جا کوئی دم
جنبشِ مژگاں سے مارا ناتوانوں کو تو کیا
بوئے گل رکھ چھوڑ کیا ہم کو اُڑاتی ہے صبا

شوق کہتا ہے ابھی میں اور ہوں تو اور ہے
اب دماغ حضرت یعقوبؑ میں بو اور ہے
چلگیا تھا جو پیمبر پر وہ جادو اور ہے
جب پہ ہم سر رکھ کے سوتے ہیں وہ زانو اور ہے
بحر سے قطرہ کہے میں اور ہوں تو اور ہے
میرے تڑپانے کا وقت اے دردِ پہلو اور ہے
بانکپن کی نوک اسے ترک جفا جو اور ہے
تازہ ہے جس سے دماغ اپنا وہ خوشبو اور ہے

آہو چیں کب پھنسا سکتا ہے ہم کو اے امیر
شیر کو جو صید کرتا ہے وہ آہو اور ہے

چشمِ مخمور کو کیا کام قدح نوشی سے
زندگی بھر ہیں رہا جامۂ عریانی میں
کبک سے ہو جو ہم آغوش تو لذت اُٹھے
چُپ ہُوا جبکی طرف گھور کے تم نے دیکھا
تذکرہ کچھ تو کیا میری پریشانی کا
رنگ گلزار تحیر نظر آیا جب سے

کم نہیں سرمہ ترا دارو بیہوشی سے
مرگ کے بعد ہے کیا کام کفن پوشی سے
لطف کیا ماہ کو ہالے کی ہم آغوشی سے
کم نہیں گردِ نظر سرمۂ خاموشی سے
آج اُلجھے وہ بہت زلف کی سرگوشی سے
غنچہ ساں بند ہیں لب لذتِ خاموشی سے

خالق ناراض خدا ناخوش امیر اس سے ہے
عیب بدتر نہیں انسان میں حق پوشی سے

ہے یقین پھر دلِ عاشق نہ کبھی غم میں رہے
مرگِ دشمن کی خبر سُنکے بھی ماتم میں رہے
شاد دل غم میں رہے عید محرم میں رہے

عشق جا کر جو ترے حسن کے عالم میں رہے
ہم خوشی میں بھی رہے یوں کہ کوئی غم میں رہے
کچھ سپیدی کبھی مرے جامۂ ماتم میں رہے

غم کہاں جائے رہیگا نہ رہینگے جب ہم
ہم تو جب تک رہے عالم میں اسی غم میں رہے

غنچۂ گل کو چمن میں یہ ہُوا ہے اے گل
عطرداں بن کے ترے گیسوئے پرخم میں رہے

شوخیوں نے کسی قاتل کی کیا ہے بسمل
مر بھی جائیں تو یقیں ہے کہ تڑپ ہم میں رہے

پاس عصمت ہے یہ ہے حکم مرے ساقی کا
دامن دختر رز پنجۂ مریم میں رہے

خم بھی رویا مجھے پیمانہ بھی رویا مجھ کو
جتنے تھے چھوٹے بڑے سب مرے ماتم میں رہے

آکے بگڑی ہوئی اس باغ کی دیکھی جو ہوا
منشورے کوچ کے شب بھر گل و شبنم میں رہے

جمع ہیں سائل دشنام ذرا منہ کھولو
ہے غضب قفل جو دروازۂ حاتم میں رہے

چارہ گر مشک نہیں سودۂ الماس سہی
جز و کوئی مزۂ زخم کا مرہم میں رہے

لب جاں بخش کی ہے یاد تو مرنا کیسا
موت کیونکر عمل عیسیٰ مریم میں رہے

بیخودی سے ہمیں یہ حال نہ تا زیست کھلا
ایک عالم میں رہے ہم کہ دو عالم میں رہے

اور کوئی تو عزادار نہ تھا غربت میں
میرے کاندھوں کے فرشتے مرے ماتم میں رہے

اپنے بیگانے کو روتے ہی کٹی عمر امیر
کبھی دشمن کے کبھی دوست کے ماتم میں رہے

دو جہاں چھوڑ کے عشاق ترے غم میں رہے
دونوں عالم سے جدا تیسرے عالم میں رہے

عاقبت بیں ہو تو خود عیش یہاں غم میں رہے
ڈوب کر خندۂ گل گریۂ شبنم میں رہے

محو تصویر کی صورت یہ ترے غم میں رہے
نہ رہے اتنے بھی باقی کہ خودی ہم میں رہے

حیف ہے تم مرے مرنے کا ذرا غم نہ کرو
آنکھ تر شمع کی پروانے کے ماتم میں رہے

غیر کے رنگ میں ملتے ہیں کہیں اہل صفا
سبزۂ گُل پہ سپیدی وہی شبنم میں رہے

صرصر مرگ اڑا لیگئی سب پھولوں کو
خار ہی خار فقط گلشن عالم میں رہے

کنگھی چوٹی میں مری جان دکھاؤ وہ ادا
پھنس کے مشاطہ کا دل گیسوئے پرخم میں رہے

شرم کے ساتھ ہے شوخی بھی تمہیں میں کیا خوب
لطف تو جب ہے کہ وہ تم میں تو وہ ہم میں رہے

دل میں عصیاں کے یہ ہے ایک نہو داخل خلد
عفو کہتا ہے کہ کوئی نہ جہنم میں رہے

چوڑیاں ٹوٹی ہوئی نیل بدن پر ہیں پڑے
بزم دشمن میں کہ تم مجلس ماتم میں رہے

باتیں ناصح کی سنیں یار کے نظارے کیئے
آنکھیں جنت میں رہیں کان جہنم میں رہے

زعفراں کی بھی پیالی ہو کوئی پھولوں میں
اثرِ خندۂ شادی مرے ماتم میں رہے

اُنکے تڑپانے کی طاقت جو نہیں ہم میں نہو
کاش اپنے ہی تڑپنے کی سکت ہم میں رہے

مرگ عاشق کی خبر آئی تو جھنجلا کے کہا
روز سو مرتے ہیں کب تک کوئی ماتم میں رہے

تو اُلجھتا ہے اُلجھنے سے اگر بالوں کے
بھیجدے مجھ کو یہ الجھن بھی مرے دم میں رہے

ہم وہ ہیں رند کہ رندی کا نہ لے نام امیر
آکے دو دن پسر نوح اگر ہم میں رہے

حسن مرنے کا یہ ہے حسن مرے غم میں رہے
سوگ میں بیٹھے ادا ناز بھی ماتم میں رہے

گر غریب الوطنی بھی نہ مرے غم میں رہے
اور پھر کون ہے جو غربت میں جم ماتم میں رہے

کبھی کعبے میں چلے دور کبھی جنت میں
کشتیِ مے کبھی کوثر کبھی زمزم میں رہے

یاس اس کو بھی تو رہنے نہیں دیتی دل میں
کاش اُمید ہی ملنے کی تری ہم میں رہے

جسطرح ریگ رہے شیشۂ ساعت میں رواں
چلتے پھرتے ترے مشتاق دو عالم میں رہے

وصل کا دن ہے سنورنے کو بگڑنا کیسا
جاکے اب چین جبیں گیسوئے پرخم میں رہے

ہنس ہی دیں وہ مرے پھولوں میں رونے ہی سہی
تازگی کچھ تو مری مجلسِ ماتم میں رہے

باغ جنت سے اسی کی تو بدولت نکلے
کیوں نہ شق سینۂ گندم غم آدم میں رہے

میرے گھر کیا ہے شب ہجر جو روز آتی ہے
یہ بلا جاکے کسی گیسوئے پرخم میں رہے

پانی جتنا تھا وہ سب پی گئے پینے والے
خاک اُڑانے کو ہیں چشمۂ زمزم میں رہے

روح تا چند رہے تن میں کچھ انصاف بھی ہے
قید کب تک یہ پری قالب آدم میں رہے

بانکی چتون سے کنکھیوں میں کرو مجھ کو شکار
نوک کی بات کبھی کوئی نگہِ کم میں رہے

گرمیِ ہجر میں یاد آئی جو اُن آنکھوں کی — لپکے آغوش میں حوروں کو جہنم میں رہے
دیکھے ہجر میں عالم جو مرے جینے کا — مر نہ جائے تو اجل نزع کے عالم میں رہے
جذبِ اُلفت جو ہوا اپنی چمن میں باندھے — مثل پتلی کی طرح دیدۂ شبنم میں رہے

جان اس کشمکش نزع پہ صدقے ہے امیر
رنگ اگر اُسکی کھچاوٹ کا بھی کچھ دم میں رہے

وصل ہو جائے یہیں حشر میں کیا رکھا ہے — آج کی بات کو کیوں کل پہ اُٹھا رکھا ہے
محتسب پوچھ نہ تو شیشے میں کیا رکھا ہے — پارسائی کا لہو اس میں بھرا رکھا ہے
کہتے ہیں آئے جوانی تو یہ چوری نکلے — میرے جوبن کو لڑکپن نے چرا رکھا ہے
دل سی شے گردِ کدورت میں ستم ہے کہ نہیں — ہائے کیا خاک میں ظالم نے ملا رکھا ہے
یاس گھیرے ہوئے ہے مجھ کو مگر ہاں کچھ کچھ — آسرا تیری لگاوٹ نے لگا رکھا ہے
کہتے ہیں میری بلا جانے ترا دل ہے کہاں — چور ہیں کیا مرے دشمن کہ چرا رکھا ہے
خونِ عاشق کو ہے اب وسترس اُس تک مشکل — منہدی نے پہلے ہی سے رنگ جما رکھا ہے
کہتے ہیں ناز کی لذت کا تو کچھ شکر نہیں — اور مزہ یہ ہے کہ نام اُس کا جفا رکھا ہے
ہیں تمہارے ہی تو جلوے کے کرشمے سارے — اُسکو کیا تکتے ہو آئینے میں کیا رکھا ہے
یاد آتا ہوں کبھی میں تو پہن لیتے ہیں — ایک جوڑا مرے پھولوں میں بسا رکھا ہے
ناز سے کشتۂ انداز کو پامال بھی کر — یہ ستم کس کے لئے تو نے اُٹھا رکھا ہے

آدمی زاد ہیں دنیا کے حسین لیکن امیر
یار لوگوں نے پریزاد بنا رکھا ہے

آپ نے غیر کا خط ہم سے چھپا رکھا ہے — دیکھیے دیکھیے تکیے میں وہ کیا رکھا ہے
ہیں تغافل میں بھی سرگرمِ ستم وہ آنکھیں — آپ تو سوتے ہیں فتنوں کو جگا رکھا ہے
دیکھنا صبح کو انجام جو ہوگا اے شمع — تو نے سر پر تو پتنگوں کو چڑھا رکھا ہے

ناز سے وار کیا اُس نے یہ کہہ کر مجھ سے
لے یہ خنجر بھی ترے دم کو لگا رکھا ہے

ہم چلے دیر سے کعبے کو تو وہ بُت بولا
جا کے لے لیجیے کعبے میں خدا رکھا ہے

کہتے ہیں دل تو ہُوا خون میری حسرت میں
اور یہ کیا ہے جو پہلو میں دبا رکھا ہے

بیخودی نقشِ خودی ہم سے نہیں مٹ سکتا
تو مٹانے پہ جو آئے تو مٹا رکھا ہے

حشر پر قامتِ جاناں کا ہے جلوہ موقوف
اس قیامت کو قیامت پہ اُٹھا رکھا ہے

دخترِ رز ہوش میں آنے نہیں دیتی مجھ کو
اس پری نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے

سر مرے گردِ گنہ تو ہی کھلا دے اس کو
صور نے شور قیامت کا مچا رکھا ہے

جان بھی ہجر میں دیدیتے مگر ہم نے امیر
کسی موقع کے لئے اس کو لگا رکھا ہے

اِک عمر ہو گئی کہ اقامت سفر میں ہے
نقشہ مگر وطن کا ابھی تک نظر میں ہے

جو خون ابل چلے وہ مری چشمِ تر میں ہے
جو داغ رنگ لائے وہ میرے جگر میں ہے

دن رات یاد ہے دُرِ دنداں یار کی
کشتی ہماری عمر کی آبِ گہر میں ہے

ہم ہیں برنگِ لالہ ازل سے الم نصیب
جزوِ بدن ہے داغ جو اپنے جگر میں ہے

اے بحرِ حسن دیکھ تڑپ انتظار کی
مچھلی ہے مردمک جو مری چشمِ تر میں ہے

نیرنگیاں تصورِ کامل کی دیکھیے
تصویرِ یار دل میں ہے نقشہ نظر میں ہے

مرتا ہے اُس پہ غیر بھی تو میں ہوں بیقرار
دشمن کے دل کا داغ بھی میرے جگر میں ہے

دنیائے بے ثبات میں کیا ہو ہمیں ثبات
جس گھر میں ہم مقیم وہ گھر ہی سفر میں ہے

قاتل ابھی سوار بھی گھر سے نہیں ہُوا
کشتوں کا ڈھیر چار طرف رہگزر میں ہے

رکھتا نہیں زمیں پہ مارے خوشی کے پاؤں
شاید جوابِ خط کمرِ نامہ بر میں ہے

یارب امیر کے بھی گناہوں سے درگزر
یہ بھی تو آخر اُمتِ خیر البشرؐ میں ہے

یہ سب ظہورِ شانِ حقیقت بشر میں ہے — جو کچھ نہاں تھا تخم میں پیدا شجر میں ہے

ہر دم جو خونِ تازہ مری چشمِ تر میں ہے — ناسور دل میں ہے کہ الٰہی جگر میں ہے

کھٹکا رقیب کا نہیں آغوش میں ہے یار — اسپر بھی اک کھٹک سی ہماری جگر میں ہے

واصل سمجھیے اُس کو جو سالک ہے عشق میں — منزل پہ جانیے اُسے جو رہگزر میں ہے

آنکھوں کے نیچے پھرتی ہے تصویر یار کی — پتلی سی اک بندھی ہوئی تارِ نظر میں ہے

کرتے ہیں اس طریق سے طے ہم رہِ سلوک — سر اُسکے آستان پہ قدم رہگزر میں ہے

پہلو میں میرے دل کو نہ اے درد کر تلاش — مدت ہوئی تباہی کا مارا سفر میں ہے

مسّی کی کیا بہار ہے دندانِ یار پر — سوسن کا پھول چشمۂ آبِ گہر میں ہے

ہو دردِ عشق ایک جگہ تو دوا کروں — دل میں جگر میں سینے میں پہلو میں سر میں ہے

صیاد سے سوال رہائی کا کیا کروں — اُڑنے کا حوصلہ ہی نہیں بال و پر میں ہے

قاصد کو ہاتھ داغ کے بھیجا ہے یار نے — خط کی نئی رسید کفِ نامہ بر میں ہے

تیرِ قضا کو ناز ہے کیا اپنے توڑ پر — اتنا اثر تو یار کی سیدھی نظر میں ہے

آجاؤ تیغ باندھ کے پھر سیر دیکھ لو — میرے گلے پہ ہے کہ تمہاری کمر میں ہے

ساقی مے طہور میں کیفیتیں سہی — پر وہ مزہ کہاں ہے جو تیری نظر میں ہے

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

حسین تو ہے وہ مروت نہیں اگر نہ سہی — غضب کی آنکھ تو ہے لطف کی نظر نہ سہی

پہنچ ہی جائیگا لکھیں تو اُسکو نامۂ شوق — چلیں گے آپ ہی ہم لیکے نامہ بر نہ سہی

مری طپش سے مرے دل کی بیقراری سے — تمام خلق ہے واقف تمہیں خبر نہ سہی

تمہاری ایک نظر میں تو کام ہوتا ہے — گھڑی ہی بھر کو چلے آئیے عمر بھر نہ سہی

یہی ہجومِ بلا ہے تو کوئی دم میں ہے صبح — شبِ فراق کی اے دل نہیں سحر نہ سہی

شگفتہ صورتِ گل داغِ دل تو ہیں پسِ مرگ
بھلا نہ کہہ تو بُرا بھی نہ کہہ اُنہیں زاہد

چڑھائے پھول نہ اُس گل نے قبر پر نہ سہی
خدا کا خوف تو کچھ کر بتوں کا ڈر نہ سہی

امیرؔ نالہ کشی ہجر میں نہیں ہے عبث
بخارِ دل کا نکل جائیگا اثر نہ سہی

طور پر اے طپشِ دل ہیں وہ آنے والے
آج ہم تجھ کو ہیں بجلی سے لڑنے والے

آئنہ سامنے آتا ہے عوض لینے کو
ہوشیار او مرے دیوانہ بنانے والے

شام ہوتے ہی شبِ وصل بجاتا ہے گجر
ہاتھ ٹوٹیں تیرے گھڑیال بجانے والے

دیکھ کر چار طرف عکس وہ اپنا بولے
کیوں مجھے گھیرے ہیں یہ آئنہ خانے والے

ہم جو پہنچے تو قیامت میں ہوا غل آئے
دھجیاں دامنِ محشر کی اُڑانے والے

جامِ مے کاتبِ اعمال کو بھی دے ساقی
دو بزرگ آئے ہیں ساتھ اگلے زمانے والے

بولے حسرت سے وہ تابوت کو کاندھا دیکر
بوجھ اٹھواتے ہیں اب ناز اُٹھانے والے

اشکِ خجلت عرقِ شرم نہیں دونوں ہو
دمِ آخر مری بگڑی کے بنانے والے

آگ کعبے میں لگاتا ہے یہ کیا کرتا ہے
توبہ کر توبہ کر او دل کے جلانے والے

کشتۂ چشمِ پری ہوں مجھے انسان نہ چھوئیں
ہوں پریزاد جنازے کے اُٹھانے والے

سو عزیز آئے مگر دو بھی نہ نکلے افسوس
چار آنسو مری تربت پہ بہانے والے

لاش پر میری وہ آئے تو نزاکت نے کہا
کہ یہ کاندھے نہیں تابوت اُٹھانے والے

جب کہا میں نے کہ قاتل مجھے ٹھنڈا کر دے
بولے ٹھنڈا نہیں کرتے ہیں جلانے والے

عصمت و شرم سے کہتی ہے جوانی ان کی
اب بٹھائیں انہیں پردے میں بٹھانے والے

تیغِ قاتل سے میں لپٹا تو وہ کھنچکر بولی
یہ بڑے آئے گلے مجھ کو لگانے والے

خاک از رنج و غم اندوہ سے آباد ہو دل
ہیں یہ سب خانہ خرابی کے گھرانے والے

اپنے آئینے سے وہ پوچھتے ہیں کون ہو تم
میری تصویر کو سینے سے لگانے والے

دل سے جھنجلا کے یہ کہتا ہے خیالِ جاناں
کون ہو تم مجھے ہر وقت بُلانے والے

کیسی راہ عدم آباد ہے ہموار امیر
چین سے سوتے چلے جاتے ہیں جانیوالے

دمِ اخیر تو ظالم ذرا نگاہ ملے
کچھ اس غریب مسافر کو زادِ راہ ملے

ہمیں بھی طور پہ موسیٰ کی طرح راہ ملے
کبھی تو دیکھنے والوں سے بھی نگاہ ملے

وہ بغلیں جھانکیں جو سایہ میانِ راہ ملے
چُرائیں آنکھیں اگر عکس سے نگاہ ملے

میں ہوں وہ کعبہ نشیں جا کے دیر کے در پر
پکارتا ہوں کوئی بت خدا کی راہ ملے

دل و جگر کی تڑپ دیکھ کر وہ کہتے ہیں
کہ مدعی سے بھی چالاک یہ گواہ ملے

وہ تیغ کھینچے ہوئے کہہ رہے ہے محشر میں
زبان کاٹ کے رکھدوں جو دادخواہ ملے

ہم اے مسیح ہیں اغماض سے ترے بیدم
ہماری نبض ملے گر تری نگاہ ملے

میں اپنے نامۂ اعمال کی بلائیں لوں
جو تجھ سے رنگ کچھ اے گیسوِ سیاہ ملے

ہزاروں وعدے کئے پر نہ کی وفا اک دن
فقیر بھی ہمیں جھوٹوں کے بادشاہ ملے

گذرتے جاتے ہیں کیا جلد وصل کے دن رات
مرے رقیب سے شاید ہیں مہر و ماہ ملے

دل و جگر بھی طرفدار ہو گئے اُن کے
مرے حریف سے جا کر مرے گواہ ملے

کروں میں دعوتِ پیرِ مغاں تکلف سے
جو ایک رات کو زاہد کی خانقاہ ملے

کرم کرے جو وہ بندہ نواز بندوں پر
بتوں کو ڈھونڈنے نکلیں خدا کی راہ ملے

کھلے جو لب ترے اقرار وصل کرنے میں
ہُوا میں خوش کہ برابر کے دو گواہ ملے

لباس فقر کا ایسا پسند ہے مجھ کو
بناؤں پھاڑ کے گدڑی جو رختِ شاہ ملے

لنڈھاؤ چار طرف خُم کے خُم یہ میخوار و
کہ محتسب کو خرابات کی نہ راہ ملے

امیر میکدۂ معرفت کو یوں جاؤں
کہ راہ میں کوئی مسجد نہ خانقاہ ملے

دو رکریم پہ محشر میں تاکہ راہ ملے
گناہگاروں میں چھپ چھپ کے بیگناہ ملے

فنا جو قبل فنا ہو بقا کی راہ ملے
یہ قلعہ وہ ہے جہاں موت سے پناہ ملے

نشان خاک نظر آئے قافلے کا مجھے
ہوا وز بیچ میں پردہ جو گردِ راہ ملے

وصال مرتبۂ انتہا ہے عاشق کو
گہر نہ ہاتھ لگیں جب تلک نہ تھاہ ملے

ہجوم یاس سے قالب میں روح ٹھہری ہے
چھٹے یہ بھیڑ تو اس راہرو کو راہ ملے

چلا میں دشتِ مصیبت میں چال سوزن کی
قدم قدم پہ مجھے ڈوبنے کو چاہ ملے

جو وہ سپر ہو تو مژگان مردمک کی طرح
ہزار تیروں میں انسان کو پناہ ملے

ہٹا کے آئنہ رکھدوں دل اُسکے زانو پر
کسی بہانے تو اُس شوخ سے نگاہ ملے

اس آسرے پہ میں پھرتا ہوں دشتِ غربت میں
سُراغ یاروں کا پوچھوں جو گردِ راہ ملے

اتاروں آئنہ دل میں عکس کی صورت
ذرا نگاہ سے اُسکی اگر نگاہ ملے

حریصِ جرم کیا ہے یہ عفو نے تیرے
کہ مانگ لوں اگر ابلیس سے گناہ ملے

پڑا ہے ہجر میں وہ تفرقہ جو تو ڈھونڈے
تو میں کہیں مرا سایہ کہیں تباہ ملے

ہم اس اُمید پہ محشر سے خلد کو پہنچے
کہ شاید آگے ترے گھر کی ہم کو راہ ملے

یہ چاہ اُس کی جس نے کنوئیں جھکائے امیر
سمجھکے چاہِ ذقن گر پڑوں جو چاہ ملے

سرِ راہ عدم گورِ غریباں طرفہ بستی ہے
کہیں غربت برستی ہے کہیں حسرت برستی ہے

حقیقت دخترِ رز کی کیا ہے کیا رندوں کی ہستی ہے
ترے دم سے یہ ساقی گرمی بازارِ مستی ہے

تری مسجد میں واعظ خاص ہیں اوقات رحمت کے
ہمارے میکدے میں رات دن رحمت برستی ہے

ہمیں شاہد پرستی میں سمجھ معذور اے واعظ
جوانی کا ہے نشہ بیخودی ہے جوش مستی ہے

خمارِ نشۂ مے سے نگاہیں اُن کی کہتی ہیں
یہاں کیا کام تیرا یہ تو متوالوں کی بستی ہے

ہزاروں قتلگہ میں آرزومندِ شہادت ہیں
تمہاری تیغ دیکھا چاہیے کس پر برستی ہے

جوانی لیگئی ساتھ اپنے سارا عیش مستوں کا
صراحی ہے نہ شیشہ ہے نہ ساغر ہے نہ مستی ہے

دم مستی شرو کی اشکباری دیکھ اے ساقی
گھٹا ہلکی سی ہے پر جھوم کر کیا کیا برستی ہے

جوانی داغ دیجائیگی ناز اس پہ نہ کر غافل
برنگ مستی طاؤس کوئی دم کی مستی ہے

بتوں کے عشق نے الحمد تک ہم کو رسائی دی
ہماری بت پرستی نزد یزدان حق پرستی ہے

ہمارے گھر میں جب دانا آتی ہے گس حرص کی آمد
بچھپر کمٹ کو پری آکر بچانے سے گستی ہے

کبھی کروٹ نہیں لیتا کوئی گور غریباں میں
یہ کیسی نیند سوتے ہیں یہ کیسی انکی مستی ہے

زبان حال سے کہتے ہیں تابوت ولحد غافل
کہ رستے میں عدم کے بھی بلندی اور پستی ہے

اشاروں پر ترے مقتل میں جو تلواریں چلتے ہیں
قضا اپنی کمر تار نظر سے تیرے کستی ہے

چلے نالے ہمارے یہ زبان حال سے کہہ کر
ٹھہر جانا پہنچکر عرش پر ہمت کی پستی ہے

بڑھاپے نے ہرن سب کر دیئے نشے جوانی کے
ترنگیں مستیوں کی ہو چکیں اب فاقہ مستی ہے

امیر اک تختۂ ہموار ہے یہ شعر کا کوچہ
طبائع کے تفاوت سے بلندی اور پستی ہے

خودی سے بیخودی میں آ جو شوق حق پرستی ہے
جسے تو مستی سمجھا ہے اے غافل وہ ہستی ہے

کہیں زاہد کہیں کم بادۂ عرفاں کی مستی ہے
بقدر وسعت مشرب تقلم ہے پرستی ہے

ترے قربان اے مرگ جوانی جلد اب لیچل
وطن کے دیکھنے کو روح مدت سے ترستی ہے

غضب کے جوش میں ہے دختر رز خیر ہو ساقی
بھری بیٹھی ہے دیکھا چاہیے کسپر برستی ہے

دل ویران کو میرے دیکھ کر کہتی ہے ویرانی
خدا آباد رکھے اس کو کیا دلچسپ بستی ہے

نہ شاخ گل ہی اونچی ہے نہ دیوار چمن بلبل
تری ہمت کی کوتاہی تری قسمت کی پستی ہے

نہ گھبرا اے دل واماندہ اب منزل قریب آئی
اسی پستی کے آگے معمورا آباد اک بستی ہے

نہ ہو جو آپ ہی میں کس سے پھر پوچھیں ادب کیسا
تکلف بر طرف ساقی کہ وقت جوش مستی ہے

نگاہ ناز خال رخ سے میدان محبت میں
ستم کے تیر پڑتے ہیں غضب گولی برستی ہے

جدا ہم اور دست غیر و زلف دلبر و شانہ
خدا کی شان جو بپن بانٹے اُن کو پشیا بستی ہے

خدا جانے تراجی لگ گیا دنیا میں کیوں اے دل
اجاڑا اک چند گھر ہیں بے حقیقت سی یہ بستی ہے

قدم جس خاک پر پڑتا ہے تیرے خاکساروں کا
اگر اکسیر کے مولوں وہ ہاتھ آئے تو سستی ہے

بلائیں لیتے لیتے مست ہو جاتی ہے مشاطہ
وہ چوٹی ار گجے کے عطر میں جس وقت بستی ہے

رہیں کیونکر نہ گرد اس روئے آتش رنگ کے گیسو
عبادت ہندوؤں کے دین میں آتش پرستی ہے

بڑھ اے آہ رسا اب کنگرے پر عرش کے پہنچی
بلندی کو بلندی جاننا ہمت کی پستی ہے

نہیں بچتا دل پر داغ تیری زلف پیچاں سے
یہ وہ ناگن ہے جو طاؤس کو اُڑ اُڑ کے ڈستی ہے

امیر آتی ہے یہ آواز ناقوس برہمن سے
بت پندار کو توڑو جو شوق بت پرستی ہے

خبردار اے مسافر خوف کی جا راہ ہستی ہے
ٹھگوں کا بیٹھکا ہے جا بجا چوروں کی بستی ہے

بہار آئی ہے ساقی عام فیض مے پرستی ہے
در و دیوار سے اس دور میں مستی برستی ہے

تری تلواریں جو سر ہیں قاتل ابر رحمت کے
گنہگاروں پر آکر جوش میں کیا کیا برستی ہے

حقیقت آج تک بت کی نہیں معلوم زاہد کو
خدا کی شان اس پر دعویٰ ایزد پرستی ہے

اجل آنے نہیں پاتی کہ ہو جاتا ہے کام آخر
ترے خنجر کو قاتل کیا قضا کی پیش دستی ہے

ہماری آہ کی گرمی جو دیکھی رعد چلّایا
معاذ اللہ یہ تو برق کا بھی منہ جھلستی ہے

جلو میں حضرت موسیٰ سے ہیں دل سوختہ لاکھوں
سواری میں تری برق نہال طور دستی ہے

جو آتا ہے وہاں سے چیتھڑا تن پر نہیں ہوتا
عدم میں بھی الٰہی کیا کوئی ناگوں کی بستی ہے

خمیدہ قد ہے جن کا نیک و بد سے جھک کے ملتے ہیں
برابر دونوں باگوں یہ ہلالی تیغ کستی ہے

بتوں کو دیکھ کر ہم کلمۂ توحید پڑھتے ہیں
خدا راضی ہے جس میں وہ ہماری بت پرستی ہے

تری آنکھوں کو کیا تشبیہ دیں ہم چشم آہو سے
وہاں شوخی ہی شوخی ہے یہاں شوخی و مستی ہے

نہ کوئی شمع لاتا ہے نہ کوئی گل چڑھاتا ہے
مزاروں پر غریبوں کے عجب غربت پرستی ہے

مرے دامن سے ساری نوک ہے خارِ مغیلاں کی
جنوں میرے گریباں تک یہ تیری تیز دستی ہے

مکدر کر دیا اشکوں کو یہ دل کی کدورت نے
کہ خاک آنکھوں میں مثلِ شیشۂ ساعت برستی ہے

نفس کی آمد و شد پر نہ دم بھر زندگانی کا
ارے غافل یہی مقراض بہرِ رختِ ہستی ہے

نئی ترکیب پائی چشم بد دور اُن کی آنکھوں نے
غزالوں کی ہے شوخی نرگسِ شہلا کی مستی ہے

امیر اس راستے سے جو گزرتے ہیں وہ لٹتے ہیں
محلہ ہے حسینوں کا کہ قزاقوں کی بستی ہے

ہم کڑی ایک بتوں کی نہیں سہنے والے
چوگنی منہ پہ برہمن کے ہیں کہنے والے

چھیڑ کی ٹھہرے تو ہم چپ نہیں رہنے والے
کبھی آئی پہ نہیں چوکتے کہنے والے

چند باتوں میں کسی سے نہیں رہنے والے
ہمتو اے غنچہ دہن منہ پہ ہیں کہنے والے

بلبلو پھولوں سے کیا پوچھتی ہو حالِ چمن
باغ میں یہ تو ہیں دو روز کے رہنے والے

گلفروشوں کا ملے رتبہ گل اتنے کھاؤں
وہ پکاریں مجھے او پھولوں کے گہنے والے

منزلِ گور سے دم لیکے بڑھیں گے آگے
ہم مسافر ہیں بڑی دور کے رہنے والے

دل نے کڑیاں وہ اُٹھائیں ہیں کہ کہتا ہے تڑک
آفریں او مرے بیداد کے سہنے والے

ہجو سے ہو چکی ممبر سے اب اُتریں نیچے
رند کچھ حضرتِ واعظ سے ہیں کہنے والے

آنکھیں آمادہ ہیں رونے پہ خدا خیر کرے
اب کوئی دم میں یہ ناسور ہیں بہنے والے

نہ سنی گورِ غریباں میں کسی نے فریاد
کتنے بیدرد ہیں اس شہر کے رہنے والے

مُنہ پہ تلوار کے کہہ بیٹھے کہ پوری نہ پڑی
تمنے دیکھے ہیں کہیں ایسے بھی کہنے والے

مثلِ آواز نکل جائیں گے صاف اے زنجیر
ہم یہ ہر روز کی کڑیاں نہیں سہنے والے

قدرتِ اللہ کی دکھلاتے ہیں آنکھیں مجھ کو
وہ حسیں تھے جو مری آنکھوں میں رہنے والے

بدھیاں پھولوں کی لائے تھے نہ پہنیں اُس نے
پھولے بیٹھے ہوئے ہیں پھولوں کے گہنے والے

کیا ہوا میں بھی ہوں اور غیر بھی اس محفل میں
خلد کے آدم و ابلیس ہیں رہنے والے

گفتگو معرفتِ حق میں ہے یارو ناحق
حق جو کہنے کا تھا سب کہہ گئے کہنے والے

کوچہ اُس رشکِ چمن کا ہے وہی اے قاصد
بیٹھے رہتے ہیں جہاں پھولوں کے گہنے والے

ہم کو ہستی میں غریب الوطنی لائی ہے
اصل میں ہیں عدم آباد کے رہنے والے

سادہ سمجھو نہ انہیں رہنے دو دیواں میں امیر
بھی اشعار زبانوں پہ ہیں رہنے والے

جھڑ گئی افشاں جبیں پر کچھ ستارے رہ گئے
آسمانِ حسن پر گنتی کے تارے رہ گئے

نزع میں بند اب زبان بھی ہے ترے بیمار کی
گنگ کی صورت فقط باقی اشارے رہ گئے

وہ سکے کب دشت گردی میں ترے وحشی کا ساتھ
ہر قدم پہ پا ہوئے آہو چکارے رہ گئے

چشمِ واعظ پر ہے عینک دستِ واعظ میں عصا
ضعفِ پیری میں یہ دو باقی سہارے رہ گئے

سخت جانی سے جو دندانے پڑے اُس تیغ میں
پھر بنکر وہ بھی زخموں میں ہمارے رہ گئے

بحرِ الفت کے کنارے تک نہ پہنچا ایک بھی
دست و پا کتنے ہی پیراکوں نے مارے رہ گئے

اور جیتا ہیں تو کہتے اور تم جور و ستم
میرے ارماں حوصلے باقی تمہارے رہ گئے

تیغ کا پانی پلایا سب کو اُس سفاک نے
تشنہ لب ہم ایک دریا کے کنارے رہ گئے

وصل کی شب تھی نہ آنا تھا تجھے اے موت بھی
کیا غضب ظالم کیا ارمان سارے رہ گئے

موت آئے یا وہ آئے یا قیامت ہو امیر
اب بھی دو تین جینے کے سہارے رہ گئے

آنکھ اُس کو کھولنی بھی دشوار ہو گئی ہے
پہلے چمن میں نرگس بیمار ہو گئی ہے

جس نے لکھا ہے نامہ اُس عالم آشنا کو
جانے کو [illegible] میری تیار ہو گئی ہے

جب یار کی گلی کو میں ناتواں چلا ہوں
پرچھائیں میری دیکھو دیوار ہو گئی ہے

ہم تم چمن میں چلکر جب چار دن رہے ہیں
بلبل ہیں اور گل ہیں [illegible] ہو گئی ہے

سب کی نظر میں ہر روز گو دل میں ہیں ہمارے
خلوت کی کوٹھری بھی بازار ہو گئی ہے

کچھ فکر دخترِ رز کی پیرِ مغاں ہے لازم
بیہوش اب نہیں ہے ہشیار ہو گئی ہے

انگور میں تھی یہ مے پانی کی چار بوندیں
جس دن سے کھچ گئی ہے تلوار ہو گئی ہے

پیاسی جو تھی لہو کی دل میں لہو بہت تھا
سینے سے نوک خنجر کیوں پار ہو گئی ہے

دن رات ناز بیجا اُٹھواتے ہیں وہ ہم سے
الفت ہمارے حق میں بیگار ہو گئی ہے

طرار اُن کے گیسو تھے ابتدا سے پر اب
طُرّہ یہ ہے زباں بھی طرّار ہو گئی ہے

رنگیں بیاں ہوئی ہے بلبل یہ وصفِ گل میں
پتّی گلاب کی اب منقار ہو گئی ہے

اک بات سہل سی ہے مرگ اے امیر لیکن
دشوار سمجھے ہیں شب دشوار ہو گئی ہے

آنکھ اُسکی یہ کیونکر کہوں مخمور نہیں ہے
ہاں کیف جوانی سے ابھی چوُر نہیں ہے

ہر چند بتوں سے ہے بہت دور ترحم
اللہ کی قدرت سے مگر دوُر نہیں ہے

جب کہیے کہ مرتے ہیں کرو رحم جِلا لو
فرماتے ہیں اپنا تو یہ دستور نہیں ہے

فرہاد کو تکلیف نہ دے کوہکنی کی
شیریں ترا عاشق ہے یہ مزدور نہیں ہے

ہم خونِ جگر پیتے ہیں اے محتسبِ شہر
کیا تاک رہا ہے مے انگور نہیں ہے

حوروں سے یہ کہدو نہ دکھائینگے وہ جلوہ
نظروں سے گرانا تمھیں منظور نہیں ہے

حسنِ رخِ محبوب سے پھک جائیگا ایدل
صورت پہ نہ جانا رہے یہ نور نہیں ہے

ہے میکدہ ورد میں مستوں کا یہی قول
شیشہ نہیں پتھر ہے جو دل چور نہیں ہے

اُس باغ سے سو داغ بھلے گل نہو جس میں
جلجائے وہ فردوس جہاں حور نہیں ہے

ٹھکرا کے نہ چل ساغرِ مے پاسِ ادب کر
غافل یہ سرِ قیصر و فغفور نہیں ہے

شبنم جگرِ گل پہ چھڑکتی ہے نمک کیوں
بیدرد یہ داغِ دلِ رنجور نہیں ہے

بوسے سے ہے انکار انہیں تو سہی ایدل
آنکھوں سے وہ دیں ہیں کہوں منظور نہیں ہے

مردہ سا امیر ایک سرِ راہ پڑا اٹھا

تیرا تو کہیں وہ دلِ رنجور نہیں ہے

جلوہ گر یار نگر قتاگہِ عام میں ہے
جب بلاتا ہوں میں سنتا ہوں قضا کام میں ہے

نشۂ عیش مجھے گردشِ ایام میں ہے
مے بے درد اگر ہے تو مرے جام میں ہے

دور جاری رہے ہر وقت مے گلگوں کا
پڑھ لے ساقی یہی تحریر خطِ جام میں ہے

دفعتہً رنگ بدل دیتی ہے یہ عالم کا
چال اے مہر تری گردشِ ایام میں ہے

نہ ہوا نالۂ مظلوم سے ظالم بیدار
پھُنک چُکا صُور یہ مُردہ ابھی آرام میں ہے

اسم اعظم پہ سلیمان کو تفاخر ہے عبث
سو طرح کا اثر اللہ کے ہر نام میں ہے

دل سے میرے کہ زبان سے تری پوچھے کوئی
غیر کیا جانے مزہ کیا تیرے دشنام میں ہے

آنکھ خالی نہ دکھا لطف بھی کر اے ساقی
جام ہی جام ہو یا مے بھی کہیں جام میں ہے

جسطرف دیکھیے کھولے ہوئے آغوش ہے حور
سر فروشی کا مزہ لشکرِ اسلام میں ہے

الفت زلف میں ہے طائرِ دل اشک فشاں
آب و دانہ مری قسمت کا اسی دام میں ہے

سرمہ اے یار لگا یا کہ جگایا جادو
کیا بلا سحر تری چشمِ سیہ فام میں ہے

پڑ گیا گرمیِ فرقت سے پھپھولا دل میں
جا ہے مے دانۂ انگور مرے جام میں ہے

لب پہ تو نے مسی ملکے جمایا لاکھا
کھل گیا شاہِ بدخشاں کا عمل شام میں ہے

یادِ گیسو سے کہاں جوشِ جنوں میں آرام
میں تو ہوں آزاد تو کیا روح مری دام میں ہے

ڈالدے مجھسے بلا نوش کو خم کے منہ میں
یہ تو اک گھونٹ ہے ساقی جو ترے جام میں ہے

مرغ دل خاک پھنسے زلف پر افشاں چھڑکو
دام ہی دام ہے دانہ بھی کہیں دام میں ہے

آگیا روز قیامت نہ پھرے میرے نصیب
جاگ اُٹھے مردے یہ غافل ابھی آرام میں ہے

ہے لڑکپن میں بجا خاک سے انسان کو اُنس
غافل آغاز سے اندیشۂ انجام میں ہے

نام کا نام تخلص کا تخلص ہے امیر
یہ بڑا حُسنِ خداداد مرے نام میں ہے

شانِ حق صاف بتوں کے رُخِ گلفام میں ہے
خلوتِ خاص کی بُو جلوہ گہِ عام میں ہے

وابستی اور تواضع میں ہے ربطِ قلبی
جسطرح لاَم اَلف میں ہے اَلف لاَم میں ہے

جوشِ الفت میں مرے دل کا خدا ہی حافظ
خیر ہو بادہ بہت تند مرے جام میں ہے

ہے وہی ولولہ پیری میں جوانی میں جو تھا
ایک ہی رنگ ہماری سحر و شام میں ہے

دل دکھاتا ہے وہ عالم جو نہیں عالم میں
دیکھ جمشید یہ عالم بھی ترے جام میں ہے

روح قالب میں ہے جکڑا ہے رگوں میں قالب
میں گرفتار قفس میں ہوں قفس دام میں ہے

کبھی خلوت میں نہاں ہے کبھی جلوت میں عیاں
دخترِ رز کبھی بوتل میں کبھی جام میں ہے

ہوں وہ میکش کہ دمِ طوف بھی ہے شغلِ شراب
جام پوشیدہ مرے جامۂ احرام میں ہے

ہوسِ نام میں بھی اے دلِ آزاد نہ پھنس
پاؤں اُلجھا ہوا عنقا کا اسی دام میں ہے

اُلفتِ پنجتنِ پاک سے دل ہے معمور
پانچ میخانوں کی مے ایک مرے جام میں ہے

روز کی وعدہ خلافی سے ترا وعدہ بھی
رات دن میری طرح گردشِ ایّام میں ہے

منزلِ رحمتِ حق ظلمتِ عصیاں ہے امیر
روشنی صبح کی یاں تیرگی شام میں ہے

غضب کی عشوہ گری رُوئے خشمگیں میں رہی
کرشمے بن کے شکن یار کی جبیں میں رہی

کہاں لذیذ خطِ پشتِ لب سے بوسۂ لب
شمولِ زہر سے لذت نہ انگبیں میں رہی

تری شبیہ میں کی صَرف اس قدر طاقت
سکت نہ پھر قلمِ صورت آفریں میں رہی

بُری تھا لوث سے دھبّا کفن کو کیا لگتا
بجا ہے لاش امانت اگر زمیں میں رہی

نہیں ہے نام کو بھی دل میں بُوئے یکرنگی
دو رنگ ڈاک ہمیشہ ترے نگیں میں رہی

گھٹا عتاب تو پہنا لباسِ آرائش
جبیں سے چیں جو اُتری تو آستیں میں رہی

عجب رسائیِ قسمت ہے اے حنا تیری
چمن جو چھوٹ گیا دستِ نازنیں میں رہی

دکھایا مر کے بھی عشق رخِ صبیح نے رنگ
کہ میری روح بَرنگِ بُو کے یاسمیں میں رہی

مژہ نے ساتھ ہی ابرو نے بڑھ کے وار کیا
کمان بھی تیرے نخچیر کے کمیں میں رہی

اُٹھا کے آنکھ نہ دیکھا شبِ وصال اُس نے
سیاہ دلہن کی طرح چشمِ سرمگیں میں رہی

جو تیوریوں سے بل اُترا خدا خدا کر کے
تو سو طرح کی گرہ زلفِ عنبریں میں رہی

ہزار گرم ہوا آفتابِ حشر امیر
مگر تری مرے اشکوں سے پھر زمیں میں رہی

کھلکے جب وہ زلفِ شبگوں پرتوافگن ہوگئی
کان کی بجلی چراغِ زیرِ دامن ہوگئی

ہجر میں زہر اپنے حق میں سیرِ گلشن ہوگئی
تیغِ زہر آگیں زبانِ برگِ سوسن ہوگئی

وا یہ کس کی زلف وقتِ سیرِ گلشن ہوگئی
باغ میں لہرا کے موجِ سبزہ ناگن ہوگئی

وصل کی شب دستِ وحشت نے کیا کیسا خجل
چاک چپلی یار کی ہمراہِ دامن ہوگئی

چار آنکھیں ہوتے ہی جاتے رہے صبر و قرار
کیا نگاہِ ناز تھی جو برقِ خرمن ہوگئی

مجھ سا دیوانہ ہے کون اس باغ میں نازک مزاج
موجِ بوئے گل مجھے زنجیرِ آہن ہوگئی

کب ہوا نظارہ اُنکے گھر کا آنکھوں کو نصیب
کب صفِ مژگاں درِ جاناں کی چلمن ہوگئی

دونوں آنکھوں نے سماں برسات کا دکھلا دیا
روتے روتے ایک بھادوں ایک ساون ہوگئی

جب خیالِ زلف آیا پڑ گیا سینے میں داغ
شام ہوتے ہی مرے گھر شمع روشن ہوگئی

جب تلک روشن تھی پروانوں کا تھا ہر سو ہجوم
بلبلیں آئیں اگر گل شمعِ مدفن ہوگئی

اس مسی آلودہ لب کے وصف کا اللہ رے شوق
باغ میں گویا زبانِ برگِ سوسن ہوگئی

میکشی میں پیچ قسمت نے دئے ایسے امیر
شاخِ آہو کھا گئے بل شیشے کی گردن ہوگئی

شرم بیجا ہے اگر شوقِ خود آرائی ہے
آرسی دیکھنے کو چشمِ تماشائی ہے

سرمگیں آنکھ دکھلا کر وہ جلا دیتے ہیں
سحر کے پردے میں اعجازِ مسیحائی ہے

تنگ آکر ترے بیمار نے بابیتابی ہیں
جب مسیحا کو پکارا ہے اجل آئی ہے

خط سے بڑھ جائیگا اُس چہرۂ روشن کا فروغ
شمع کو ظلمتِ شب سرمۂ بینائی ہے

کون کرتا ہے ادھر چشمِ ترحم سے نظر
شہر میں داغِ جگر لالۂ صحرائی ہے

دل کے داغوں کا وہ نقشہ کہ شگفتہ ہے چمن
تیرہ بختی کا یہ عالم کہ گھٹا چھائی ہے

قتل کرنا اک اشارہ ہے جلانا اک بات
سحر اُن آنکھوں میں ہونٹوں میں مسیحائی ہے

مجھ تلک ہے نہ فرشتے کا نہ انسان کا گزر
دونوں عالم سے جدا عالمِ تنہائی ہے

بادۂ شوق سے چھلک جاتی ہے ساری محفل
دورِ ساغر مرے محبوب کی انگڑائی ہے

بس بہت بے ادبی خوب نہیں غل نہ کرے
شورِ محشر سے کہو اب مجھے نیند آئی ہے

موت کو ہم جو حیاتِ ابدی سمجھے ہیں
ملک الموت کو بھی نازِ مسیحائی ہے

چھیڑنی کیوں ہے شبِ وصل میں مشتاقوں کو
صبح کاذب تری شامت تو نہیں آئی ہے

بیکسی پھرتی ہے قمری کی طرح گرد امیر
سروِ آزاد مرا مصرعِ تنہائی ہے

شبِ وصل آنکھ تمہاری نہیں شرمائی ہے
جان لینے کو دلھن بنکے قضا آئی ہے

طرفہ مستی لبِ میگوں نے ترے پائی ہے
موجۂ مے نگہِ چشمِ تماشائی ہے

کونسا دل ہے نہیں جس میں خدا کا جلوہ
زاہدو مفت میں رسوا بتِ ہرجائی ہے

تیر باراں ہے خدنگِ نگہِ حسرت سے
اے اجل تجھ کو یہاں تیری قضا لائی ہے

ہوں وہ میکش نظر آیا ہے جو خالی شیشہ
آنکھ کی طرح طبیعت مری بھر آئی ہے

زیست کیا بعدِ فنا گور میں بھی ساتھ دیا
یارِ ثابت جسے کہتے ہیں وہ تنہائی ہے

تیری باتوں کے لیے کان ملے ہیں گل کو
آنکھ نرگس نے ترے دیکھنے کو پائی ہے

اے صبا کون سا گل ہے چمن آرا کہ بہار
چشمِ باواہم کے پردے ہیں تماشائی ہے

کیا مزہ دیتا ہے اُس شوخ کا کہنا شبِ وصل
اب نہ چھیڑو نہ ستاؤ ہمیں نیند آئی ہے

ہیں نکیرین کے جھگڑوں سے پریشان ہے داغ
سمجھے تھے گور کو ہم گوشۂ تنہائی ہے

سخت حیرت ہے کہ یار ہے مجھ سے خلوت
بند دروازے ہیں کس راہ سے شرم آئی ہے

دل کو مل شوق سے قدموں کے تلے پر اےجان
سوچ لے دل میں کہ کس کا یہ تمنائی ہے

تیغ قاتل کی خجالت کا رہا ہے یہ خیال
پہروں رویا ہوں جو زخموں کو ہنسی آئی ہے

عزت اُفتادگی و عجز سے ہاتھ آئی امیر
خوش ہوں میں نے یہ بڑی چیز بڑی پائی ہے

او بندہ بت دیکھ خدا اور ہی کچھ ہے
بت پردہ ہیں پردے میں چھپا اور ہی کچھ ہے

اے چرخ حسینوں کی جفا اور ہی کچھ ہے
معشوق کی چھیڑوں میں مزا اور ہی کچھ ہے

رنگ آج تو پھولوں کا صبا اور ہی کچھ ہے
آمد ہے جو اُس گل کی ہوا اور ہی کچھ ہے

آغازِ جوانی میں ادا اور ہی کچھ ہے
اُٹھتی ہوئی کونپل میں مزہ اور ہی کچھ ہے

قاصد یہ زباں اُس کی بیاں اُس کا نہیں ہے
دھوکا ہے تجھے اُسنے کہا اور ہی کچھ ہے

آفت تو ہے وہ ناز بھی انداز بھی لیکن
مرتا ہوں میں جسپر وہ ادا اور ہی کچھ ہے

چہرے کو بھی چھپائیں وہ بدن کو بھی چرائیں
آنکھیں یہی کہتی ہیں حیا اور ہی کچھ ہے

عارف سے یہ کہدو جو ترے فہم میں آئے
وہ سب ہے ترا وہم خدا اور ہی کچھ ہے

آیا مری بالیں پہ تو بولا یہ پری خواں
آسیب نہیں ہے یہ بلا اور ہی کچھ ہے

کی اُسکی جفا پر جو ہی تو نے تو اے دل
نازاں نہ ہو اس پر کہ وفا اور ہی کچھ ہے

کہتے ہو کہ ہم درد کسی کا نہیں سنتے
میں نے تو رقیبوں سے سنا اور ہی کچھ ہے

بیدرد کی فریاد کو کوئی نہیں سُنتا
جس پر ہے اثر غش وہ دعا اور ہی کچھ ہے

معشوق سے کرتا ہے جفا کا کوئی شکوہ
مجھ کو تو مری جان گلا اور ہی کچھ ہے

کیا خاک ہو بیمارِ محبت کو افاقہ
درد اور ہی کچھ اور دوا اور ہی کچھ ہے

کی میں نے لجائی ہوئی چتون کی جو تعریف
آنکھوں نے کہا جھک کے حیا اور ہی کچھ ہے

کیا جانے کسے دیکھ رہا ہوں میں بتوں میں
آنکھوں میں ہے کچھ دل میں بسا اور ہی کچھ ہے

کس سے میں کروں اپنے مسیحا کی شکایت
سمجھا ہے وہ کچھ حال مرا اور ہی کچھ ہے

ہنس ہنس کے جو وہ دل کو مرے چھیڑ رہے ہیں
آج اُس کے تڑپنے میں مزا اور ہی کچھ ہے

انداز حسینوں کے سنورنے میں ہیں کچھ اور
بگڑیں تو بگڑنے میں ادا اور ہی کچھ ہے

بے لطف تو شمشیرِ قضا بھی نہیں قاتل
لیکن ترے خنجر میں مزا اور ہی کچھ ہے

منہ سے تو کہا وصل کو تم نے مگر اے جان
آنکھوں نے اشاروں میں کہا اور ہی کچھ ہے

ہم مر بھی گئے مر کے ہوئے خاک بھی لیکن
ظالم یہی کہتا ہے وفا اور ہی کچھ ہے

عادت تو امیر اچھی ہے فریاد و دعا کی
پر شیوۂ تسلیم و رضا اور ہی کچھ ہے

ہم مر گئے آنے کی جو اُن کے خبر آئی
افسوس اجل چار قدم پیشتر آئی

بولے وہ مری شکل جو حیران نظر آئی
دیوار کہاں سے مرے گھر میں یہ در آئی

ظلمت شبِ فرقت یہ چھائی مرے گھر میں
جب دوپہر آئی تو میں سمجھا سحر آئی

اتنا تو پتا ہجر کی شب صبح کا پایا
صد شکر کہ بالوں میں سفیدی نظر آئی

کیا بےخبری ہے کہ ہوئے عشق کو برسوں
اب تک نہیں معلوم طبیعت کدھر آئی

مہمان کی صورت اُسے آنکھوں میں جگہ دی
دامن سے لگی گھر میں جو گردِ سفر آئی

چھائی تھی امیر اُس کی صباحت جو نظر میں
شام آئی میرے گھر میں تو سمجھا سحر آئی

کہتے ہیں وصل میں پوری نہ خلوت ہو گی
ساتھ کھیلی ہوئی ہمدم مری عصمت ہو گی

دو قدم تم چلو گے تو وہ رخصت ہو گی
ساتھ کیا ٹھوکریں کھانے کو قیامت ہو گی

ناتواں ہوں میں تو کیا جب شبِ وصلت ہو گی
دیکھنا میری طرف تیری نزاکت ہو گی

لذتِ حور بھی لب پر نہیں لا سکتا ہوں
شکر بھی میں جو کروں گا تو شکایت ہو گی

میرے دشمن پسِ مردن لحد میں بکیں
غم ترا ہو گا میں ہوں گا تری حسرت ہو گی

واعظا اک وقت میں دو کام نہیں ہو سکتے
توبہ کرلیں گے جو مے پینے سے فرصت ہوگی

بے گناہوں کا کیا خون اسی ظالم نے
نا امیدی سے اُمیدوں کو شکایت ہوگی

طپش برق کے ہیں طعنہ پہ اب تک چرچے
کبھی تڑپی ترے دیدار کی حسرت ہوگی

دیکھا اے دل کبھی دھوکا نہ حیا کا کھانا
شرم کی آڑ میں پوشیدہ شرارت ہوگی

جب کہا ضعف سے مرتا ہوں تو ہنس کر بولے
اُس سے کیا ٹوٹیگا دم جس میں نہ طاقت ہوگی

عرصۂ حشر کہاں رندِ خرابات کہاں
جائیں گے پینے پلانے سے جو فرصت ہوگی

کہتے ہیں سب کچھ ابھی ہے جو شب وصل آئے
پھر نہ آنکھوں میں مروت نہ اطاعت ہوگی

ذکرِ حشر آتا ہے تو قاتل یہ سوچ آتا ہے
ہائے اُس روز تجھے کیسی ندامت ہوگی

نزع میں آپ کہاں آئے ہیں اُٹھیے اُٹھیے
جائیے جائیے ہونی ہے جو حالت ہوگی

حشر میں بھیڑ گناہوں کی تو ہوگی پیچھے
اور گنہگاروں کی آگے تری رحمت ہوگی

درد بھی اُٹھ کے شب ہجر میں کہہ اُٹھتا ہے
بھائی مجھ سے نہ تیرے دل کی رفاقت ہوگی

یار آیا ہے عیادت کو تڑپ اور امیر
اُٹھ کھڑا ہوگا وہ ٹھہری جو طبیعت ہوگی

کیا کہا دم بھی نہ نکلے گا جو الفت ہوگی
جان بھی کیا کوئی ظالم تری حسرت ہوگی

شیخ جی یوں ہی جو مے پینے کی علت ہوگی
ایک دن رہن یہ دستارِ فضیلت ہوگی

آرزو وصل کی اس ڈر سے نہیں کر سکتا
دل شکستہ مرے ہمدم تری فرقت ہوگی

تو پہنچیگا نہ محشر میں گنہگاروں تک
راہ روکے ہوئے گھیرے ہوئے رحمت ہوگی

بے سبب دل نہیں بے چین ہوا جاتا ہے
چٹکیاں لیتی کسی کی کوئی حسرت ہوگی

کچھ بھی نکلی نہ ترے فتنۂ قد کے آگے
سمجھے تھے کوئی بڑی چیز قیامت ہوگی

دل کو دیجائیگی تسکین کسی کی نعش پر
جان بچنے کی بھی ہجر میں صورت ہوگی

ابھی بیٹھے ہو تو آفت پہ ہے آفت برپا
اُٹھ کھڑے ہوگے تو اک جان قیامت ہوگی

سوال پوچھ نہ مرے دل کا مہر جان مجھ سے
تم جو لے اڑ گئے خوشی سے وہی قسمت ہو گی

نزع میں کہتے ہو حوروں سے ہے نبھنا مشکل
کیا تمہاری ہی سی انکی بھی طبیعت ہو گی

بوسہ مانگا جو پس وصل تو بولے ہاں ہاں
ابتو ہر وقت مری جان پر آفت ہو گی

دختر رز کا بھی جوبن نہ ابھارے جس کو
ایسی مُردل کسی زاہد کی طبیعت ہو گی

جب کہا میں نے کہ کچھ دن ہی سے آنا تو کہا
شام سے پہلے ہی آئی تری شامت ہو گی

ستیاں وصل میں عصمت کو تو سمجھا لینگی
نہ ٹلے گی مری دشمن جو نزاکت ہو گی

جیتے جی وہ نہ ہوئے صاف تو سمجھا ہیں امیر
مٹی دینے کے لئے گرد کدورت ہو گی

روز فرقت بھی ہمیں وصل کی لذت ہو گی
گردش چشم پری گردش قسمت ہو گی

کیا خبر تھی کہ جوانی تری آفت ہو گی
بات کرنی بھی غریبوں کو مصیبت ہو گی

کہیے جو چاہیے مسجد میں جناب واعظ
آپ سے ہم سے تو میخانے میں حضرت ہو گی

کہتے ہیں قبر کی حالت میں تو ہو طالب وصل
کیسے کھل کھیلو گے جب تم پہ عنایت ہو گی

ایک کی ایک کو ہو گی نہ خبر محشر میں
لیگی جو سب کی خبر وہ تری رحمت ہو گی

درد دل کہنے لگا میں تو وہ بولے بس بس
بیٹھے بیٹھے سن لیں گے جو فرصت ہو گی

گدگدا بھی نہیں سکتا میں شب وصل انکو
لب نازک کو ہنسی سے بھی اذیت ہو گی

صبح سے جب یہ غریب آگ ہے عکس رخ سے
دل جڑ پڑے کیا ترے آئینے کی صورت ہو گی

نار دوزخ پہ گماں ہے مجھے اے شاہد حسن
شوخ ہے تو کوئی تیری ہی شرارت ہو گی

قہر کے رعب سے پیچھے جو ہٹیں گے مجرم
دل بڑھاتی ہوئی آگے تری رحمت ہو گی

حسرت مردہ بھی نکلیگی نہ میرے دل سے
اسی ویرانے میں اسکی کہیں تربت ہو گی

لاش دیوانۂ گیسو کی یوہیں گڑوا دو
کنگھی چوٹی سے تمہیں کا ہیکو فرصت ہو گی

ہونٹھ کو ہونٹھ ترے چومتے ہیں گلشن میں
یہ نئی بات ہے اب تجھ سے رقابت ہو گی

صبح کو ہوگا گلہ چوس لی مسّی میری
صدقے اُن ہونٹوں کے جنسے یہ شکایت ہوگی

بڑھ رہی ہے صفتِ زلف نمود اُسکی امیر
آگے بڑھ کر یہی چوٹی کی ریاست ہوگی

ہر قدم پر جو یہی ناز کی صورت ہوگی
ہیں تو کیا تجھ پہ فدا تیری نزاکت ہوگی

ہائے گلے نزع میں اُس وقت قیامت ہوگی
جان جب حسرتِ دل سے مری رخصت ہوگی

دل تڑپتا ہے لحد میں تو یہ آتا ہے خیال
یوں ہی بے چین مرے ہجر میں حسرت ہوگی

بجلی چمکی جو تبسم کی تو بولا وہ شوخ
کسی بچپن طبیعت کی شرارت ہوگی

بڑی سرکار ہے وہ میرے گنہ تھوڑے ہیں
ہائے کیا حشر میں رحمت سے ندامت ہوگی

اُن کی تصویر سے لے دل نہ لپٹ ورنہ اُنہیں
تیرے آغوشِ تصور سے بھی نفرت ہوگی

بے سبب نفس کشی کیا فقرا کرتے ہیں
ترکِ لذت میں بھی اُنکو کوئی لذت ہوگی

دیکھ لیگا مری حالت جو محبت میں تو پھر
کوئی کمبخت ہی ہوگا جسے الفت ہوگی

سنتے ہیں آج اُدھر جائیگا وہ حشر خرام
ہائے کیا گورِ غریباں میں قیامت ہوگی

وصل کی سنکے دعا تم نے بھی آمین کہی
اب اثر صدقے تو قربان اجابت ہوگی

چھوٹے سے قد پہ نہ اُس زلف کے جانا اے دل
ابھی آفت ہے بڑھیگی تو قیامت ہوگی

چار دن کا ہے ترا طنطنہ منعم اک روز
کوسِ رحلت ترے دروازے کی نوبت ہوگی

سخت جانی مجھے مرنے جو نہ دیگی دمِ ذبح
ہائے رسوا مرے قاتل کی نزاکت ہوگی

روزِ محشر نے درازی یہ کہاں سے پائی
پردۂ حشر میں میری شبِ فرقت ہوگی

کبھی آئیگا وہ دل میں کبھی آنکھوں میں امیر
یہی خلوت میری ہوگی یہی جلوت ہوگی

مدح مژہ اُس رشکِ قمر کی جو رقم کی
چمکی وہ عبارت کہ رہی نوک قلم کی

کیا راہبری موت نے کی خضر کی صورت
بند آنکھ ہوئی تھی کہ کٹی راہ عدم کی

چلتی ہے کہیں خواہشِ دیدار دوبارہ
پھر برق سرِ طور کسی روز نہ چمکی

ہر چند وہ کم عمر بہت ہیں پر ابھی سے
رفتار قیامت کی ہے باتیں ہیں ستم کی

ہے غیر کے سینے میں جو داغِ غم ابرو
روشن ہے صنم خانہ میں قندیل حرم کی

آتے ہیں بہت منزلِ ہستی میں مسافر
دیتا نہیں پر کوئی خبر اہلِ عدم کی

تھا دھیان امیر اس کی گلی کا جو پسِ مرگ
آئی مرے مرقد میں ہوا باغِ ارم کی

طوفان مرے رونیکے سمندر سے بڑہیں گے
انجم کے چراغ آہ کی صرصر سے بڑہیں گے

جنت کے جو طالب ہیں سدھارے سوئے جنت
اپنے نہ قدم کوچۂ دلبر سے بڑہیں گے

ہر چند لڑکپن میں ہے بوٹا سا قد اُن کا
ہونے دو جوان سرو صنوبر سے بڑہیں گے

قسمت سے جو پایا شرفِ خدمت مہدی
پہلے قدم اپنے صفِ لشکر سے بڑہیں گے

دوزخ کے سزوار نہ فردوس کے قابل
ہم لوگ شمارِ صفِ محشر سے بڑہیں گے

کام آئیں گے محشر میں امیر اشکِ غمِ شاہ
قیمت میں یہ قطرے دُر و گوہر سے بڑہیں گے

جان لیکر بھی نہیں دل سے یہ ہٹنے والے
تیرے گیسو ہیں بلا ہو گے لپٹنے والے

آج تو دعوتِ مے آپ کو کرنی ہو گی
رندا یوں حضرتِ واعظ نہیں ہٹنے والے

کی نظر بھی تو نگارہ غلط انداز سے کی
تیر بھی تم نے لگائے تو اُچٹنے والے

کوے قاتل میں جو چلنا ہو چلو مشتاقو
ہار زخموں کے ہیں سرکار میں بٹنے والے

دامن اُس گل کا یہ کہتا ہے کہ ہم کو نہ چھوؤ
ہم لجا لو سے بھی بڑھ کر ہیں سمٹنے والے

دستِ جاناں ہے گریباں کے اُڑینگے پُرزے
اے جنوں یہ تیرے ہاتھوں نہیں پھٹنے والے

میان میں تیغ وہ کرتا ہے تو کہتی ہے قضا
اور دو چار گلے ہیں ابھی کٹنے والے

اپنے مشتاقوں سے گھٹ گھٹ کے ملے شاہد مرگ
ہیں یہ شمشیر برہنہ سے لپٹنے والے

شان اللہ کی اُس بزم میں ناصح بھی ہیں چُپ
بُت بنے بیٹھے ہیں ہر بات کے رٹنے والے

عشق پیچے پہ نظر کر ہے اگر عاشق قرار
کہ درختوں سے لپٹتے ہیں لپٹنے والے

قیمتِ جام میں کرتے ہیں طلب دولتِ جم
دام کب بادہ فروشوں سے ہیں پٹنے والے

خون ہو طالبِ دیدار کا یا دم اُلٹے
وہ تو پردہ نہیں چہرے سے اُلٹنے والے

تھا ابھی وصل کا اقرار ابھی ہے انکار
بارک اللہ زبان دیکے پلٹنے والے

رہنے دو تم ابھی دیوان کو چھانٹو نہ امیر
آپ چھٹ جائینگے جو شعر ہیں چھٹنے والے

میرے گھر رات دن اشکوں کی جھڑی رہتی ہے
ہاتھ باندھے ہوئے برسات کھڑی رہتی ہے

بیخودی میں بھی میں دیدار سے محروم نہیں
دل کہیں ہو مگر آنکھ اُس سے لڑی رہتی ہے

اندر پردے نہیں ہوتے جو شبِ وصل تو کیا
بیچ میں شرم کی چلمن تو پڑی رہتی ہے

کس طرح کرتے ہو اوروں کے جگر میں سوراخ
نوکِ مژگاں تو مرے دل میں گڑی رہتی ہے

وادیِ عشق وہ وادی ہے جہاں مر کے امیر
برسوں بے گور و کفن لاش پڑی رہتی ہے

جو نازک طبع ہیں محفوظ ہیں قہرِ الٰہی سے
کبھی چھالے حبابوں کے نہ چھوٹے خارِ ماہی سے

یہ آب و تاب ہے دو چار دن دولت پناہی سے
ٹپک جائیں گے آنسو بنکے موتی تاجِ شاہی سے

ملا کیا من و سلویٰ ہم کو بھی فضلِ الٰہی سے
مزے اُٹھے مے صاف و کبابِ مرغ و ماہی سے

وہ آنکھیں دیکھ کر عاشق کو اپنے پھیر لیتے ہیں
خدا کی شان رہزن بھاگتے ہیں دور راہی سے

بنائی ظالم و مظلوم کی شکل ایک گردوں نے
مشابہ دامِ ماہی گیر بھی ہے پشتِ ماہی سے

بہت مشتاق ہوں وہ بول قاضی آ کے پڑھ جائے
ہوئی ہے دخترِ رز ہوشیار اب فضلِ الٰہی سے

کھلی جنت ہیں زلفیں حور تو جنت سے ہیں بھاگا
ڈرا تھا اسقدر شبہائے فرقت کی سیاہی سے

کیا دریا کو یہ صحرا ہماری گرم آہوں نے
کہ روئیں مچھلیاں پانی کی ملکر ریگ ماہی سے

وہ مجرم ہوں گنہ کا عذر بھی میں کر نہیں سکتا
کہ رحمت اسکی شرمائی ہے میری عذر خواہی سے

سلامت اشک تہمت سے رقیبونکی سنو ایدل
ہوا دامانِ یوسف پاک لڑکے کی گواہی سے

زوالِ حسن میں یوں چہرۂ جاناں پہ خط نکلا
نکل پڑتے ہیں لڑکے جسطرح گھر کی تباہی سے

جو پلے پر ہے رحمت دیکھ لینا حشر آنے دو
گنہگاری مری جیتے گی میدانِ بیگناہی سے

میں وہ غربت زدہ ہوں میری غربت جلنے دیکھی ہے
گلے مل مل کے رہزن روتے ہیں ایک ایک راہی سے

زباں کاٹیں جو کم رزقی کا اب آنے لگا لب تک
تبرک مل گیا ہم کو بھی درگاہِ الہی سے

خدا سے ڈر نہ کرا سے روح عزرائیل کا شکوہ
کہ ہر جلاد گردن مارتا ہے حکمِ شاہی سے

بیاباں مرگ میں اہلِ وطن کا شک گذرتا ہے
لپٹتی ہے ہماری خاک اس پر ایک راہی سے

وہ مہوش ہنگامِ آرائش میں اپنی کج کلاہی سے
لڑتا ہے مرا دل آئینے کی بدنگاہی سے

لڑی یوں آنکھ اپنی چشمِ قاتل سے تہِ خنجر
سپاہی روزِ میداں جیسے لڑتا ہو سپاہی سے

فراموشی جو ان کی ہے تو ہم بھی ٹال جائینگے
خطا ثابت کرے کون اپنے ذمہ عذر خواہی سے

خدا سے ڈر نہ کر اندھیر اے بختِ سیہ اتنا
ڈرے جاتے ہیں گیسوئے بتاں تیری سیاہی سے

سنا ہے غیر سے ہمنے کہ تم ہو حسن میں یکتا
یہ دعوی سچ مگر ثابت ہوا جھوٹی گواہی سے

مرا دل او ستمگر چلتے چلتے کر دیا چھلنی
لگائیں برچھیاں مڑ مڑ کے کیا کیا کج نگاہی سے

زوالِ حسن ہے اب کیوں تمہارے گرد ہیں عاشق
کہو رخصت ہوں پروانے چراغِ صبحگاہی سے

شبِ فرقت کا خاکہ کھینچکر نقاشِ قدرت نے
بھرا ہے رنگ شاید گورِ کافر کی سیاہی سے

سوالِ مے تمھیں ساقی سے تیرے مست کرتے ہیں
کھلا ہوگا کبھی منہ تو کھلا ہوگا جماہی سے

کہاں ہیں مضطرب ہم سے جہاں میں بار ہا ہمنے
تڑپنا لوٹنا چھڑوا دیا ہے برق و ماہی سے

ہمارے دل کا آئینہ سرِ محفل تو پہنچا ہے
زیادہ اب ہے بیتابی تو انکی کم نگاہی سے

سیہ طالع تو ہوں پر ہیں دو عالم مجھ سے یوں روشن
کہ نور آنکھوں میں ہے جسطرح پتلی کی سیاہی سے

الٰہی وہ بھی دن آئے کہ وہ بُت مجھ کو بُلوائے
کہوں میں ایک دم فرصت نہیں یادِ الٰہی سے

امیر اب جلد ہستی سے چلو سوئے عدم اُٹھو
ستائے گی اجل کچھ فائدہ کیا عذر خواہی سے

رتبہ شہیدِ عشق کا گر جان جائیے
قربان ہونے والے پہ قربان جائیے

اچھی نہیں اطاعتِ عاشق کی عادتیں
کہنا رقیب کا نہ کہیں مان جائیے

خنجر کمر سے کھینچکے گردن پہ رکھ دیا
اور بولے ابتو کہہ ترے قربان جائیے

کہتے ہیں گھر مرا کوئی حسرت کدہ نہیں
صاحب یہاں نہ چھوڑ کے ارمان جائیے

عاشق کی لاش پر ہے کچھ اظہارِ غم ضرور
صورت ذرا بنا کے پریشان جائیے

ہم کو تو ہائے کوئی کہیں پوچھتا نہیں
پوچھے تو لاکھ مرتبہ مہمان جائیے

قاضی سے جا کے دارِ قضا میں کوئی کہے
سبزی قلندروں کی ذرا چھان جائیے

اچھا ہوا کہ حضرتِ دل واں دھر گئے
کس نے کہا تھا بنکے نگہبان جائیے

جیسا ہو دیس بھیس بھی ویسا ہی چاہیے
جنگل کو چاک کر کے گریبان جائیے

کہتے ہیں بوسہ دیکے میں آفت میں پڑ گیا
رٹ ہے اک اور بھی ترے قربان جائیے

مٹی نہ دیجیے مجھے اچھا نہ دیجیے
اچھا ملا کے خاک میں ارمان جائیے

جُوراہ آپ آئنہ خانے میں کھو لیے
ایسا نہ ہو کہ ہو کے پریشان جائیے

آخر ہوئے نہ حضرتِ دل آپ واں ذلیل
ہاں اور دوڑ دوڑ کے مہمان جائیے

آخر ہے رات وصل کی کب تک نہیں نہیں
بس بس خدا کو مان کے اب مان جائیے

خلوت میں اُس کی دل کو تو لیجائیے امیر
پر دل میں کوئی لیکے نہ ارمان جائیے

پہچان پر ہے ناز تو پہچان جائیے
کیا ہے ہمارے دل میں بھلا جان جائیے

گھر غیر کے مزے سے مری جان جائیے
شوخی و شرم دو ہیں نگہبان جائیے

اس بانکپن سے قتل ہُوا ہیں کہ کہ اُٹھے — ایسا ہو جان نثار تو قربان جائیے
مانی ہیں میں نے سیکڑوں باتیں تمام عمر — آج آپ ایک بات مری مان جائیے
کہتے ہیں آکے در پہ مرے پائیے گا کیا — ہاں خاک چھاننی ہو اگر چھان جائیے
یہ رشک بد بلا ہے دمِ رخصتِ حبیب — کیونکر کہوں خدا ہے نگہبان جائیے
محشر میں بھی شہیدِ محبت کو ہے یہ رٹ — اک ہاتھ اور بھی ترے قربان جائیے
آئے ہیں بال کھولے دمِ نزع اس لیے — دنیا سے جائیے تو پریشان جائیے
جانے کو منع میں نہیں کرتا مگر حضور — دل سے مرے نکال کے ارمان جائیے
اُن چتون سے کہتی ہیں یہ حسرتیں مری — ان ناوکوں سے سینہ و دل چھان جائیے
ہوں آشنا خدا سے تو کعبے کو جائیں ہم — ہو میزبان سے رسم تو میہمان جائیے
بالیں پر آپ ہیں تو نکلتا نہیں ہے دم — مشکل کو میری کیجیے آسان جائیے

کیا ہند میں کمی ہے معشوق کی امیر
شیراز جائیے نہ خراسان جائیے

چاندنی میں جو وہ آجاتا ہے — چاند کو داغ لگا جاتا ہے
کسقدر زار ہے عاشق تیرا — رنگ کے ساتھ اُڑا جاتا ہے
سر بکف میں ہوں وہ شمشیر بکف — فیصلہ آج ہُوا جاتا ہے
آئنہ دیکھ کے شرمائیں نہ آپ — دیکھیے کوئی کھپا جاتا ہے
دل لگی سمجھے ہو دل کا آنا — جان جاتی ہے جب آجاتا ہے
اتنی تیزی نہ کرا ے نشۂ حسن — کوئی بیہوش ہُوا جاتا ہے

کہیے مطلب کی جو اُس سے تو امیر
سُنکے وہ صاف اڑا جاتا ہے

عکسِ آئینہ سے یہ ظاہر ہے — تو ہی اوّل ہے تو ہی آخر ہے

وصل اُس بت سے ہو جو بکھے نصیب
جان سی چیز دی نہیں جاتی
قتل میں کس لیے اب تاخیر
کب سر معرکہ یہ بڑھ کے ٹلا
کوئی مہمان سرا ہے یہ دنیا

کچھ تعجب نہیں وہ قادر ہے
پر کروں کیا تمہاری خاطر ہے
آپ موجود بندہ حاضر ہے
قادم اپنا بھی حکم نادر ہے
جو ہے اس گھر میں وہ مسافر ہے

چشم پر خون کے دیکھنے سے امیر
دل کا جو رنگ ہے وہ ظاہر ہے

غیر کے پہلو میں یار دیکھیے کب تک رہے
پھول تو سب باغ میں سوکھ گئے کانٹا ہوئے
نرگس شہلا ہے مست چاہیے سے باہر ہیں گل
ساقی پیمانشکن گھر سے نکلتا نہیں

جان حزیں بقرار دیکھیے کب تک رہے
گلبدنوں کی بہار دیکھیے کب تک رہے
حسن عروس بہار دیکھیے کب تک رہے
نشۂ مے کا خمار دیکھیے کب تک رہے

روز نئے دل وہاں پھنستے ہیں جا کر امیر
یار کو شوق شکار دیکھیے کب تک رہے

کہوں کیا کہ وہ شوخ کیا آدمی ہے
نہیں مرو ہم چشم یہ ہے کسوٹی
جو سمجھے کہ میں ہوں زمانے سے چھوٹا
بتوں میں خدائی کا جلوہ دکھایا
بُرائی مری سُنکے غیروں سے بولے

عجب چال کا گھات کا آدمی ہے
نگاہوں میں اچھا بُرا آدمی ہے
وہی فی الحقیقت بڑا آدمی ہے
برہمن بھی با خدا آدمی ہے
یہ سب سچ مگر یہ کیا آدمی ہے

امیر اس کی ہے لامکاں تک رسائی
فرشتے سے بھی کچھ سوا آدمی ہے

کوچۂ یار پر خضر صدقے

سگ محبوب پر ہرن صدقے

ایک سیدھی نگاہ پر تیری
لاکھ بانکوں کا بانکپن صدقے

تو وہ ہے شمعِ انجمن جس پر
انجمن کی ہے انجمن صدقے

خطِ عارض پہ سبزہ زار نثار
گلِ رخسار پہ چمن صدقے

دخترِ رز کو دیکھ لے جو کبھی
کہہ اٹھے شیخ جانِ من صدقے

تیرے کوچے سے گھر کو کیا نسبت
ایسی غربت پہ سو وطن صدقے

یاد آتا ہے ان کا یہ کہنا
تجھ پہ اے امیرؔ من صدقے

منکسر ہیں ہمارا گھر بنے اور ٹوٹ جائے
اٹھتے ہی دیوار بیٹھے در بنے اور ٹوٹ جائے

غیر نے تدبیر کی ہے پر نہ ہو اس بت سے وصل
یہ طلسم ایسا ہے خالق گر بنے اور ٹوٹ جائے

وعظ ہے مدِ نظر واعظ کو رندوں کی ہنسی
بدشگونی ہو کہیں منبر بنے اور ٹوٹ جائے

دل شکستہ کیوں نہ بعد مرگ ہوں ہم اے کلال
جب ہماری خاک سے ساغر بنے اور ٹوٹ جائے

تیغ آہن کا ہے میری سخت جانی سے یہ حال
جیسے مٹی کا کوئی خنجر بنے اور ٹوٹ جائے

ہوں وہ دیوانہ جو رکھوں دشتِ وحشت میں قدم
چار چھالوں میں مرے نشتر بنے اور ٹوٹ جائے

کشتیِ مے جوشِ فصلِ گل سے ہے اس زور پر
توبۂ زاہد یہاں لنگر بنے اور ٹوٹ جائے

بحرِ ہستی میں تنِ انسان حبابِ آب ہے
آنِ واحد میں کیوں یہ گھر بنے اور ٹوٹ جائے

دل شکستہ ہوں کھنچے مانی سے کیا پوری شبیہ
پاؤں کھنچ کر ہوں شکستہ سر بنے اور ٹوٹ جائے

پیرہن تجھ سے جو اس بت کی کہوں سنگیں دلی
سنتے سنتے دل ترا پتھر بنے اور ٹوٹ جائے

آنکھ تیری آ کے گردش میں جھپک جائے اگر
اک نگہ میں ساقیا ساغر بنے اور ٹوٹ جائے

ہے زمینِ سست میں برباد کاوش اے امیرؔ
جیسے ریگستان میں چاہ اکثر بنے اور ٹوٹ جائے

یوں آنسوؤں سے ہے دلِ مضطر کی خرابی
برسات میں ہو جیسے کسی گھر کی خرابی

ہے قالب بیجان کی طرح روح سے خالی
دل خاک ہو آباد جو برباد کرے عشق
واعظ سے کہے کوئی کہ للہ ریا چھوڑ
سو گنج رواں دیں عوض اک جام کے مسکیش
ہر چند کہ ہو صاف سخن لاف ہے بیجا

کیا پوچھتے ہو مجھ سے مرے گھر کی خرابی
ظالم ہو جو حاکم تو ہے کشور کی خرابی
تا چند یہ محراب کی منبر کی خرابی
مُصرف کے لگے ہاتھ تو ہے زر کی خرابی
ہوتی ہے گرج جانے سے گوہر کی خرابی

ہے سُست مضامین سے امیر اپنی غزل سُست
ہے نا خلف اولاد سے اس گھر کی خرابی

کیونکر رہیں نہ اُسکی نظر سے گرے ہوئے
فرہاد و قیس و نل کا جہاں ذکر آ گیا
ساقی ہو برق وے کہیں شیشے سے جلوہ گر
اللہ ہے کہ جان غریبوں کی اب نہ بچے
جب سے پڑی ہے آنکھ کسی روئے صاف پر
اللہ رے انقلاب زمانہ کہ ان دنوں
پلکوں کو اور یار کی آنکھوں کو دیکھ لو
دیوان میں لکھ دیا جو کسی ضعفِ دل کا حال
گیسو کا بوسہ دیں وہ اگر لے کے نقدِ دل

ہم سے ہمارے طالع بد ہیں پھرے ہوئے
اپنی بھی عاشقی کے وہاں تذکرے ہوئے
گلشن پہ کیا سیاہ ہیں بادل گھرے ہوئے
ترکوں کے نیمچوں میں پٹھے چڑھے ہوئے
ہیں مہر و ماہ دونوں نظر سے گرے ہوئے
جو اس سرے پڑے تھے وہی اس سرے ہوئے
نیزوں میں ہیں دو غزال ہیں گویا گھرے ہوئے
بحریں ہوئیں خفیف ورق جھڑ جھڑے ہوئے
نقصان نہیں ہے دام ہیں اتنے ترے ہوئے

کیا منہ چڑھ ہیں گے خالِ رُخ یار کے امیر
انجم ہیں آپ اپنی نظر سے گرے ہوئے

جبیں قمر ہے ہلال ابرو تو چہرہ غصے سے لال بھی ہے
میں تیرہ بختی سے اپنی خوش ہوں کہ تیرہ لف و خال بھی ہے
کشیدہ ابرو ہیں اُس قمر کے تو روئے پر نور لال بھی ہے

بتوں سے ظاہر ہے شان خالق جمال بھی ہے جلال بھی ہے
خدا کے گھر کا خلاف کالا سیاہ رنگ بلال بھی ہے
سپہر خوبی پہ ہے یہ ثابت کہ مہر بھی ہے ہلال بھی ہے

ورنگ کیا دے جو کچھ ہو دنیا کریم کیا پوچھتا ہے اُس سے
گواہ تغییر حال بھی ہے گدا کی صورت سوال بھی ہے

یکسکو دیکھا کہ ہو گئے چپ ہوئی فراموش ساری ہو حق
پڑے ہیں مثلِ مریض صوفی کرینگے کیا وجد حال بھی ہے

بٹھا کے در پر رقیب کو وہ مرے گھر آئینگے دیکھنے کو
خوشی تو ہے میرے دلکو لیکن شریک کچھ کچھ ملال بھی ہے

کہے یہ زاہد سے کوئی جا کر کہ میری بخشش کا کیوں ہے منکر
گناہ کرتا تو ہوں میں بیشک مگر مجھے انفعال بھی ہے

اگرچہ افلاس میں ہوں لیکن نظر ہے میری بلند ابتک
عروسِ دولت کو خاک سمجھا ہوں نظر میں میری یہ مال بھی ہے

وہ قد قیامت وہ خال آفت غضب کے تیور بلا کی چتون
نگاہ ناوک بھی برق بھی ہے کمان ہے ابرو ہلال بھی ہے

بتوں کی الفت سے باز آؤ خدا سے پیری میں لو لگاؤ
امیر دنیا سے ہاتھ اُٹھاؤ ضرور فکرِ مآل بھی ہے

ہاتھ طوقِ گردنِ مینا کیے
میکدے میں ہم مزے لوٹا کیے

ہم وہ میکش تھے کہ پی جبتک شراب
دامنِ قاضی سے منہ پوچھا کیے

حضرتِ ناصح یہاں آتے تھے آج
دیر تک کچھ بیٹھے جھک مارا کیے

آئینے کو تم نے دکھلایا جمال
ہم کنارے بیٹھے منہ دیکھا کیے

مٹ گئے جب داغِ دل بولا وہ گل
پھول جو ہمنے دیے تھے کیا کیے

دخترِ رز آئی ہمارے پاس امیر
اور میکش دُور سے تاکا کیے

دن جوانی کے گئے پیریِ سفر کا وقت ہے
رات گزری چونک اے غافل سحر کا وقت ہے

چشم پوشی سے تغافل سے حذر کا وقت ہے
دم ہے آنکھوں میں ترحم کی نظر کا وقت ہے

وصل کی شب کچھ ابھی ہے یا سحر کا وقت ہے
کان بجتے ہیں الٰہی یا گجر کا وقت ہے

گھر کہاں جاؤ گے خسخانے میں جا کر سو رہو
دھوپ پڑتی ہے غضب کی دوپہر کا وقت ہے

اضطرابِ دل ہوا پیدا جو ہنگامِ دعا
ہو گیا پورا یقین مجھ کو اثر کا وقت ہے

اسقدر ہو رہرو کیا پاؤں پھیلاتے ہوئے
رنگما کی آواز آتی ہے سفر کا وقت ہے

تابِ رُخ میں زلف کستی ہے دلِ عشاق سے
دھوپ سے سائے میں ٹھہرو دوپہر کا وقت ہے

خود بخود سینے میں کیوں ٹکڑے ہوا جاتا ہے دل
شاید اُس کوچے میں قتلِ نامہ بر کا وقت ہے

روکتا ہوں میں تو کہتے ہیں وہ دامن کھینچ کر
مجھ کو جانے دو دھندلکے میں سحر کا وقت ہے

نیک ساعت ہے دعائے وصل اسدم چاہیے
آنکھیں پھر آئی ہیں اختر کے گزر کا وقت ہے

ضعفِ تن نے مجھ کو پیری میں خبر دی کوچ سے
گھڑیاں چلکیں تو میں سمجھا گجر کا وقت ہے

ایک دم مجھ زار کو فرصت تڑپنے سے نہیں
دردِ دل کے بعد ہی دردِ جگر کا وقت ہے

نیم جاں چھوڑے ہوئے مقتل سے جاتا ہے وہ شوخ
اے نگاہِ یاس یہ تیرے اثر کا وقت ہے

گرمیاں اُس رُخ کی بھڑکے دیتی ہیں اثرِ وصال
آفتاب آیا ہے سر پر دوپہر کا وقت ہے

رات گزری صبح آئی کر دعا حق سے امیر
سارے وقتوں سے یہی اچھا اثر کا وقت ہے

صبا کو یہ کیا آج موج آ گئی
کہ پھولوں سے تربت مری چھا گئی

ادا اُسکی کیا ستم ڈھا گئی
قضا کے گلے مجھ کو ملوا گئی

جہاں سے مجھے لائی تھی میری عمر
وہیں سیر دکھلا کے پہنچا گئی

صدا خاکِ لیلیٰ سے آئی کہ قیس
مجھے تیری دیوانگی کھا گئی

خدا جانے وہ تیغ کیا وقتِ قتل
گلے مل کے بسمل کو سمجھا گئی

ستم لذتِ نیستی نے کیا
مجھے میرے ہاتھوں سے مٹوا گئی

وہ بیمار بیکس ہوں میں ناتواں
تڑپ آ کے کروٹ بدلوا گئی

مرے عشق کی وجہ ناصح نہ پوچھ
طبیعت ہی تو ہے ادھر آ گئی

غضب آ گیا جانِ عشاق پر
جہاں کوئی ہچکی اُنہیں آ گئی

ذرا اپنی مہندی سے پوچھو تو تم
مرے دل میں کیوں آگ بھڑکا گئی

رہا وصل میں بھی میں محرومِ وصل
حیا اُسکو پردے میں بٹھلا گئی

بڑی بیوفا عمر رفتہ تھی ہائے
مسافر کو رستے میں لُوٹا گئی

ہوئی وصل میں بھی خلوت نصیب
جو شوخی ہٹی تو حیا آ گئی

بلایا تو تھا میں نے تجھ کو حیا
لپٹ کر مرے ساتھ کیوں آ گئی

عدم کا بھی رستہ نہ سیدھا رہا
کہ اُسکی کمر آج بل کھا گئی

پھر کیوں غمزے کرتی ہے عشاق سے
قضا کو کہاں سے ادا آ گئی

نئے رنگ کے کھل گئے گل امیر
طبیعت جہاں رنگ پہ آ گئی

وہ صورت تصور میں کیا آ گئی
پری آگے تصویر کھچوا گئی

نئی چشم ساقی کو موج آ گئی
مری عمر کا جام چھلکا گئی

تری طرح کیا وہ بھی ہے سوگوار
ہنسی میرے پھولوں میں کیوں آ گئی

کہا جھک کے مینا نے کچھ جام سے
تری بات اے دختِ رز آ گئی

نہ آئے اگر یار پیماں شکن
اجل آنے میں تو نہ کرنا گئی

کہانی مرے درد کی کچھ نہ تھی
مگر ساری مجلس کو پٹوا گئی

کھلا ان کا جوڑا تو دشمن کے گھر
اندھیری مرے گھر میں کیوں چھا گئی

قیامت ہے واعظ اسی تاک میں
ادھر تو نے پی اور اُدھر آ گئی

پسینے میں کیوں ڈوبتی تیغ یار
کیا اُسنے عریاں تو شرم آ گئی

چھپا رُخ کو دل لیکے اُس زلف نے
وہ قرآن کی جھوٹی قسم کھا گئی

قیامت ہیں اے یاس جھونکے ترے
مری شاخ اُمید مرجھا گئی

مرے دل کی اللہ رے بربادیاں
کہ وحشت بھی تنگ آ کے گھبرا گئی

نظر تم نے گھونگھٹ اُٹھا کر جو کی
عروسِ بہار اور شرما گئی

مرا دل تھا وہ پھول کی پنکھڑی
چمن میں جو کھلتے ہی مرجھا گئی

بلا تھی شامِ غم اے صبحِ وصلت
نکالا تو نے آکر میرے گھر سے

تڑپنے کا مزہ جی بھر کے لیلوں
ذرا تھم تھم کے درد اُٹھے جگر سے

مبارک تجھ کو اے شوقِ شہادت
وہ لی تلوار قاتل نے کمر سے

ستم ہے تیرے ہوتے آب پیکاں
مرا دل بوند بھر پانی کو ترسے

ہجومِ آرزو ہے وقت آخر
پتنگے پلٹے ہیں شمعِ سحر سے

خدا کو رحم آیا بیکسی پر
کہاں پہنچا ہوں میں گر کر نظر سے

مسی چھوٹی ہوئی سوکھے ہوئے ہونٹھ
یہ صورت اور آپ آتے ہیں گھر سے

ذرا ٹھہرو ابھی جوڑا نہ کھولو
نزاکت پوچھ لے پہلے کمر سے

وہ آئینے سے اپنے پوچھتے ہیں
کوئی ہم سا بھی گزرا ہے نظر سے

بلا لو سامنے دیکھو تو کیا
تڑپ کر آئینہ نکلا ہے گھر سے

ہدف ہونے کو اللہ ری تمنا
جگر آگے ہے دل سے دل جگر سے

تڑپ اس برق کو میں نے سکھائی
چمکتا ہے درد کی میرے جگر سے

خدا حافظ ہے اب میری نظر کا
کہ لڑنے جاتی ہے اُسکی نظر سے

نہیں سنتی اجل بھی میری فریاد
مگر سیکھے ہیں یہ غمزے اثر سے

تبسم نے نمک چھڑکا یہ کہہ کر
میں ہنستا ہوں ترے زخمِ جگر سے

امیر اس قتلگہ کو لے چلا ہے
لپٹ کر خود مرا دامن کمر سے

حشر میں جس نے کہا بندہ خطاروں میں ہے
رحمت اُسکی بولی چل تو کُن گنہگاروں میں ہے

پھنک رہا ہوں ہجر میں کچھ دھیان رخساروں میں ہے
جان پھولوں میں پڑی ہے جسم انگاروں میں ہے

مغفرت کا تو جو طالب ہے تو زاہد آ ادھر
پیار کرتی ہے وہ میخواروں کو میخواروں میں ہے

میں ہوں عاجز اور اُسکو عاجزی محبوب ہے
بے نیازی اُسکی میرے ناز برداروں میں ہے

نہ تھے تیرے مرنے کے یہ دن نعیم[۱]   خدا جانے کس کی نظر کھا گئی

اُدھر شرم اِدھر توبہ ٹوٹی امیر
شکست آج دونوں طرف آگئی

اُسکی شوخی شرر میں ہے اُسی کی گرمی حنا میں ہے
ہُوا ہے اُس زلف و رُخ کا سودا نہیں ہے ہمکو قرار اک جا
ہوئے ہیں ہم داغ کھا کے آخر اثر ہے سوزِ جگر کا ظاہر
جو حالِ چشمِ پر آب کہیے تو بادلوں کا جواب کہیے
ہُوا ہے بے روح جلبے پیکر ہمیں ہے سیرِ جہاں میسر
نہیں ہیں رنگِ لباس ہر گل نہیں تلوّن سے کام بالکل
کمال خواہش ہے دل کو مرکر کہ بوسہ اس لب کا ہو میسّر
چلی ہے لا کھوں ہی تیغِ قاتل عجب ہے بیٹھا ہے اب بھی غافل
گئے جو ہم سوئے دشت وہاں کھلا یہ ہمپر جنوں میں مضمون
ہُوا ہمیں ہر چند غم سے ہیجان گیا نہ سوزِ فراقِ جاناں
نئی ان اشکوں میں ہے روانی کہ پھول کھلتے ہیں ارغوانی
گدا نے رہکر بہت پکارا جواب اندر سے کچھ نہ آیا
ہوئی جہاں سے عدم کو راہی ہی ہے قرقت کی پر تباہی

وہ آب ہر سبزہ زار میں ہے وہ لالہ ہر کوہسار میں ہے
حلب میں ہے ایک پاؤں اپنا تو ایک ملکِ تتار میں ہے
لحد پہ طاؤس ہیں مجاور مزار بھی لالہ زار میں ہے
مرے پہ ہمکو سحاب کہیے کہ اب بھی دریا غبار میں ہے
زمیں میں گڑ کر گئے فلک پر چڑھا وہ اپنا اُتار میں ہے
ہیں اس چمن میں ہوں لحنِ بلبل کہ ایک صورت ہزار میں ہے
کلال جلدی بنائے ساغر خراب مٹی مزار میں ہے
دیت وہ کس کس کو دیگا ایدل کہ ایک کوڑی کٹار میں ہے
نہیں بگولے یہ خاکِ مجنوں تلاشِ محمل سوار میں ہے
پسِ فنا بھی یہ جسمِ سوزاں شرار سنگِ مزار میں ہے
شہیدِ شاید چمن کا پانی خمیرِ جسمِ نزار میں ہے
بخیل در بند کرکے بیٹھا کہ کوئی مردہ مزار میں ہے
مکاں میں کیسر جو تھی سیاہی وہی اندھیرا مزار میں ہے

امیر کو کسنے تشنہ مارا کہ اب بھی پانی کا ہے تقاضا
غبار اُڑتا نہیں ہے بیجا تلاشِ ابرِ بہار میں ہے

کہیں یہ بھی نہ چھپ جائے نظر سے
وہ فتنہ حشر میں اُٹھے کو ترسے
نہ آیا تیر جب کوئی اُدھر سے

نزاکت لپٹی جاتی ہے کمر سے
گرائے تو جسے اپنی نظر سے
لپٹ کر خوب رویا دل جگر سے

[۱] جوانمرگی حکیم محمد نعیم الزمان خان خلف جناب شیخ محمد وجیہ الزمان خان مرحوم کی طرف اشارہ ہے

ڈھونڈتا ہے اسکو اے زاہد تو اپنے دل میں ڈھونڈ
چھپت میں کعبے کی نہ وہ کعبے کی دیواروں میں ہے

شوخ وہ ہم مضطرب وہ نازنیں ہم ناتواں
ملنی جلتی یار سے ہے بات جو یاروں میں ہے

حشر کے دن دیکھ کر آغوشِ رحمت میں مجھے
پوچھتی ہے خلق تو کس کے گنہگاروں میں ہے

کیا نمودِ آفتابِ حشر داغوں کے حضور
وہ بھی اک چھوٹا سا انگارا ان انگاروں میں ہے

اسکو اے ساقی اٹھا دے کام کیا اس کا یہاں
یہ تکلف بھی ہے کیا میکش جو میخواروں میں ہے

حسن و عصمت دونوں یکجا ہوں یہ ممکن ہی نہیں
گھر میں وہ پردہ نشیں ہے شور بازاروں میں ہے

پوچھتی ہے میرے آنسو مرگِ دشمن کی خوشی
ہوں میں وہ ناشاد شادی میرے غمخواروں میں ہے

ابر جب گھر گھر کے آتا ہے پلاتا ہے شراب
رحمت اسکی آج ساقی بنکے میخواروں میں ہے

لینے آئی ہے اجل کس کو عدم کو جائے کون
اتنی طاقت اب کہاں فرقت کے بیماروں میں ہے

صورتِ آئینہ ہر صورت سے ہے وہ آشنا
یار اگر یاروں میں ہے عیّار عیّاروں میں ہے

گھر وہی ہے ہجر کے دن بھی جو روزِ وصل تھا
دلمیں وحشت ہے دروں میں ہے نہ دیواروں میں ہے

ہے صدا حاتم کی در پر میرے آقا کے امیر
یہ خدا رکھے عجب دربار درباروں میں ہے

رکا خنجر جو دستِ نازنیں سے
چھری جھنجلا کے لی چینِ جبیں سے

یہ ظاہر ہے دلِ اندوہگیں سے
کہ ظالم چوٹ کھا آیا کہیں سے

اٹھے جب گردباد آسا کہیں سے
زمیں کچھ لیکے اٹھے ہم زمیں سے

کہاں رکتا پردہ وقتِ رقصِ بسمل
نکل آئی کلائی آستیں سے

بچوں گا ہجر میں تو وصل کی شب
وہ مجھ کو مار ڈالیں گے نہیں سے

نہیں منہ سے جو نکلی پھر کہاں ہاں
خدا محفوظ رکھے اس نہیں سے

کبھی چھپ کر بھی مجھ کو دیکھ لیگی
ذرا پوچھو تو چشمِ شرمگیں سے

اٹھایا برہمی سے اسنے گھونگھٹ
جبیں پیدا ہوئی چینِ جبیں سے

سوالِ بوسہ لب تک کیونکر آئے
حیا آتی ہے چشمِ شرمگیں سے

حذر ہے مسلم اور جو واعظ
ملے دستِ بتانِ نازنیں سے

کیا کیا دخترِ رز نے وصل میں کام
نزاکت چھین لی اُس نازنیں سے

یہ کس کا آستانہ ہے کہ سجدے
گرے پڑتے ہیں آغوشِ جبیں سے

صبا آتی ہے اٹھلاتی ہوئی آج
کوئی پیغام لائی ہے کہیں سے

جفائے آسماں کی داستاں ہیں
سنو گورِ غریباں کی زمیں سے

پسِ مردن تصور ہیں کسی کے
لپٹ جاتا ہوں تربت کی زمیں سے

چڑاؤ بھیک مانگوں کو کیا کام
انہیں روز اک نیا دل دو کہیں سے

مقابل آئنہ ہے آنکھ اُٹھاؤ
ہنسو بولو کچھ اپنے ہمنشیں سے

یہ غصہ ہے کہ دیکھا آئنہ کیوں
حیا روٹھی ہے چشمِ شرمگیں سے

وہ نقشِ دلنشیں ہے نام تیرا
ملے تو چھین کر لیں یوں نگیں سے

چڑھائیں تیوریاں تم آئنے پر
تمہارے ناز اُٹھیں گے تمہیں سے

غضب کا وقت ہے ہوتی ہیں رخصت
تمنائیں نگاہِ واپسیں سے

اجل بھی چیخ اُٹھی ہم نے دمِ نزع
وہ چٹکی لی نگاہِ واپسیں سے

امیر آئے وہ سب قسمت میں میری
مٹے جو بل حسینوں کی جبیں سے

جو تم ہو مرے دل میں تو دل یہی ہے
یہی گھر ہے لیلیٰ کا محمل یہی ہے

ترا دوست میرا عدو دل یہی ہے
ترا بسمل اور میرا قاتل یہی ہے

ستم ہے نکیلی چھری اس نگہ کی
کلیجے میں رکھنے کے قابل یہی ہے

رہِ عشق میں جب جگہ گر پڑا میں
کہا ضعف نے تیری منزل یہی ہے

نہ چھوڑوں گا میں تیرے ناوک کو ظالم
کہ حسرت بھرے دل کا قاتل یہی ہے

مرے دلکو ٹھکرا گے مجھ سے وہ بولے
بڑی دھوم جسکی تھی وہ دل یہی ہے

نہیں اُس کو دشوار کچھ ذبح کرنا
میں ہوں سخت جان سخت مشکل یہی ہے

وہ صورت تصور سے ہٹنے نہ پائے
ترا حسن اے عشق کامل یہی ہے

مرے ناتواں دل کو دیکھا تو بولے
ہلا دیگا جو عرش وہ دل یہی ہے

اجل گور تک مجھ کو پہنچا گے بولی
مسافر ٹھہر تیری منزل یہی ہے

امیر اس کرم پر میں صدقے کہ اُس نے
کہا میری رحمت کے قابل یہی ہے

خفا جس سے عیسیٰ ہے وہ دل یہی ہے
جو زندہ ہے مردوں میں شامل یہی ہے

تڑپ کر کہیں دل نے مارا تو سمجھے
کہ بسمل کے پڑے میں قاتل یہی ہے

نہ گھبرا تہِ خنجرِ عشق دم لے
مزے کا تو وقت اس میں اے دل یہی ہے

کھلا تختہ لالے کا تو میں یہ سمجھا
کہ اُسکے شہیدوں کی محفل یہی ہے

خدا وادیِ امتحاں میں سنبھالے
کڑی راہ اُلفت میں منزل یہی ہے

مری لاش پامال کرتا ہے ظالم
اسے جان دینے کا حاصل یہی ہے

تماشا مرے دل کے داغوں کا دیکھو
چمن سیر کرنے کے قابل یہی ہے

کلی پھول کی بلکے چٹکی ہے اُسنے
کہا مجھ سے کیوں آپکا دل یہی ہے

عدم میں فراق احبا کا غم کیا
یہیں آئینگے سب کی منزل یہی ہے

مرا دل ہی دشمن ہے دلبر کرے کیا
وہ ہے مفت بدنام قاتل یہی ہے

کمالِ طلب ہے جو خود ہو وہ طالب
وہ کھنچ آئے خود جذب کامل یہی ہے

جسے شیشہ سمجھا ہے اے محتسب تو
نہ توڑ اسکو ظالم مرا دل یہی ہے

عدو لو میں اُس بزم سے تو اُٹھاؤں
جگہ اُس کی دل میں ہی مشکل یہی ہے

دلِ دشمن اُس حور کا گھر بنا ہے
جہنم میں فردوس منزل یہی ہے

امیر اُس سے تیور مرے کہہ رہے ہیں
تری بانکی چتون کا بسمل یہی ہے

یہ کس بیدرد کس ظالم پر اپنا دم نکلتا ہے
یہ رہ رہ کر کلیجا چٹکیوں سے کون ملتا ہے

ترے بیمار کا کام اب بڑی مشکل سے چلتا ہے
کہ درد اُٹھ کر بدلواتا ہے تب کروٹ بدلتا ہے

بہار آ پہنچی ہے شاید کہ دامان و گریباں میں
بہم یہ بحث ہے دیکھیں تو کون آگے نکلتا ہے

ضرور آفت کوئی آئی ہے دل پر ورنہ اے ہمدم
تڑپتا لوٹتا کیوں آنکھ سے آنسو نکلتا ہے

ترا بیمار اے عیسیٰ نفس بگڑا ہے اب ایسا
سنبھالا بھی سنبھالے آکے تو وہ کب سنبھلتا ہے

ہمیں دھڑکا ہے ایسا اُٹھ جانیکا محفل سے
بدلجاتا ہے رنگ اپنا جو وہ زانو بدلتا ہے

حنا کیوں دیکھ کر اُس کو پسی جاتی ہے گلشن میں
لہو عشاق کا ملتا ہے منہدی کب وہ ملتا ہے

چھڑکتے ہیں وہ افشاں گیسوؤں پر خبر ہو دل کی
مسافر چھاؤں میں تاروں کی گھر سے چل نکلتا ہے

خدا بھی عاجزوں کی عاجزی سنتا ہے محشر میں
بڑی سرکار میں دربار میں یہ عذر چلتا ہے

رُلا دیتی ہیں ہنستی صورتیں ان خوبرویوں کی
یہ طفل اشک انہیں پیارے کھلونوں پر مچلتا ہے

یہ کسکی گرمیوں سے پھنک رہی ہے شمع محفل میں
کہ پروانہ پروں سے شب کو پنکھا روز جھلتا ہے

ذرا سی جان ہے پر دل جگر پروانے کا دیکھیو
کہ جلتی آگ میں کس شوق سے گر گر کے جلتا ہے

خرام ناز پر اُٹھے گریباں چاک کرتا ہوں
کسی کے پاؤں چلتے ہیں کسی کا ہاتھ چلتا ہے

جو کہتا ہوں کہ میرا دم نکلتا ہے تو کہتے ہیں
ہمارے وصل کا ارمان تو یوں ہی نکلتا ہے

تمہاری گرمیاں آفت ہیں ہجر و وصل دونوں میں
کوئی دوزخ میں پھکتا ہے کوئی جنت میں جلتا ہے

عجب تقدیر پائی ہے امیر اس دار دنیا نے
نہیں آنا پھر اس گھر میں جو اس گھر سے نکلتا ہے

بہار آ پہنچی ہے اب جام مے مستوں میں چلتا ہے
خدا چاہے تو رنگ گلشن عالم بدلتا ہے

گلے پر پھیرنے ارماں اُسکے خنجر کا نکلتا ہے
خراماں یوں ہے جیسے باغ میں طاؤس چلتا ہے

رفوگر دیکھ کر میرے جنوں کو ہاتھ ملتا ہے
گریباں کو رفو کرتا ہے تو دامن نکلتا ہے

یہ مطلب ہے فقط اپنا صنم خانے میں جانے سے
کہ اچھی صورتوں کو دیکھ کر کچھ جی بہلتا ہے

ذرا تو نشہ کم ہو توبہ پڑھواتا ہے کیا واعظ
کہ بیہوشی میں کہتا کچھ ہوں منہ سے کچھ نکلتا ہے

ہم اتنی بات پر خوش ہیں کہ مذکور اپنی الفت کا
ہمیشہ ذکر حسن یار کے ہمراہ چلتا ہے

کہیں شادی کہیں غم طرفہ دنیا کی دورنگی ہے
پہنتا ہے کفن کوئی کوئی کپڑے بدلتا ہے

نہیں بیکار کوئی شے جہاں میں کلک کو دیکھو
زباں گنگ ہے پر کام کیا اس سے نکلتا ہے

ترے نقش قدم سے وہی ہے جو لے ماہرو نسبت
خوش ایسا ہے کہ اب پنجوں کے بل طاؤس چلتا ہے

اگر چشم بصیرت ہے رفاقت سیکھ سایے سے
کہ رہرو جسطرف چلتا ہے یہ بھی ساتھ چلتا ہے

کیا نالہ اگر دل نے تو آنسو بھی رواں ہونگے
کہ لشکر جمع ہوتا ہے علم جب دم نکلتا ہے

ذرا سمجھو مری اُمید ناحق قطع کرتے ہو
شجر کا کاٹنا کب کاٹنے والے کو پھلتا ہے

چلی عمر رواں جس دم زوال آیا جوانی کو
مگر ہے دوپہر سایا کہ دن اُس میں کبھی ڈھلتا ہے

وہ شاعر زندہ ہے مشہور عالم ہے سخن جس کا
کہ نام انسان کا اولاد سے دنیا میں چلتا ہے

بٹا ہے بوجھ اسے لیجائے کوئی دلستاں یارب
نہایت ضعف ہے اب دل نہیں مجھ سے سنبھلتا ہے

الٰہی آگ پر پارہ ہے یا اسپند ہے کیا ہے
کہ دل سینے میں بیتابی سے دو دو ہاتھ اُچھلتا ہے

سزا قاضی کی کیا چھڑوائیگی مستوں سے میخواری
قلم جب باغباں کرتا ہے انگور اور پھلتا ہے

سخی کے پاس کچھ ہو اور نہ دے یہ غیر ممکن ہے
نہیں کرتا ہے مٹھی بند جب تک ہاتھ چلتا ہے

امیر اپنے مضامیں کو بری رکھ ثقل بندش سے
بھلا نازک تنوں سے بوجھ بھاری کب سنبھلتا ہے

ذوق مینوشی بڑھاتی گھٹا برسات کی
اور لے اُڑتی ہے مستوں کو ہوا برسات کی

اے پری اس فصل میں سرگرم آرائش نہو
آگ تلووں میں لگادیگی حنا برسات کی

ابر دریا سبزہ ساقی یار مطرب دخت رز
ہو یہ سب ساماں تو پھر دیکھیں فضا برسات کی

آٹھ آٹھ آنسو رُلاتی ہے ترے ہونٹوں کی یاد
اے پری مستی ہے بادہ دی گھٹا برسات کی

شیرۂ انگور کو کرتی ہے آبِ آتشیں
آگ پانی میں لگاتی ہے ہوا برسات کی

رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں تو عروسانِ چمن
پتّے پتّے سے ٹپکتی ہے ادا برسات کی

میکدے میں بوتلوں کے منہ سے اُڑ جاتے ہیں کاگ
ہوش مستوں کے اڑاتی ہے ہوا برسات کی

مور ناچے کوئلیں کوکیں پپیہے بول اُٹھے
وصل کے دن آ گئے فصل آئی کیا برسات کی

جب ڈوپٹا سادہ اوڑھا تم نے دھانی ہو گیا
واہ کیا تاثیر رکھتی ہے ہوا برسات کی

آنسوؤں میں ڈوب جائیں بدلیاں اے چشمِ تر
اب تو زور اپنا بڑھا قوت گھٹا برسات کی

ڈالا کر جھولا چمن میں تم نے جب گائے ملار
پینگ دینے کے لئے آئی ہوا برسات کی

کیا تری زلفِ سیہ کو دیکھ کر شرما گئی
بھیگی بھیگی رات ہے اے مہ لقا برسات کی

ساقیا جام و سبو سے ایسی آرائش بڑھے
آ کے میخانے پہ صدقے ہو گھٹا برسات کی

ٹکریں لیں ابر سے مستوں نے پی پی کر شراب
کیا بلا ہوتی ہے مستی ساقیا برسات کی

برق چمکاتی ہوئی کہسار سے اُٹھی نہیں
نیچے کھینچے ہوئے آئی گھٹا برسات کی

فرقتِ ساقی سے آنکھوں میں جہاں اندھیر ہے
جان پر مستوں کے نازل ہے بلا برسات کی

جب چمن میں آ گیا مستوں کو ساون کا خیال
ساونی گاتی ہوئی آئی گھٹا برسات کی

پانی پانی کر دیا ہے چشمِ تر نے لاکھ امیدؔ
چشمکیں کرتی ہے اس پر بھی گھٹا برسات کی

بڑھتی ہے رونے سے مستوں کے فضا برسات کی
آ گئی کیا گھٹ کے آنکھوں میں گھٹا برسات کی

ساقیا ہے جوشِ بارش جوشِ رحمت کی دلیل
ہم سیہ کاروں سے نازش ہے بجا برسات کی

سوخیاں ہیں دخترِ رز کی کہ بجلی کی چمک
بوتلیں ہیں مے کی یا کالی گھٹا برسات کی

زاہدوں کی توبہ ٹوٹی لڑکھڑایا پائے شیخ
کچھ عجب مستانہ رُت ہے ساقیا برسات کی

میکشوں کے منہ سے جو اس فصل میں نکلی دعا
لے اڑی بابِ اجابت کو ہوا برسات کی

دخترِ رز سے کہدے ساقی اور کھنچلے چار دن
فصل آپہنچی ہے او نا آشنا برسات کی

میکشوں کے دل میں داغ آنکھوں میں ساقی کے خم
یہ نشانی رہ گئی ہے جابجا برسات کی

ہر روش پر ہو چمن میں ایک پری ساغر بکف
ایکدن یوں دیکھیں لے ساقی فضا برسات کی

پتے پتے پر ہے ساقی سبزۂ مینا کا رنگ
کیا نظر آتی ہے سبزی خوشنما برسات کی

لعلِ لب سے بڑھ کے انگارا ہوئے ہیں پاؤں
کیا رچی ہے اے پری پیکر حنا برسات کی

گنج گلشن میں ہو صحبت دورِ ساغر کی ضرور
میہمانی ہے مناسب ساقیا برسات کی

چلتی ہے ٹھنڈی ہوا نزدیک ہے دورِ شراب
مژدہ مستوں کو خبر لائی صبا برسات کی

ہجر میں سب بے مزہ ہو وصل میں سب بامزہ
فصل گرمی کی یا جاڑے کی یا برسات کی

تو نہالانِ چمن ہیں نشا کہاں یہ حسنِ امیر
حضرتِ یوسف سے ہے ساری فضا برسات کی

میرے دل میں ہائے جگہ نئی ترے رخ کی جلوہ گری رہی
نہ کہیں چلی نہ کہیں پھری اسی شیشے میں یہ پری رہی

ہے بیخودی نے کرم کیا تو خودی نے ستم کیا
کچھ ادھر سے بیخبری رہی کچھ اُدھر سے بے خبری رہی

یہ یہیں کے سارے کرشمے تھے جو یہاں سے آگے میں بڑھ گیا
نہ ثمر نہ بے ثمری رہی نہ اثر نہ بے اثری رہی

مری شاخ گلشن آرزو ہوئی کچھ نہ واقفِ رنگ و بو
نہ پھل اس میں کبھی لگا نہ کلی کھلی نہ ہری رہی

نہ یہ کسی نے انہیں خبر کہ گیا جہاں سے کوئی گزر
اسی آرزو میں گئی پھر دری تلاش ور پھری رہی

روش اس کی ہائے مجال کیا کبھی دو قدم وہ اگر چلا
نہیں تاب مجھ کو پیا پیا جیسا یہ کباب ورلی رہی

لیے ہم تلاش ہیں دربدر دل و دیدہ نوابِ اسکے گھر
کبھی اس میں جلوہ گری رہی کبھی اس میں جلوہ گری رہی

دل اگرچہ غم سے نگار ہے مگر اب باغ و بہار ہے
اسی شاخ کا یہ شعار ہے کہ شکستہ ہو کے ہری رہی

مرے آنسوؤں ہی سے آبرو ہوئی گیسوؤں کی یہ مو بمو
تری مانگ اسے بہت ماہر انہیں موتیوں سے بھری رہی

جو بڑے بڑے تھے جہاں کشا انہیں کیا فلک نے مٹا دیا
نہ عروج چتر شہی رہی نہ ضیائے تاج زری رہی

جو تعب سے ہم نے پناہ لی تو غضب سے تیغ نگاہ لی
کبھی راستی کی نہ راہ لی وہی ان کی کج نظری رہی

ہیں نواب یوسف علیخان بہادر فردوس مکان والئی ریاست رامپور

نہ گزر ہے بزمِ جمال میں نہ وہ قوت اپنے خیال میں
نہ وہ حکمتِ عملی رہی نہ وہ حکمتِ نظری رہی

ہوسِ جہاں سے فراغ ہے نہ وہ دل ہے اب نہ دماغ ہے
نہ ہوائے نزہتِ باغ ہے نہ تلاشِ حُسنِ پری رہی

نہ سُنا فسانۂ شور و شر ہوئی خواب ہی میں گری بسر
نہ ہوئی کسی کی کبھی خبر مجھے سب سے بے خبری رہی

رہے کس طرح نہ جنوں کا غل خبر اس خبر سے ہے جز و کل
ہوئے خلق جب سے برنگِ گل ہمیں مشقِ جامہ دری رہی

یہ طبیعت اُن کی بگڑ گئی جو گیا یہاں سے چلی چھری
کوئی مرغ کیا کہ صبا کو بھی نہ مجال نامہ بری رہی

عجب اشتیاق امیر تھا اُسے دید طرزِ خرام کا
کہ زمین کوچۂ مہ لقا نہ پا سے کبک دری رہی

اے خضر کیا سناؤں میں حالِ تباہ کی
ظلمات دھوپ ہے مرے روزِ سیاہ کی

اُٹھی تو اُس کے دل نے مرے دل سے راہ کی
آنکھ آج پیار کی ہے تو چتون ہے چاہ کی

کیا کیا شبِ وصال میں گستاخیاں ہوئیں
تقریر مجھ کو دینگے وہ کس کس گناہ کی

اہلِ عدم سے کیوں نہ ہو منزل پہ میل جول
ہے اِن مسافروں میں ملاقات راہ کی

یہ میرے دل کو پاسِ نزاکت تھا یار کا
تڑپا ٹھہر ٹھہر کے تو تھم تھم کے آہ کی

سُرمہ طلب ہوا ہے خدا خیر ہی کرے
آئیگی شامت آج کسی بے گناہ کی

کہتا ہے مجھ کو دیکھ کے اغیار سے وہ شوخ
اِس شکل پر حضور کو سوجھی ہے چاہ کی

زاہد بڑے ثواب سے محروم رہ گیا
کعبے گیا مگر نہ کسی دل میں راہ کی

فریاد کس سے کوچۂ اُلفت میں کیجئے
سنتا نہیں ہے کوئی کسی دادخواہ کی

ہم دل جلے گئے تو جہنم پکار اُٹھا
یارب سزا ملی یہ مجھے کس گناہ کی

قسمت جو لے چلی مجھے کوچے سے یار کے
حسرت سے دیکھ کر سوئے گردوں اک آہ کی

گزرے گی وہ نہ داورِ محشر کے سامنے
جس فرد پر نہ ہوگی نشانی گناہ کی

آنکھ اُس پری سے ملتے ہی یاں کام ہو گیا
فرصت ملی نہ ہائے دوبارہ نگاہ کی

میں نے بلائیں لیں شبِ فرقت کی بار بار
پائی جو شان کچھ تری زلفِ سیاہ کی

رحمت تری وسیع ہے نا چیز رو سیاہ
اللہ کیا بساط ہے میرے گناہ کی

بسمل ترا بچے گا نہ اے ترک دیکھ تو
برچھی اتر گئی ہے جگر تک نگاہ کی

کس کی سواری آتی ہے صحرا میں اے جنوں
اٹھ اٹھ کے رقص کرتی ہے کیوں گرد راہ کی

سب عیب ایک اشک ندامت سے مٹ گئے
ساری سیاہی دھو گئی روئے سیاہ کی

ایسا کیا ہے دشت نوردی نے ناتواں
میں پس گیا جو اڑ کے پڑی گرد آہ کی

ہم پر کسی نے لطف کیا یا ستم امیر
ہم نے اسی کی شان کرم پر نگاہ کی

کیا کہیں دل سے کہاں وصل میں ارمان گئے
ناز کے صدقے تو انداز کے قربان گئے

امتحاں خوب وفا کا بھی جفا کا بھی ہوا
تم ہمیں جان گئے ہم تمہیں پہچان گئے

کہتے ہیں شب کی خوشامد بھی عجب جادو تھی
ماننے کی جو نہ تھی بات وہ ہم مان گئے

وصل میں کہتے ہیں کوئی آڑے آتا
ہائے اسوقت کہاں میرے نگہبان گئے

چبھ گئی گونج جو بالی کی بگڑ کر بولے
ہاتھ ٹوٹیں ترے مشاطہ مرے کان گئے

جب میں دروازے پہ دیتا ہوں کسی کو آواز
کہتے ہیں کہدو وہ گھر غیر کے میہمان گئے

کبھی سونی نہیں ہوتی ہے سرائے دنیا
اور دس آ گئے دو چار جو میہمان گئے

پوچھتا کیا ہے کہ بسمل گئے مقتل سے کہاں
مہرباں پا کے تجھے سب ترے قربان گئے

شیخ جی چھپ کے یہ حجرے میں اڑانا بوتل
واہ وا آج تو حضرت تمہیں ہم مان گئے

حسن انجام پر اسلام کا ہے دار و مدار
تھے مسلمان وہ جو دنیا سے مسلمان گئے

قتل پر میرے اٹھاتے ہو عبث تم بیڑا
سرخرو بھی ہوں وہی بن کے جنہیں پان گئے

خاکساری کے مزے خوب اٹھے دنیا میں
خاک ہم چھاننے آئے تھے یہاں چھان گئے

دل کو تاکا کسی ناوک نے تو اللہ رے شوق
بڑھ لینے کو بہت دور تک ارمان گئے

گرمیاں وصل میں کیں ان سے تو جلکر بولے
جانے دو ان کو جہنم میں یہ ارمان گئے

حق شناسی کی حقیقت کو اُنہیں نے جانا
اے امیر اپنی حقیقت کو جو پہچان گئے

کس بُرے حال سے عاشق ترے ایجان گئے
چار حیران گئے چار پریشان گئے

پوچھتا کیا ہے کہاں دل جگر اے جان گئے
جاتے کمبخت کہاں سب ترے قربان گئے

ہے وہی حسرتِ دیدار وہی شوقِ وصال
دل گیا ہائے مگر دل سے نہ ارمان گئے

نیمچا لوٹ کے مقتل میں یہ دیتے ہیں صدا
ایک وار اور بھی قاتل ترے قربان گئے

آنکھ سے آنکھ ملی وصل میں تو دل نے کہا
وہ گلے ملنے کو ارمان سے ارمان گئے

کچھ عجب رنگ سے پرزے کئے دیوانوں نے
بنگئے گل سوِ دامن جو گریبان گئے

لاش پر میری کہا آکے کہ او طالبِ وصل
کیا ہوا شوق کہاں وہ ترے ارمان گئے

بیوفا جان نہیں ہوتی ہے اُس پردے میں
تو ہی تھا تو ہی تھا ہم جان گئے جان گئے

دل میں تم آنکھ میں تم کعبے میں تم دیر میں تم
تم جہاں چاہو چھپو ہم تمہیں پہچان گئے

چتونوں کو تری سینے کو بنا یا چھلنی
ناوکِ ناز کلیجے کو مرے چھان گئے

سان پہ تیغ لگائی جو مرے قاتل نے
دیکھتے ہی ملک الموت کے اوسان گئے

صافیاں لیتے ہوئے ابر کے لکے آئے
اور مستانِ خرابات کی مے چھان گئے

ہم کو سختی سے کہاں آدمی وحشت میں نجات
تنگ کرنے کو پہاڑ آئے جو میدان گئے

قاضی و محتسبِ شہر سدھارے حج کو
میکشو خوب پیو حلق کے دربان گئے

خواب میں بھی نظر آتی نہیں زنداں میں فضا
جن میں پھرتے تھے کہاں ہائے وہ میدان گئے

وحشتوں کے وہ کہاں لطف اسیری میں امیر
اب وہ میدان وہ سنسان بیابان گئے

کہتے ہیں مجھ سے کہ مجھ پر ہے یہ تہمت کیسی
دل میں تیرے ہے تو ظالم مری حسرت کیسی

پیار کیا کیا تری رفتار کو فتنوں نے کیا
تیری ٹھوکر سے ملی اُٹھ کے قیامت کیسی

ناوک ناز کی آمد جو کہیں سُن لی ہے
دل میں گھبرائی ہوئی پھرتی ہے حسرت کیسی

پسنگئی پھولوں کے گجرے سے کلائی اُنکی
نبض کی طرح تڑپتی ہے نزاکت کیسی

خود ترے ہونٹ یہ کہتے ہیں کہ بوسہ لے لو
اور معشوقوں کی ہوتی ہے اجازت کیسی

کیاریاں پھولوں کی دیکھیں جو کبھی گلشن میں
یاد آتی مجھے احباب کی صحبت کیسی

ورد م اُٹھ اُٹھ کے تہِ خاک جو تڑپاتا ہے
بیٹھی ہے مجھ کو دبا کر مری تربت کیسی

سامنا اُن کا ہمارا جو کبھی ہوتا ہے
ناتوانی سے لجاتی ہے نزاکت کیسی

تم نظر آتے ہو مجھ کو نہ پتنگوں کو چراغ
چھا گئی ہے یہ اندھیری شب فرقت کیسی

دوڑتا ہے جو ترا قہر گنہگاروں پر
آڑے آجاتی ہے بڑھ کر تری رحمت کیسی

ہاتھا پائی ہیں تو مجھ سے بھی وہ نکلے چالاک
سب بناوٹ کی یہ باتیں تھیں نزاکت کیسی

جلوہ گر یار ہے مجمع میں نظر بازاروں کے
لٹ رہی ہے مری سرکار میں دولت کیسی

اسکو رخصت کرو خلوت میں ہے اسکا کیا کام
وصل کی رات مری جان نزاکت کیسی

ناز سے اُسنے جھٹک کر جو چھڑایا دامن
ہاتھ سے جاتی رہی میری طبیعت کیسی

آج بیمار ترا اُٹھ کے عدم کو پہنچا
ضعف حد سے جو بڑھا آگئی طاقت کیسی

اُسکی رحمت سے ہے سُکھپال جنازہ کیسا
حور کھولے ہوئے آغوش ہے تربت کیسی

شبِ فرقت شبِ وصلت کا پتا دیتی ہے
ملتی ہے گیسوِ محبوب سے رنگت کیسی

دوسرے روٹھے ہوئے مان لے کہنا من جا
دیکھ کرتا ہے مرا دل تری منت کیسی

مے جو دی ٹوٹے ہوئے جام میں ساقی نے نہ پی
پھوٹی قسمت بھی تو ثابت رہی نیت کیسی

حُسنِ یوسف کو بہت آنکھ جما کر دیکھا
پوری تصویر تمہاری ہے شباہت کیسی

جی چراتا ہوں میں جب ناز اُٹھانے سے امیر
کہتے ہیں دیکھو امانت میں خیانت کیسی

سادگی میں تری شوخی کی ہے رنگت کیسی
شرم کے ساتھ ہے آنکھوں میں شرارت کیسی

دل اڑا لیگئے دکھلا کے وہ جوبن کا اُبھار
روٹھتے وقت ذرا آئینہ لیکر دیکھو
اچھی صورت کو تری دیکھ کے دل ٹوٹ گیا
ہنستہ چلمن کے اِدھر ہیں نگہ شوق ہبتا
گُدگُداتا ہے جو اُبھرا ہؤا جوبن اُن کا
ناز اُٹھوا کے اشاروں میں کہا بس چلدو
مجھ سے اور غیر سے تکرار پہ وہ کہتے ہیں
وصل میں اُٹھتی جوانی کا جو کس بل دیکھا
چلتی ہے اب تری رفتار کے پیچھے پیچھے
مار ڈالا ہے مجھے وصل کی رات آنے دے
واعظ اتنا تو سمجھ لے کہ وہ ذات رحیم
جو نکلنے ہی نہیں دیتی ہے کہ سوچوں انجام
جلنے والے ترے کیا جانیں تری بزم کا لطف
کی مرے دل نے تری زلف پھنسکر فریاد
پا کے تنہا اُنہیں بوسے جو لئے کہنے لگے
میں تمہارا ہوں تو دل بھی ہے تمہارا صاحب
وصل میں بھی تو نکلتی نہیں اے پردہ نشیں
بے دھڑک دیکھو نکیرین چلے آتے ہیں
سر ٹپکتا ہوں میں کروٹ نہیں لیتی غافل
پھل کو تلوار کے حسرت سے جو دیکھا تو کہا
دل مری آنکھوں سے کہتا ہے کہ تجھ پر میں نثار

سلینہ زوری اسے کہتے ہیں خیانت کیسی
مفہ بنانے میں بگڑ جاتی ہے صورت کیسی
ہائے اندر ہے کو نہ سوجھا کہ ہے سیرت کیسی
تونے چلمن کے اُدھر دیکھی ہے صورت کیسی
چٹکیاں لیتی ہے دل میں مرے حسرت کیسی
تم تو بیگاری ہو بیگار میں اُجرت کیسی
کیوں لڑے مرتے ہو آپس میں یہ حجت کیسی
چپکی جا بیٹھی الگ ہٹکے نزاکت کیسی
دب گئی ایک ہی ٹھوکر میں قیامت کیسی
دیکھ خدمت تری کرتا ہوں نزاکت کیسی
گئے مجرم ہی جہنم کو تو رحمت کیسی
آنکھ کھلتی ہی سُلا دیتی ہے غفلت کیسی
کیا خبر دوزخیوں کو کہ ہے جنت کیسی
بولی سر چڑھ کے ترے میری محبت کیسی
مل گئی مفت چٹورے کو نعمت کیسی
مفت لے لو اُسے ٹھہراتے ہو قیمت کیسی
دل میں شرمائی ہوئی بیٹھی ہے حسرت کیسی
اچھی خاصی یہ سڑک ہے مری تربت کیسی
پاؤں پھیلائے ہوئے سوتی ہے قسمت کیسی
اک ذرا چکھیے تو اس پھل میں ہے لذت کیسی
ہائے دکھلائی ہے تو نے مجھے صورت کیسی

بات کرنے کی تو مہلت نہیں ملتی ہے امیر
ایسی حالت میں غزل کہنے کی فرصت کیسی

دل ہی عاشق کی بڑی سوغات ہے
اور کیا بیچارے کی اوقات ہے

جھانک تاک اغیار سے دن رات ہے
اب یہ کچھ چوری چھپے کی بات ہے

دیکھ غفلت میں جوانی کو نہ کھو
عمر بھر میں اک یہی تو رات ہے

اتنی باتیں کیوں سناتے تم مجھے
پیار کرتا ہوں میں اتنی بات ہے

دیکے دل لیتے ہیں بوسے جان نثار
گھر سے کچھ دیتے ہو کیا خیرات ہے

دیدے ہیں اور دیدبازی حسن کی
ان ندیدوں کی یہی اوقات ہے

بوسہ بے گالی کبھی ملتا نہیں
یہ نئے انداز کی خیرات ہے

گالیوں کی آرزو پر بول اٹھے
لو ہمارا کہنا کچھ اچھی بات ہے

جتنے شعروں میں ہے مضمونِ کمر
سب میں اک پوشیدہ نازک بات ہے

تو تا چشمی سبزہ رنگوں پر ہے ختم
بیمروت بے وفا یہ ذات ہے

دیکھو جب بنتی سنورتی ہے وہ زلف
مار رکھنے کی یہ اچھی گھات ہے

پھول ہاروں کے لٹائے راہ میں
یہ نیا بیلا نئی خیرات ہے

مہربانی بے سبب اس کی نہیں
گھاتیا ہے اس میں بھی کچھ گھات ہے

تاکی ہے رندوں نے پگڑی شیخ جی
کچھ خبر بھی قبلۂ حاجات ہے

بوتلوں سے رات دن ڈھلتی ہے مے
یہ نئی بدلی نئی برسات ہے

ہے توکل پر گزر اپنی امیر
اس کے در کی بھیک پر اوقات ہے

دکھلا کے اک جھلک جو وہ روپوش ہو گئے
کیا کیا خیال خواب فراموش ہو گئے

بوسہ جو دیتے دیتے وہ روپوش ہو گئے
ہم آتے آتے ہوش میں بیہوش ہو گئے

حرص شراب نے ہمیں بدنام کر دیا — چٹ کر کے اِس بلا کو بلا نوش ہو گئے

بیٹھے ہم اُنکے پاس تکلف اُٹھا دیا — ہمدوش ہوتے ہوتے ہم آغوش ہو گئے

لذت سے آشنا جو ہُوا دل فراق میں — جتنے چبھے تھے نیش وہ سب نوش ہو گئے

صحبت ہیں میکشونکی نہیں ہے سبب یہ درد — ساغر بھی مست بادۂ سرجوش ہو گئے

یاد آگئے مزے جو پسِ مرگ وصل کے — تربت کے گوشے حوروں کے آغوش ہو گئے

میں ہوں وہ عندلیب ہُوا جب ترانہ سنج — جتنے کھلے تھے گل ہمہ تن گوش ہو گئے

ساقی شراب اور خراباتیوں کو دے — ہم تیری چشمِ مست سے مدہوش ہو گئے

کیا جانے کیا خیال شبِ وصل بندھ گیا — باتیں جو کرتے کرتے وہ خاموش ہو گئے

ملبوس خاص حسن نے ہم کو عطا کیا — گل کھا کے دستِ یار سے گلپوش ہو گئے

یاں وصل و ہجر دونوں ہی میں بیخودی رہی — آنے میں غش تو جانے میں وہ ہوش ہو گئے

بوسے لئے جو زلف کے مستی تو کہا — مے پیتے پیتے تم تو بلا نوش ہو گئے

پہروں کو اُدھر رُخ نہ کیا وصلِ یار میں — پریوں سے شوخ اُڑ کے مرے ہوش ہو گئے

ساقی سے اور جام جو مانگا ملا جواب — آنکھیں تو کہہ رہی ہیں کہ مدہوش ہو گئے

دفتر گرا اِدھر تو اُدھر کاتبِ عمل — تڑپے ہم اِس قدر کہ سبکدوش ہو گئے

مدت سے سر امانتِ شمشیر یار تھا — ہم ذبح ہو کے خوب سبکدوش ہو گئے

دیکھا جدہر کنکھیوں سے اُس مستِ ناز نے — غمزہ پکار اُٹھا کہ وہ بیہوش ہو گئے

افسردہ داغ دل ہوئے پیری میں کیا امیر
گویا چراغ صبح کو خاموش ہو گئے

قاضی بھی محتسب بھی قدح نوش ہو گئے — چھپ چھپ کے دختِ رز سے ہم آغوش ہو گئے

پہنائیں اُسنے کشتوں کو زخموں کی بدھیاں — چورنگ ہو کے تیغ سے گلپوش ہو گئے

کاندھا ابھی جنازے کو دینا ہے جانِ من — کیا کاٹ کر سر آپ سبکدوش ہو گئے

چھپتے کہاں وہ وصل میں لیکن حجاب سے
منہ پر نقاب ڈالکے روپوش ہو گئے

عاشق مرے تو سوگ تمہاری بلا کرے
تم کیوں برنگِ زلف سیہ پوش ہو گئے

سب ذوق شوق ساتھ جوانی کے چل بسے
دو چار دن وہ ولولے وہ جوش ہو گئے

رخصت ہوئے وہ آخرِ شب خاتمہ ہُوا
ہم صبح سے بھی پہلے کفن پوش ہو گئے

مشاطہ پر چلی جو بناگوش کی سنان
سینہ سپر وہ خالِ بناگوش ہو گئے

آئی تھی کس کی شکلِ خیالی کہ خواب میں
بیساختہ ہم اُس سے ہم آغوش ہو گئے

لپٹا میں اُس کے غش سے تو بولے فریبیے
مطلب کے وقت کیسے بجا ہوش ہو گئے

کہنے لگے جو عاشق قد اُن سے دردِ دل
اُونچا لگے وہ سُننے گراں گوش ہو گئے

اُس پائے نازنین کا تو رتبہ بلند ہے
لاکھوں کے سر تصدق پاپوش ہو گئے

اُن بجلیوں سے دل میں چمکتی ہیں بجلیاں
قندیلِ کعبہ اب وہ دُرِ گوش ہو گئے

جن کی جگہ سر آنکھوں پہ تھی دم نکلتے ہی
افسوس کیا وبالِ سر و دوش ہو گئے

آئینے سے لپٹ گئے بے اختیار آج
آج اپنے عکس سے وہ ہم آغوش ہو گئے

کب تک بغل میں پالے ہوئے دلکو روئیے
خالی یونہیں ہزاروں کے آغوش ہو گئے

ایسے سمائے میری نظر میں شب وصال
آنکھوں کی پتلیاں وہ دُرِ گوش ہو گئے

وہ شہسوارِ حسن جو معراج کو چلا
جبریلؑ ساتھ غاشیہ بردوش ہو گئے

بہکا میں مستِ شوقِ شبِ وصل تو کہا
لو تم تو بے پیے ہوئے مدہوش ہو گئے

دلدار کا پتا تھا کہاں ہجر میں امیر
ہم اپنے دل کو لیکے ہم آغوش ہو گئے

ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

تری بانکی چتون نے چن چن کے مارے
نکیلے سجیلے جواں کیسے کیسے

نہ گل ہیں نہ غنچے نہ بوٹے نہ پتے
ہوئے باغ نذرِ خزاں کیسے کیسے

ستاروں کی دیکھو بہار آنکھ اُٹھا کر
کھلاتا ہے پھول آسمان کیسے کیسے

کڑے اُنکے تیور جو مقتل میں دیکھے
لئے نازنے امتحان کیسے کیسے

یہاں درد سے ہاتھ سینے پہ رکھا
وہاں اُن کو گزرے گمان کیسے کیسے

ہزاروں برس کی ہے بڑھیا یہ دنیا
مگر تاکتی ہے جواں کیسے کیسے

وہ صورت نہ آنکھوں میں اب ہے نہ دل میں
مکیں سے ہیں خالی مکان کیسے کیسے

ترے جان نثاروں کے تیور وہی ہیں
گلے پر ہیں خنجر رواں کیسے کیسے

جہاں نام آتا ہے اُن کا زبان پر
تو لیتی ہے بوسے زبان کیسے کیسے

ہر اک دل پہ ہیں داغ ناکامیوں کے
نشان دیگیا بے نشان کیسے کیسے

بہار آ کے قدرت کی گلشن میں دیکھو
کھلاتا ہے گل باغبان کیسے کیسے

اٹھائے ہیں مجنوں نے لیلی کی خاطر
شترِ غمزۂ ساربان کیسے کیسے

خوش اقبال کیا سرزمینِ سخن ہے
ملے ہیں اُسے باغبان کیسے کیسے

جوانی کا صدقہ ذرا آنکھ اُٹھاؤ
تڑپتے ہیں دیکھو جوان کیسے کیسے

شبِ وصل حل ہونگے کیا کیا معمّے
عیاں ہونگے رازِ نہاں کیسے کیسے

خزاں لوٹ ہی لیگئی باغ سارا
تڑپتے رہے باغبان کیسے کیسے

بنا کر دکھائے مرے درد دل نے
تہِ آسمان آسمان کیسے کیسے

امیر اب مدینے کو تو بھی رواں ہو
چلے جاتے ہیں کارواں کیسے کیسے

مٹے دخترِ رز پر جوان کیسے کیسے
رہے دورِ پیرِ مغان کیسے کیسے

نزاکت حیا وصل کے دونوں دشمن
ترے ساتھ ہیں پاسبان کیسے کیسے

رہِ عشق میں پھرتے ہیں مارے مارے
تباہی زدہ کارواں کیسے کیسے

کہیں قتل پر عشق میں خاتمہ ہے
ابھی دینے ہیں امتحان کیسے کیسے

بنا رہے تار اشکوں کے غربت میں کیا کیا
ملے خاک میں کارواں کیسے کیسے

عجب کربلا تھا وہ مقتل کہ پیاسے
رگڑتے رہے ایڑیاں کیسے کیسے

چھری تیز ہی رہتی ہے بلبلوں پر
ستم کرتے ہیں باغباں کیسے کیسے

بتا ایک نے بھی نہ منزل کا پایا
بھٹکتے پھرے کارواں کیسے کیسے

جگر میں تڑپ دل میں درد آنکھوں میں دم
ملے ہیں ہمیں میہماں کیسے کیسے

کسی نے بتایا نہ یوسف کو ہم سے
ملے راہ میں کارواں کیسے کیسے

شب غم بلاؤں کا تانتا لگا ہے
چلے آتے ہیں میہماں کیسے کیسے

زمین سخن پر ہیں لاکھوں سخن ور
چمن ایک ہے باغباں کیسے کیسے

بت اقرار وصل آج کرتے ہیں کیا کیا
زباں دیتے ہیں بے زباں کیسے کیسے

امنگیں ترنگیں جوانی ہی تک تھیں
رہے رات بھر میہماں کیسے کیسے

جہاں چھیڑنے پر وہ باتوں میں آئے
چلی لے کے نشتر زباں کیسے کیسے

چلی وصل میں تیغ اُن کی نہ خنجر
رہے دم بخود ہم زباں کیسے کیسے

توجہ زباں پر ہے شاہِ دکن (خلد اللہ ملکہ) کو
نکالیگی رنگ اب زباں کیسے کیسے

امیر اب سخن کی بڑی قدر ہو گی
پھلے پھولیں گے نکتہ داں کیسے کیسے

پہلے نگاہ پھر مری دشمن حیا ہوئی
وہ ایک تھی یہ دوسری اے دلربا ہوئی

لٹکا کے گیسو چھوڑ گئے ہیں یہ کیسی سزا ہوئی
گیسو تو خود بلا تھے انہیں کیا بلا ہوئی

موجود آ کے وصل میں بھی لو حیا ہوئی
اک جان کا عذاب ہوئی شرم کیا ہوئی

گالی بھی پیار سے منہ سے ترے خوشنما ہوئی
بیجا بھی بات تو نے کہی تو بجا ہوئی

ہے بخشنے نہ بخشنے میں اُس کو اختیار
تو ہے گناہگار کہے جا خطا ہوئی

بیٹھے ہوئے کلیجے میں لیتے ہو چٹکیاں
اے جان دل لگانے کی اچھی سزا ہوئی

کہتا ہے اُن سے آئنہ صبح شب وصال
ہے ہے یہ رات بھر میں تری شکل کیا ہوئی

غمزے سے اپنے بولے وہ کشتوں کو دیکھ کر
لو جی مری گلی نہ ہوئی کربلا ہوئی

رحم آگیا کریم کو محتاج دیکھکر
حاجت ہی اس غریب کی حاجت روا ہوئی

اب آنکھ کیا ملائیگی مستوں سے دخترِ رز
قاضی کے گھر میں پڑ کے بڑی پارسا ہوئی

کیا کیا لباس شان کرم کے ہیں دیکھنا
خاکِ شفا ہوئی کہیں آب بقا ہوئی

اک عمر ہو گئی شب فرقت کو میرے گھر
اب بھی جو ابتدا ہے تو بس انتہا ہوئی

دیکھا نگاہِ گرم سے آج اُس نے غیر کو
مقبول کس جلے ہوئے دل کی دعا ہوئی

ہے وصل میں تو ہجر سے بھی بڑھکے اضطراب
تڑپانے میں تو درد سے دونی دوا ہوئی

معشوقِ سبزہ رنگ تھی جب تک تھی سبز پوش
قاتل لباس سُرخ پہنکر حنا ہوئی

شکوہ کیا جفا کا تو بولے کہ ناسپاس
میری جفا ہی سے تو نمودِ وفا ہوئی

جی خواب رنگ ہوش یکایک سب اڑ گئے
روزِ فراق تیز کچھ ایسی ہوا ہوئی

آنکھوں کے آگے آ کے کھڑی ہو گئی وہ شکل
دم بھر جہاں پلک سے پلک آشنا ہوئی

ہے چیز ایک ادا و قضا اس قدر ہے فرق
سیدھی نظر ادا ہوئی ترچھی قضا ہوئی

آئینہ عاشقوں سے سوا ہے ستم نصیب
پہلے اسی غریب پہ مشقِ ادا ہوئی

مستانِ عشق کو رمضاں میں بھی عید ہے
روزے میں بھی شراب نہ اُنکی قضا ہوئی

مقتل کو وہ چلے تو ہٹانے کو بھیڑ بھاڑ
تیغِ نگاہ کھینچ کے آگے ادا ہوئی

آئینے نے جواب دیا بات بات کا
لو آج تو کھلی کھلی اے دلربا ہوئی

گھبرا رہے ہو حشر میں کیوں اس قدر امیر
اتنی ہی کچھ تو بات ہے کہ خطا ہوئی

کچھ بھی جو شوخیوں سے وہ آنکھ آشنا ہوئی
کیا پانی پانی شرم کے مارے حیا ہوئی

یاں جان اُس سے پہلے ہی نذرِ ادا ہوئی
کیسی خفیف آ کے مرے گھر قضا ہوئی

کیا وصل کی گھڑی مرے حق میں بلا ہوئی — تعریف کی حیا کی تو شوخی خفا ہوئی
لو وصل میں تو جان ہی اُسکی ہوا ہوئی — عیسیٰ یہ دردِ ہجر کی اچھی دوا ہوئی
بولا فلک پہ مہر جو زلف اُس کی وا ہوئی — نازل ہمارے سر پہ یہ کالی بلا ہوئی
کہتے ہیں زلفِ یار سے دیوانگانِ زلف — کالی پری کسی کی بھی تو آشنا ہوئی
عبرت یہ کہہ رہی ہے جوانوں کی قبر پر — یارو کہو اُمنگ جوانی کی کیا ہوئی
وہ دیکھتے ہی بزم میں مجھ کو بگڑ گئے — کچھ بات بھی تو کی نہیں یہ بات کیا ہوئی
ہیں رند تو فراق میں ساقی کے تلخ کام — پوچھو تو دخترِ رز سے یہ کیوں بیمزا ہوئی
غافل نزول ہی تو کمالِ عروج ہے — ق — خاکِ فنا ہی منزلِ آپ بقا ہوئی
نقطے کی سیر دائرۂ معرفت میں دیکھ — تھی ابتدا جہاں سے وہیں انتہا ہوئی
میری تڑپ ہے ترے جلوے کی آب و تاب — قدرت خدا کی درد سے پیدا دوا ہوئی
ہیں چھریاں ہیں دستِ نگارینِ یار کی — اور چور دل کی ہاتھ میں آ کر حنا ہوئی
مجھ کو کڑی نگاہ سے اُدھر دیکھنا نہ تھا — جوبن کا دل دکھا تو جوانی خفا ہوئی
گاہک وہ جان کی ہے یہ گاہک ہے دل کی بھی — کیسی قضا قضا کی بھی اُستاد ادا ہوئی
بسمل ادا شناس تھے قاتل ادا فروش — بدنام مفت بیچ میں پڑ کر قضا ہوئی
مرتے تھے جو ادا پہ وہ سب مر کے رہ گئے — قربان اس ادا کے یہ اچھی ادا ہوئی
حسرتِ شبِ وصال میں بھی وصل کی رہی — خلوت میں بھی نہ اُن سے نزاکت جدا ہوئی
کیا کیا نیاز مندوں سے ہیں بے نیازیاں — یاں لاکھوں لوٹنے لگے واں ادا ہوئی
کیوں پہلے آرسی نے دکھائی کہ تم نے آنکھ — کسکی طرف سے چھیڑ کی یہ ابتدا ہوئی

بخشا امیر روزِ ازل ہی کریم نے
یاں پہلے مغفرت ہوئی پیچھے خطا ہوئی

اچھے عیسیٰ ہو مریضوں کا خیال اچھا ہے — ہم مرے جاتے ہیں تم کہتے ہو حال اچھا ہے

آرزو وصل کی اچھی یہ خیال اچھا ہے
ہائے پورا نہیں ہوتا ہے سوال اچھا ہے

نزع میں میں ہوں وہ کہتے ہیں کہ خیریت ہے
پھر برا ہوتا ہے کیسا جو یہ حال اچھا ہے

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ ملجائے
سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

یادِ وصل آئی تو دل سے یہ کہا حسرت نے
اسکو سینے سے لگا رکھ یہ خیال اچھا ہے

ایک سے ایک حسینوں میں ہے اچھا لیکن
ہتھے چڑھ جائے جو اپنے وہی مال اچھا ہے

پھول پھل ہوں کہ نہ ہوں چھاؤں گھنی ہو جس میں
ہر مسافر کی نظر میں وہ نہال اچھا ہے

دیکھ لے بلبل و پروانہ کی بیتابی کو
ہجر اچھا نہ حسینوں کا وصال اچھا ہے

اچھی حالت پہ کسی کی نہیں روتا کوئی
آنکھیں کیوں روتی ہیں جب دل کا جو حال اچھا ہے

تم زبان سے تو برا کہتے ہو میرے دل کو
چتونوں کی تو سنو کہتی ہیں مال اچھا ہے

راتیں اچھی ہیں دن اچھے ہیں مہینے اچھے
اچھے معشوق سے صحبت ہو تو سال اچھا ہے

دونوں آئینے ہیں اس میں ہے رقیب اس میں حبیب
خواب معشوق سے عاشق کا خیال اچھا ہے

چیز مانگے کی ہو اچھی بھی تو کس مصرف کی
ہو برا بھی مگر اپنا ہو تو مال اچھا ہے

چودھویں سال میں ہے نام خدا دختر رز
پڑھ دے قاضی کہو دو بول یہ سال اچھا ہے

واعظ اسکی سی ادا انکی تعم حوروں میں
ہمنے تسلیم کیا حسن و جمال اچھا ہے

آگیا اس کا تصور تو پکارا یہ شوق
دل میں جم جائے الٰہی یہ خیال اچھا ہے

جس کا انجام مصیبت وہ خوشی بھی ہے بری
جس کا انجام خوشی ہو وہ ملال اچھا ہے

آنکھیں دکھاتے ہو جوبن تو دکھاؤ صاحب
وہ الگ باندھ کے رکھا ہے جو مال اچھا ہے

وہ ادھر عکس ادھر بیچ میں ہے آئینہ
بحث یہ چھڑ گئی ہے کس کا جمال اچھا ہے

دہن زخم میں ہر قطرۂ خون ہے یاقوت
تیری تلوار کے بیڑے کا اگال اچھا ہے

ماہ کامل مہ نو دونوں حسیں ہیں لیکن
اک ذرا سن جو ہی کم اس سے ہلال اچھا ہے

ہائے بوٹا سا وہ قد ہائے وہ رخ وہ جوبن
پھول پھل جس کے ہوں اچھے وہ نہال اچھا ہے

حسن میں حسن کے دریا ہی میں تڑپیں تو بھلی
شوخیاں وصل میں کرتی ہیں جو دلکو مایوس

مچھلیوں کے لیے موجوں ہی کا جال اچھا ہے
شرم دیتی ہے تسلّی کہ مآل اچھا ہے

برق اگر گرمی رفتار میں اچھی ہے امیر
گرمی حُسن میں وہ برق جمال اچھا ہے

بھولے پن سے دمِ رخصت یہ سوال اچھا ہے
ہاتھ سینے پہ ہے کیوں دل کا تو حال اچھا ہے

پاک دامن ہو تو ارمانِ وصال اچھا ہے
اچھی نیت ہو تو اچھوں کا خیال اچھا ہے

مانگیے بوسہ تو کہتے ہیں وہ دیکر دشنام
کیوں جواب اس کا ہے اچھا کہ سوال اچھا ہے

دختِ رز گھر میں جو قاضی کے ہے اسکی کیا بات
پارسا گھر ہے رقم چوکھی ہے مال اچھا ہے

ذکر طوبیٰ ہی کا کرتا ہے ہمیشہ واعظ
باغ بھر میں یہی کیا ایک نہال اچھا ہے

اس کا انجام فراق اُس کا انجام وصال
کون کہتا ہے کہ فرقت سے وصال اچھا ہے

غم میں گزرے تو بُرا عیش میں گزرے تو بھلا
نہ بُرا ہے کوئی دنیا میں نہ سال اچھا ہے

کہتے ہیں خوش ہو جو عاشق تو کریں اور آفت
رہنے دو رہنے دو ایسوں کا ملال اچھا ہے

روز آتا ہے مرے دل کو تسلّی دینے
تجھ سے اے دشمنِ جاں تیرا خیال اچھا ہے

عمر کی جان جوانی یہ جوانی کی ہے جان
بارہ سے بیس تلک جو ہے وہ سال اچھا ہے

ناز کو جان کی ہے تاک ادا کو دل کی
دو نو خوش فکر ہیں دونوں کا خیال اچھا ہے

میزبان مرتا ہے مہمان مزے کرتا ہے
دل کی حالت ہے بُری درد کا حال اچھا ہے

نہ سہی ذوقِ وفا شوقِ جفا کیا کم ہے
کچھ نہ ہونے سے تو جیسا ہو خیال اچھا ہے

جی لگے کیوں نہ حسینوں کی جفائیں سُنکر
تذکرہ جس میں ہو اچھوں کا وہ حال اچھا ہے

خوب دیکھا تو جوانی کا ہے سارا جوبن
حسن پریوں کا نہ حوروں کا جمال اچھا ہے

کہتے ہیں آئنے سے واہ ہمیں سے لیکر
پھر دکھاتا ہے ہمیں کو کہ یہ مال اچھا ہے

جا کے دیکھ آئنہ خانے میں ہیں کتنے تجھ سے
تجھ کو سوجھی ہے کہ میرا ہی جمال اچھا ہے

لوٹ ہو دیکھ کے دل جس کو وہ قد ہے موزون
جسکو بجلی کیسے اچھا وہ نہال اچھا ہے

گرمیِ مہرِ قیامت کا بھی دھڑکا نہ رہے
پھونکا رہے خلق کو اے مہر جمال اچھا ہے

رشک اس پر نہیں ہوتا ہے کسی حاسد کو
خوب دیکھا تو خوشی سے بھی ملال اچھا ہے

کہتے ہیں آج کو ناخن سے مرے دی تشبیہ
کل کہو گے تیرے ابرو سے ہلال اچھا ہے

گرمیِ شوق یہ کہتی ہے چلو دیکھیں تو
سنتے ہیں طور پہ بھی ایک نہال اچھا ہے

قوتِ عجز سے تا کنگرۂ عرش پہنچ
رنگِ پرواز یہ اے بے پر و بال اچھا ہے

رشک سے بوسۂ ابرو نہیں دیتے وہ امیر
کیوں کہا میں نے غزل میں کہ ہلال اچھا ہے

ہر کلی کہتی ہے کھا کر ترے دیوانے سے
دیکھ نکلی ہے پری سیج کے پر بچھانے سے

ساقیا جاتے ہیں پیاسے ترے میخانے سے
گھونٹ دو گھونٹ چھلکتے ہوئے پیمانے سے

بت بنے بیٹھے ہیں بت جی مرا گھبراتا ہے
اُٹھ کے کعبے کو چلا جاؤں گا بتخانے سے

حشر تک دیکھیں مرے دل نے تو بویٔ شب وصل
لپٹی ہیں کیوں یہ بلائیں مرے دیوانے سے

دخترِ رز نامِ خدا اب ہے جواں اے ساقی
کہیں مستی میں نکل جائے نہ میخانے سے

لامکاں کے جو کتابوں میں لکھے ہیں اوصاف
ملتے جلتے ہیں وہ کچھ کچھ مرے ویرانے سے

دل مرا توڑ دیا آج مرے ساقی نے
مے پلائی بھی تو ٹوٹے ہوئے پیمانے سے

رحم اُن پر تو کر اُٹھنے دے کبھی تو ان کو
ہیں غضب میں تری آنکھیں ترے شرمانے سے

شیخ جی رہتی ہیں کیوں سُرخ تمہاری آنکھیں
شب کو کیا لال پری آتی ہے میخانے سے

میرے ہی دل سے پڑی خانہ خرابی کی بنا
گھر تباہی کا ہے آباد اسی ویرانے سے

کہتے ہیں آگ لگے شوق کو تیرے ظالم
چھلکے سب رہ گئے چھالے ترے گل کھانے سے

رقص کرنے لگا دم بھر میں چھلک کر ساقی
کہہ دیا جھک کے یہ کیا شیشے نے پیمانے سے

میں نے زلفوں کی ثنا کی تو کہا چپ بھی رہو
دم الجھتا ہے اُس اُلجھے ہوئے افسانے سے

دل چرایا ہے تو آنکھیں نہ چراؤ دیکھو
شیخ آئے تھے رندوں میں تو کیسے تھے کثیف
پاس آتے ہی جلا پھونک کے رکھدیتی ہے

چوری کھلنے کا ہے ڈر چور کے گھبرانے سے
کیا نہا دھو کے نکل آئے ہیں میخانے سے
شمع کی آگ کو کیا لاگ ہے پروانے سے

کل نظر آئے تھے جاتے ہوئے مسجد کو امیر
آج دیکھا تو چلے آتے ہیں میخانے سے

راز میخانے کے باہر نہ ہوں میخانے سے
ڈھلتا غصے ہی میں آنچل وہ کہیں شانے سے
زلفیں ہلتی نہیں تیری یہ ہوا پر پریاں
تحفہ بھی چاہیے کوثر کے لیے کچھ زاہد
غیر کو دیکھ کے ساقی نہ ہمیں دیکھا کر
نگہِ شوق کی زور آوریوں کو دیکھا
داغ تو دل میں مرے تیرے لڑکپن ہی سے تھے
دیکھا اے دل نگہِ گرم سے اسوقت نہ دیکھ
دی بھی مے شیخ کو ساقی نے تو حقیر کے ساتھ
وہ تو معشوق ہے تڑپانے میں ملتا ہے مزہ
کہتے ہیں وصل میں دیکھے کوئی چل پھر انکی
میرے غمخوار جو گھبرے ہیں انہیں میں کیا دوں
زاہد وعظ کی مجلس سے کسے ہے انکار
شمع سے کتنے ہی اک ساتھ لپٹ جاتے ہیں
نیمجان کر کے مجھے چھوڑ چلا او قاتل
درد دل سنکے لسیجا دلِ بیدرد اُن کا

محتسب چھین نہ لے خط کہیں پیمانے سے
ہائے محروم رہا کیوں میں سزا پانے سے
آئی ہیں پینگ بڑھانے ترے دیوانے سے
لیتا جا تھوڑی سی تلچھٹ مرے میخانے سے
ہم نہیں پینے چھلکتے ہوئے پیمانے سے
آنچل آیا ہے کہاں ڈھلکے ترے شانے سے
اور اُبھرے ترے جوبن کے اُبھر آنے سے
ٹھنڈے ٹھنڈے ابھی نکلے ہیں وہ خسخانے سے
توبہ تو ڑی بھی تو ٹوٹے ہوئے پیمانے سے
درد دل تجھ کو ملا کیا مرے تڑپانے سے
بڑے ہشیار ہیں جو پھرتے ہیں دیوانے سے
غم مرے پاس بچے بھی جو مرے کھانے سے
تم چلو پی کے میں آیا ابھی میخانے سے
رشک مطلق نہیں پروانے کو پروانے سے
تیری بیدردی ہی اچھی تھی ترس کھانے سے
کام افسون کا لیا ہمنے اس افسانے سے

توسہی میری وفا اُس سے جنازہ اٹھوائے
بدھیاں پھولوں کی اُٹھتی نہیں حسن شانے سے

زیست کا لطف تو یاروں ہی کے دم تک ہے امیر
بیٹھ جاتا ہے دل احباب کے اُٹھ جانے سے

دختِ رز اٹکی ہے ساقی کسی دیوانے سے
کہ پری بن کے اُڑی جاتی ہے پیمانے سے

داغ پر داغ دیے جاتا ہے دم لے اے چرخ
یہ بھی کھا لونگا جو فرصت ہوئی غم کھانے سے

بُت حرم میں بھی نہیں چین سے رہنے دیتے
روز پیغام چلے آتے ہیں بت خانے سے

ساقیا دخترِ رز بھی ہے عجب مشاطہ
آ کے شیشے کو ملا دیتی ہے پیمانے سے

قتل کے وقت میں تڑپا تو کہا خوش ہوکر
تم بھی تو وصل میں خوش تھے مرے تڑپانے سے

کی تھی ہمچشموں میں تعریف تری شوخی کی
آنکھ نیچے ہوئی میری ترے شرمانے سے

شیخ جی اُٹھے تو لغزش نے قدم لیکے کہا
اُٹھ کے کیوں بیٹھ گئے جاؤ نہ میخانے سے

خوب جی بھر کے تصور کا ترے موقع ہے
میں بہت خوش ہوں شب ہجر کے بڑھ جانے سے

ترے دیوانے پہ کیا جانے وہاں کیا گزری
آیا سیلاب جو روتا ہوا ویرانے سے

شب غم کہتی ہے میں پڑ چکی تیرے گھر میں
مجھ کو کیا کام ہے اب غیر کے گھر جانے سے

چاہتے ہیں کہ دل آئیں تو الگ ایک سے ایک
راہیں زلفوں میں نکلواتے ہیں وہ شانے سے

کھلکے یہ شربتِ دیدار پلایا دمِ نزع
آخری وقت ہے کیا فائدہ ترسانے سے

شرم سے شمع بجھی جاتی ہے تیرے آگے
اُڑ نہ جائے کہیں پر رنگ کے پروانے سے

نکلے چلمن سے وہ سمجھے کہ تماشا ہے کوئی
کام نکلا یہ بڑا دل کے مچل جانے سے

گھنگرو بولیں گے گلے میں مرے پامالوں کے
یہ صدا آتی ہے گھنگرو کے ہر ایک دانے سے

چاہ کی آنکھ سے جوبن کو جو دیکھا تو کہا
کہیں یہ مال ملا جاتا ہے للچانے سے

ذکر ہو کس دلِ وحشی نے کیا ہے کہ امیر
وہی آواز چلی آتی ہے ویرانے سے

گرم اندر کا اکھاڑا ہے تو میخانے سے
عکس کی چھپی ہوئی شکل تو آئینے میں دیکھ
دل ہے دیوانۂ گیسو تو پہن لے بیڑی
رات یہ تازہ کھلا گل کہ مرے دل کی کلی
آبرو ہے دلِ دیوانہ ہی سے گیسو کی
اُن کی یہ ہٹ کہ نہیں آج نہ دونگا بوسہ
مصو کے دیتے نہیں آنکھوں کو بیا بانوں میں
اعتبار آپ نے وعدے کا خود اپنے کھویا
کہتی ہے وصل کی شب ان کی حیا سے شوخی
خانقاہوں میں جو یہ پھرتی ہے بہکی بہکی
دیکھ پایا ہے انہیں حضرت ناصح نے کہیں
قاضی شہر ہو یا شیخِ حرم کوئی ہو
اشک ہے دانہ مرا اشک ہے پانی میرا
اک ذرا سی حرکت کی بھی سکت مجھ میں نہیں
توبہ ٹوٹی ہے ضرور آج کسی او نچے کی
لوٹیں عشاق تہِ خاک کے سینوں پہ بھی سانپ

رقص پریوں کا کوئی سیکھ لے پیمانے سے
شرم اُس کو بھی تو آئی ترے شرمانے سے
آن ہے عشق کے بانکوں کی اسی بانے سے
مسکرائی تری چولی کے مسک جانے سے
متبرک ہے یہ تسبیح اسی دانے سے
دل کی یہ ضد کہ بہلتا نہیں بہلانے سے
چہلیں کرتے ہیں چہلاوے ترے دیوانے سے
نہ رہی اتنی بھی توقیر قسم کھانے سے
آج حاصل نہیں کچھ جھینپنے شرمانے سے
توبہ بھی پی کے مگر نکلی ہے میخانے سے
اب میں سمجھا جو غرض ہو مرے سمجھانے سے
جو نہ ہو مست نکالو اُسے میخانے سے
ادر واقف ہوں نہ پانی سے نہیں دانے سے
غش پہ غش آتے ہیں اب ہوش میں بھی آنے سے
توبہ توبہ کی صدا آتی ہے میخانے سے
یہ اشارہ ہے لٹیں زلف کی لٹکانے سے

سیر کہنا تو غزل کچھ نہیں دشوار امیر
خوف یہ ہے کہ نکل جائے نہ پیمانے سے

جب آنکھ اُس شاہِ خوباں پر پڑی ہے
لبِ جاناں پہ مسی کی دھڑی ہے
غضب کی کھوٹ الفت میں پڑی ہے

نگہ تقدیر بن بن کر لڑی ہے
تو سوسن کس لیے پھولی کھڑی ہے
ملا ہے دل جو آنکھ اُس سے لڑی ہے

مسی پر چھوٹ افشاں کی پڑی ہے
کنی ہیرے کی نیلم میں جڑی ہے

چھپی کیوں ہے جو سیلی سے لڑی ہے
یہ چوٹی کس لیے پیچھے پڑی ہے

پہنچتی ہے یہ گردن ہی تک اُس کی
صراحی دخترِ رز سے کچھ بڑی ہے

شبِ غم مجھ سے بیٹھا جائے کیونکر
تری تصویر تو آگے کھڑی ہے

کلی کو باغ میں چھیڑا ہے کس نے
صبا یہ منہ لپیٹے کیوں پڑی ہے

خدا اُس زلف و کاکل سے بچائے
بلائے جان ہے جو چھوٹی بڑی ہے

بہت جلدی نہ کر قاتل دمِ ذبح
یہی تو حاصلِ عمر اک گھڑی ہے

شبِ غم کیسی ہی چھوٹی ہو واعظ
مگر تیری قیامت سے بڑی ہے

ادا گاہک قضا گاہک کدھر جائے
عجب جھگڑے میں جاں اپنی پڑی ہے

نہیں رکتی چلی جاتی ہے دن رات
مری عمرِ رواں بھی اک گھڑی ہے

لیا ہے بوسۂ قاتل لپٹ کر
لڑا دی جان تب قسمت لڑی ہے

قضا ہی نے تڑپ دیکھی تھی میری
اُسی نے جا کے قاتل سے جڑی ہے

فلک کو پھونکتی ہے آہ دل کی
ذرا سی شمع کو اتنی بڑی ہے

بڑی جھگڑالو ہے اُس کی حیا بھی
کہ اک اک بوسہ پر پہروں لڑی ہے

ملا کر خاک میں آئے ہو کس کو
یہ کیسی گرد دامن پر پڑی ہے

نہیں کھلتی گرہ بندِ قبا کی
یہ ظالم اُس کے دل سے بھی کڑی ہے

ہوا ہے کس بلاکش سے وہ برہم
کہ زلفِ یار قدموں پر پڑی ہے

نگاہِ ناز ہوتی ہے برآمد
سلامی کو صفِ مژگاں کھڑی ہے

اجل آئی ہے نذر اُس کے کریں کیا
ہماری جان تو تم میں پڑی ہے

تمہارے لب ہیں باغِ حسن کے پھول
تبسم اُن کی نازک پنکھڑی ہے

امیر اتنا نہ چھیڑ اُس کو سرِ شام

کہ شب بھر پیار کرنے کو پڑی ہے

شبِ وصل آنکھ جب مجھ پر پڑی ہے — تو کیا کیا شرم شوخی سے لڑی ہے
نظر کس چشمِ فتاں سے لڑی ہے — کہ آنکھوں کو لئے نرگس پڑی ہے
نظر جب مدن سے اُس رُخ پر پڑی ہے — کرن سورج کی اشکوں کی لڑی ہے
زمانے بھر کی آنکھ اُس سے لڑی ہے — جدھر دیکھو یہی آفت پڑی ہے
وہ بیٹھے ہیں مگر تیوڑی چڑھا ہے — مسیحا پاس اجل سر پر کھڑی ہے
اُدھر عکس اور ادھر تنتا ہے وہ شوخ — یہ دو بانکوں میں کیا بحث آ پڑی ہے
گرے ہیں جو لگن میں شمع سے پھول — پرِ پروانہ اُن کی پنکھڑی ہے
نکلتے ہی نہیں مسجد سے واعظ — خدا کے گھر میں نال انکی گڑی ہے
گرہ بندِ قبا کی کھل رہے گی — وہ کھولو جو گرہ دل میں پڑی ہے
مرے گھر ہجر کے دن دھوپ یارب — جمی ہے یا گڑی ہے یا جڑی ہے
مری میّت کو ٹھکرا کر وہ بولے — میں سچ کہتا ہوں یہ جھوٹی بڑی ہے
نگاہِ مست ساقی نے دکھا کر — کہا لو پھول کی جا پنکھڑی ہے
زبان دی بحرِ وصل اور خود ہی بولے — میں سچ کہتا ہوں یہ جھوٹی بڑی ہے
مژہ اُس کی نگہ سے بھی ہے کڑا — چھری خنجر سے بھی منہ کی کڑی ہے
لپٹ کر سوتی ہے روز اُس سے چوٹی — یہ میری جان کے پیچھے پڑی ہے
اُبھار اُن جوبنوں کا کہہ رہا ہے — جوانی خود نمائی پر اڑی ہے
نہیں اُس تیغ کے قبضے میں چھلّا — دُلہن کے کان میں انتی پڑی ہے
نکل سکتی نہیں حسرت شبِ وصل — کہ وہ چتون چھری کھینچے کھڑی ہے
لہو میں تر ہے کیوں اے چشمِ خونباز — بتا تو آج تو کس سے لڑی ہے
خضر بھی عمر میں دنیا سے ہیں کم — یہ بڑھیا ساری دنیا سے بڑی ہے

نگہ جائے کہاں سینے سے اُٹھ کر
ادا قاتل ہے الزام اُسکے سر پر
نہیں پلکوں کی اوجھل ہیں وہ پتلی
نکیلی بھی سجیلی بھی ہے وہ آنکھ
پہنتے ہیں وہ بیٹھے گھر میں چھاگل
ہنستے ہیں جب دہانِ زخمِ بسمل
نہ توڑو نرگسِ بیمار کی آس
پہنچتے ہیں سب اس منزل پہ مرکر

یہیں تو حسن کی دولت گڑی ہے
قضا کیا مفت میں ماری پڑی ہے
دلہن چلمن میں شرمائی کھڑی ہے
مگر دیکھا تو شرمیلی بڑی ہے
قیامت در پہ گھبرائی کھڑی ہے
تو اک تلوار اور اُسنے جڑی ہے
عصا ٹیکے ہوئے کب سے کھڑی ہے
عدم کی راہ بھی کتنی کڑی ہے

امیر اپنی نظر میں قصرِ شاہی
فقیروں کی سی ٹوٹی جھونپڑی ہے

چمکائے ہیں کیا داغِ جگر آہِ رسا نے
جائے تپشِ دل مری کس کس کو بلانے
پردہ رُخِ محبوب سے الٹا ہے ہوا نے
یاں ہاتھ اُٹھایا ہے دعا کے لئے میں نے
بلبل جو ہوئی ذبح تو غنچے یہ پکارے
لو وصل میں بیتابیِ دل ہوگئی دونی
کس کس کے چلے جور شبِ وصل میں مجھ پر
بسمل ہی مجھے چھوڑ گیا خنجرِ قاتل
برما کے مرے دل کو جگر تک اُتر آئیں
لو عفوِ معاصی کی لگائے رہیں عاصی
کام آگئی شوخی کی نقاب اُسنے الٹ دی

ان پھولوں میں اور آگ لگادی ہے صبا نے
مُنہ تیری طرح مجھ سے چھپایا ہے قضا نے
یہ پھول کھلایا ہے نیا بادِ صبا نے
تاثیر سے واں ہاتھ اُٹھایا ہے دُعا نے
چھوڑا ہے شگوفہ یہ نیا بادِ صبا نے
کی اور کمک دردِ محبت کی دوا نے
چکمے دیے شوخی نے تو کی چال حیا نے
افسوس وفا مجھ سے نہ کی اُسکی جفا نے
کیا کام لیا نیچی نگاہوں سے حیا نے
رحمت کو بہت آتے ہیں بخشش کے بہانے
شب کو تو مجھے مار ہی ڈالا تھا حیا نے

برسات میں بھی یہ نہ اُبھرنا تھا نہ اُبھری
چھینٹے دئے کیا کیا مری توبہ کو گھٹا نے

اُس دستِ حنائی پہ گلے کٹ گئے کتنے
پیسے ہیں ہزاروں ہی کے دل پسکے حنا نے

گھبرائی ہوئی تیغ بکف پھرتی ہے ہر سمت
کیا جانے دیا برق کو کیا حکم گھٹا نے

آئی ہے دمِ نزع مرے گھر شبِ فرقت
گھیرا ہے بُرے وقت میں اس کالی بلا نے

اک آن میں جب بھر وٹے بل کفل تو میں سمجھا
واقف تری رحمت سے کیا سب کو گھٹا نے

اُس دستِ نگارین کو کیا ہے جو بھبھوکا
دل میں مرے اک آگ لگا دی ہے حنا نے

توبہ کرو توبہ کہیں میخانے سے ہٹتی
کوڑے اُسے بجلی کے لگائے ہیں گھٹا نے

کمبخت مرے گھر سے نکلتی ہی نہیں ہے
دامن مرے مسکن کو بنایا ہے بلا نے

اُس گل کے جو ہاتھوں کو بنانا تھا بھبھوکا
لالے کا لہو چوس لیا برگِ حنا نے

اللہ رے مری شبِ ہجراں کی سیاہی
سو بار پکارا مجھے گھبرا کے بلا نے

شکوہ جو کیا سنگ دلی کا تو وہ بولے
بُت ہم کو بنایا ہے تمہارے ہی خدا نے

ہر گام پہ لغزش تھی رہِ عشق میں لیکن
پھسلے تو سنبھالا ہمیں تسلیم و رضا نے

گھیرا تو بہت زلفِ بتاں نے مجھے لیکن
اب تک تو اس آفت سے بچایا ہے خدا نے

دل پس کے امیر اُن کے قدم تک بھی نہ پہنچا
اور بوسے لئے ہاتھوں کے بھی پسکے حنا نے

سیکھی ہے ادا تیری مری جان قضا نے
آتے ہی مرے پاس لگی جان چرانے

یہ خوشخبری نزع میں دی مجھ کو قضا نے
بھیجا ہے عیادت کو تیری مجھ کو ادا نے

ساقی کے تصور سے یہاں کھل گئیں آنکھیں
ہشیار کیا ہم کو مئے ہوش ربا نے

بت کہتے ہیں سن سن کے گلہ جور و جفا کا
پیدا ہی کیا ہے انہیں کاموں کو خدا نے

نادم جو ہوا جرم پہ رحمت کا ہوا جوش
کی میری شفاعت مرے اقرارِ خطا نے

معشوق جفاکار ہیں عشاق وفادار
ہر ایک کو حکمت سے بنایا ہے خدا نے

افلاک کو سمجھے ترے دیوانے جنوں میں
پامال کیا لاش کو تربت کو بھی روندا
بے موت مجھے تیغ تغافل ہی نے مارا
قدموں پہ گری تیرے تو پھر سر نہ اٹھایا
ہیں قتلگہِ ناز میں سب زندۂ جاوید
اس شان سے اس ٹھاٹھ سے پھولوں میں وہ آئے
تیر نگہِ ناز سے ہم بچکے جو نکلے
گردِ نظرِ یار نے بیماروں کو مارا
سہہ سہہ کے ستم تم کو ستمگار بنایا
جھنجھلائی ہے تنگ آئی ہے یہ بے اثری سے
محشر میں وہ اٹھا تو وہ مخمور ہی اٹھا
اللہ رے ہم آغوشی تاثیر کی حسرت
جوڑا جو کھلا دوڑ پڑے سینکڑوں فتنے
مانگی ہے دعا وصل کی کسکے کہ لپٹ کر
ہشیار کیا تجھ سے مرے ہوش اڑا کر
لے لی تیری چتون نے مری آہ کی تاثیر
گزرا ہے جب اس کوچۂ گیسو میں مرا دل
خاموش چلے جاتے ہیں دنیا سے ہزاروں

چھالے پہ اچھالے ہیں ہمارے کفِ پا نے
کی خوب وفا مجھ سے ترے جور و جفا نے
پوچھا نہ جفا نے نہ قضا نے نہ ادا نے
کیا برق کو روندا ہے تری لغزشِ پا نے
شمشیرِ قضا توڑ کے رکھدی ہے ادا نے
نذریں انہیں دیں اٹھ مرے اہلِ عزا نے
خنجر سے چھری لیکے کیا ذبح ادا نے
اک زہر کی چٹکی انہیں دی خاکِ شفا نے
در پردہ ستم مجھ پہ کیا میری دعا نے
کوسا ہے تہ عرش مجھے جاکے دعا نے
تاکا جسے تیری نگہِ ہوش ربا نے
سجدے کئے ہیں بابِ اجابت پہ دعا نے
لیں بڑھ کے بلائیں ترے بالوں کی بلا نے
بوسے دئے ہیں منہ کو مرے میری دعا نے
دو کام کئے اک نگہِ ہوش ربا نے
جو بچ گئی وہ چھین لی دشمن کی دعا نے
روکا ہے جو آفت نے تو ٹوکا ہے بلا نے
کیا جانئے کیا کہدیا چپکے سے قضا نے

دکھلا کے ادا مجھ کو امیر اسنے کیا قتل
پیدا اثرِ درد کیا میری دوا نے

وہ کہتے ہیں نکلنا اب تو دروازے پہ مشکل ہے
قدم کوئی کہاں رکھے جدھر دیکھو ادھر دل ہے

تری مشکل ہو اب آسان اے بسمل یہ مشکل ہے
کہ قاتل خود نگاہِ یاس کی چھریوں سے بسمل ہے

شبِ وصلت وہ اسکا چلبلا پن دیکھ کر بولے
غریب آفت کا مارا غمزدہ بیکس یہی دل ہے

کہیں ایسا نہ ہو تجھ پر بھی کوئی وار چلجائے
قضا ہٹ جا کہ جھنجھلایا ہوا اسوقت قاتل ہے

بلا واعرصۂ محشر میں ہے ساری خدائی کا
بڑی ہی دھوم کا جلسہ قیامت کی یہ محفل ہے

نہ کر معشوق کو بے پردہ آنکھیں بند کر مجنوں
کہ لیلیٰ آنکھ کی پتلی ہے آنکھ آغوشِ محمل ہے

مجھے تو درد ہے تیرا تجھے ہے کیوں یہ بے دردی
مرے پہلو میں بھی دل ہے ترے پہلو میں بھی دل ہے

عدو بھی واے قسمت بزمِ ماتم میں ہے ساتھ اُنکے
ہمارے پھولوں میں کمبخت اک کانٹا بھی شامل ہے

دلِ بسمل مرا قاتل مرا قاتل نہ کہہ اسکو
اُسے اللہ رکھے ایک عالم کا وہ قاتل ہے

عبث ہے تاک جھانک اے شیخ تجھکو دخترِ رز کی
بھلا یہ عمر اس نو عمر سے شادی کے قابل ہے

مجھے تو میکدے میں خانقاہوں کا مزہ آیا
مراقب سب کے سب اللہ والوں کی یہ محفل ہے

میں اُسکی یاد میں ہر دم وہ میری گھات میں ہر دم
دلِ بسمل میں قاتل ہے دلِ قاتل میں بسمل ہے

فسانہ رہ گیا حسن و محبت کا زمانے میں
نہ مجنوں ہے نہ لیلیٰ ہے نہ ناقہ ہے نہ محمل ہے

طنابیں کھینچدے یارب زمینِ کوے جاناں کی
کہ میں ہوں ناتواں اور دن ہے، آخر دور منزل ہے

ذرا رُخ پاکے اُن کا لے لیا بوسہ تو وہ بولے
کسیکے منہ لگانے میں یہی تو ہم کو مشکل ہے

جہاں ڈوبا سفینہ عاشقوں کا پار ہے بیڑا
نیا دریا ہے اس دریا کی تہ میں اس کا ساحل ہے

لحد میں لیکے دم جاتا ہے میدانِ قیامت میں
یہی منزل نہیں اور اُسکے آگے ایک منزل ہے

مرے سینے پہ رکھ کر ہاتھ کہتا ہے وہ شوخی سے
یہی دل ہے جو زخمی ہے یہی دل ہے جو بسمل ہے

امیرِ خستہ جاں کی مشکلیں آسان ہوں یارب
تجھے ہر بات آسان ہے اُسے ہر بات مشکل ہے

ادھر ضعف اور اُدھر رعب سوال وصل مشکل ہے
سگِ اصحابِ کہف انسان کے زمرے میں داخل ہے

کڑے دو پہر دن میں بیٹھی ہوئی آوازِ سائل ہے
بُرا بھی ہے تو اچھا ہے اگر اچھوں میں شامل ہے

چلے منہ موڑ کر تو ہی تو پھر سنسان ہے مقتل
ترے ہی دم سے تو اے تیغ قاتل رنگ محفل ہے

نقاب اُٹھی تو کیا حاصل حیا اُٹھے تو آنکھ اُٹھے
بڑا گھرا تو یہ پردہ ہمارے ان کے حائل ہے

الٰہی بھیجدے تربت میں کوئی حور جنت ہے
کہ پہلی رات ہے پہلا سفر ہے پہلی منزل ہے

جدھر دیکھو اُدھر سونا ہے کوئی پاؤں پھیلائے
زمانے سے الگ گورِ غریباں کی بھی محفل ہے

کلیجے سے لگا آنکھوں سے مل آنا نہ دو بھر کر
اسے تلووں سے ملتا ہے ارے یہ تو مرا دل ہے

منگا آئینہ کیوں سامنے کی چوٹ کھا بیٹھا
تو اپنا آپ دشمن ہے تو اپنا آپ قاتل ہے

گری ہے ٹوٹ کر توبہ بھی جامِ مے پر اے زاہد
یہ کیسی پارسائی اب جو میخواروں میں شامل ہے

کہیں نازوں کی تلواریں کہیں غمزوں کی چھریاں ہیں
یہ مجمع ہے حسینوں کا کہ جلادوں کی محفل ہے

وہ شوقِ قتل سے مضطر ہے یہ شوقِ شہادت سے
نہیں کھلتا کہ ان میں کون بسمل کون قاتل ہے

اسی جوہر سے ہے ہر دلعزیز آئینہ دنیا میں
اُسی کی شکل بنجاتا ہے یہ جس سے مقابل ہے

زہے وحشت جہاں کوئی بگولا دشت میں اُٹھا
تو دوڑا قیس یہ کہہ کر کہ وہ لیلیٰ کا محمل ہے

بڑھ اے آہِ رسا باب اثر آغوش ہے کھولے
بہت ہی تیری مشتاق اے مسافر تیری منزل ہے

گرہ میں دیکھیے گیسو کی یا چوڑے کی مٹھی میں
نہ سینے میں مرا دل ہے نہ پہلو میں مرا دل ہے

ہمیں کیا کام توبہ سے کہ رندانہ لاابالی ہیں
یہ ذی عصمت تو زاہد پارسائی کے قابل ہے

نگاہِ غور سے دیکھے اگر انسان تو آنکھیں ہیں ل
ذرا سا اُسکی قدرت کا نمونہ آنکھ کا تل ہے

دیے گلشن کو چرکے کسکی شمشیرِ تبسم نے
کہ گل ہیں خون میں تر خندۂ گل نیم بسمل ہے

شریک حال امیر احسان ہر حالت میں ہے اُس کا
صنم جھک جھک کے ملتے ہیں خدا کا فضل شامل ہے

نکلنا اُس گلی سے ہو کے بھی عاشق کو مشکل ہے
وہ کہتے ہیں کہ لو پھر آ گیا کیا بیحیا دل ہے

خدا رکھے چراغِ جام سے میخانہ ہے روشن
شرابی اہلِ محفل دخترِ رز میرِ محفل ہے

فراقِ یار میں خنجر بکف یاس آکے للکاری
جہاں رہتی ہے حسرت وصل کی وہ کونسا دل ہے

چھری کھینچی تو پھر اپنی کمر میں تونے کیوں رکھ لی
ارے یہ تو کلیجے میں مرے رہنے کے قابل ہے

جہاں لیجاتی ہے قسمت پہنچتا ہے وہیں انسان
بھٹک سکتا نہیں کوئی کہ خضرِ راہ کامل ہے

مرے دلکو حسیں جمگھٹ میں اپنے دیکھ کر بولے
یہاں دیوانے کا کیا کام یہ پریوں کی محفل ہے

لب جاں بخش پر نامِ عدو ہے منہ لگاؤں کیا
مرے آبِ بقا میں زہر بھی تھوڑا سا شامل ہے

یہی کروٹ بدلوائے یہی اُٹھ اُٹھ کے بٹھلائے
مزہ ہمدردیوں کا دردِ دل سے مجھکو حاصل ہے

گیا طوفِ حرم کو قیس تو آواز یہ آئی
ارے نادان یہ لیلیٰ نہیں لیلیٰ کا محمل ہے

کسی کا رات بھر چلنا ترا شب بھر کھڑا رہنا
ترے زیرِ قدم اے شمعِ محفل تیری منزل ہے

اُدھر ہے قتل کی لذت اِدھر ہے وصل کی لذت
گلے پر تیغ ہے سینہ بزانوے قاتل ہے

عجب کیا گر اُٹھا کر سختیِ فرقت ہوا ٹکڑے
کوئی لوہا نہیں پتھر نہیں انسان کا دل ہے

تحیر وصل میں دونوں کو ہے آئینۂ حیرت
اُدھر تم سے مقابل ہے اِدھر مجھ سے مقابل ہے

مریضِ عشق تجھ تک آ سکے کسطرح اے عیسیٰ
ادھر سے اب اُدھر کروٹ بدلنا اسکو منزل ہے

لپٹ جانے سے مطلب قیس کو ہے یہ خبر کسکو
کہ ناقہ ہے کدھر اور کسطرف لیلیٰ کا محمل ہے

قریب انسان اُس بُت کے نجائے لاکھ پیار آئے
وہ صورت دور ہی سے پیار کر لینے کے قابل ہے

تمہارے عکسِ خالِ رُخ سے ہی سارا جہاں روشن
اس کا نام تو دل میں سویدا آنکھ میں تل ہے

سخی کا دل ہے ٹھنڈا گرمیِ روزِ قیامت میں
کہ سر پر چترِ رحمت سایۂ دامانِ سائل ہے

امیر اللہ حافظ ہے ہجومِ ناز میں دل کا
کہ سو جلاد ہیں خنجر بکف اور ایک بسمل ہے

بلا سے صبر کیا عیش جاودان کے لئے
مرے ہیں خلد میں اب خلد آشیاں کے لیے

چھری وہ لائے ہیں عاشق کے مرغِ جان کے لیے
غضب کی شاخ نکالی ہے آشیاں کے لیے

بچی جو پریوں سے جان آ پھنسا میں حوروں میں
اب ان حسینوں میں بھیجا ہے امتحان کے لیے

اندھیری رات میں بجلی کو بھی ترس آیا
غریب لیکے چراغ آئی آشیاں کے لیے

نہ اٹھے وہ نہ سہی دیکھ تو لیا مجھ کو
اٹھی نگاہ تو تعظیم میہمان کے لیے

کمر لچکتی ہے خنجر سنبھل نہیں سکتا
اور آپ آئے ہیں عاشق کے امتحان کے لیے

حضور اسکے ہیں دشمن بہت اجازت ہو
تو پاسباں ہوں میں شب کو پاسبان کے لیے

مزے مزے کے تعلق ہیں زخم و خنجر میں
زبان دہن کے لیے ہے دہن زباں کے لیے

ادا ہی تیری ہے قاتل قضا کے پردے میں
بدل کے بھیس یہ آئی ہے امتحاں کے لیے

سوالِ بوسہ جو چپکے سے بھی کیا تو کہا
ٹھہر منگائی ہیں جانپیں تری زباں کے لیے

ہزار شکر کہ پیکاں سے دل ہوا آباد
خدا نے بھیجدیا وارث اس مکاں کے لیے

جلا رہی ہے پتنگے کو شمع سے یہ کہو
زباں دراز یہ تعزیر بے زباں کے لیے

لگاؤں آنکھوں سے چوموں سنگِ اسود کو
کہ ان لبوں سے ہیں بوسے اس آستاں کے لیے

چمک کے آئی جو بجلی تڑپ کے دل نے کہا
وہ برق نے قدم آہِ شرر فشاں کے لیے

جو خانہ باغ کی کلیاں بھی چٹکیں تو بولے
یہ کس نے بوسہ صبا میرے آستاں کے لیے

جواب دیتی ہے طاقت بھی ہائے پیری میں
بہت کڑے ہیں یہ دن جانِ ناتواں کے لیے

خدا جو پوچھیگا کیوں جان دی جوانی میں
دکھا کے تجھ کو کہونگا کہ اس جوان کے لیے

میں امتحاں میں پورا ہوا تو پھر کہیے
ذرا سمجھ کے تقاضا ہو امتحاں کے لیے

ہیں ہوں وہ سوختہ جاں گر کہیں ملے بجلی
سمجھکے جگنو اٹھا لاؤں آشیاں کے لیے

اجازت اپنی نزاکت سے لی ہے یا یونہی
نکل کھڑے ہوئے سرکار امتحاں کے لیے

ہے اب امیر سے کیوں ضبط آہ کی تاکید
حضور ہی نے تو دی ہے زباں فغاں کے لیے

آمیر روتی ہے امت شہ زماں کے لیے
زمیں خاک اڑاتی ہے آسمان کے لیے

کھلی زباں مری کس کے داستاں کے لیے
اچھلکے دل نے جو بوسے مری زباں کے لیے

نکلکے سینے سے اے آہ برق سے کہہ آ
کہ ایک ڈال تو رہنے دے آشیاں کے لیے

پکارتا ہے وہ جوبن اُبھر کے سینے میں
کہ بیقرار ہوں میں بھی اِسی جوان کے لیے

مرا خدا تو توانا ہے ناتواں ہوں میں
یہ آسرا ہے عصا جانِ ناتواں کے لیے

نکیلے تم ہو سجیلے ہو تم رسیلے تم
پھر اور دل کو میں رکھ چھوڑوں کس جوانکے لیے

غضب کی لاگ تھی کمبخت برق کو مجھ سے
چمن کو پھونک دیا میرے آشیاں کے لیے

نہ موت آئے نہ نیند آئے نیند کا کیا ذکر
غضب کی قیدیں لگائیں پاسباں کے لیے

گلہ تڑپ کا نہ انسان کرے جو عاشق ہو
یہی تو بہ ہے پرِ پرواز مرغِ جان کے لیے

کہو کہ آ کے رہے میرے پاس تربت میں
اُداس بیٹھی ہے کیوں بیکسی مکانکے لیے

وہ آشنا نہ ہُوا گو برنگِ نقشِ قدم
قدم قدم پہ قدم میں نے پاسبانکے لیے

پسند بو میں بھی ہے اسکو رنگِ فتنہ گری
کہ عطر فتنہ خریدا ہے عطرداں کے لیے

یہ کنگھی چوٹی جو ہوتی ہے قتلِ عام کے بعد
حضور اب ہیں یہ تیاریاں کہاں کے لیے

کہو کہ پیرِ مغاں جامِ جم کو رہنے دے
بہت ہے دخترِ رز میرے امتحاں کے لیے

چلی جو ناز سے بے سرخرو کیے ہم کو
لپٹ کے بوسے تری تیغِ خوں فشاں کے لیے

زمین کو ہم سے غبار آسماں ہم سے خلاف
نہ ہم زمین کے لیے ہیں نہ آسماں کے لیے

وہ دل جو روز بدل کر نیا نظر آئے
کہاں سے لاؤں میں اس شوخ دلستانکے لیے

وہ بال گوندھ کے پھانسی عبث بناتے ہیں
بلائے جان ہیں یوں ہی جانِ ناتوانکے لیے

جفا کے شوق میں حد سے گزر نہ او ظالم
کوئی تو طرزِ ستم چھوڑ آسماں کے لیے

اجل کا لقمہ ہُوا پہلے پھر میں لقمۂ گور
یہ دونوں کھولے تھے منہ ایک ناتواں کے لیے

دل اور تصورِ جاناں میں ربط لازم ہے
مکاں مکیں کے لیے ہے مکیں مکان کے لیے

شباب آتے ہی آندھی کی طرح دل آیا
بہار آئی تو جھونکے بھی کچھ خزاں کے لیے

امیر نالہ بھی ہو ساتھ ساتھ اشکوں کے
جرس بھی شرطِ سفر میں ہے کارواں کے لیے

جوش کہتا ہے خونِ بسمل سے
دو دو ہاتھ آج ہونگے قاتل سے

کچھ پھری سی ہے وہ نگہ دل سے
تیغ روٹھی ہوئی ہے بسمل سے

پوچھیو پیکاں تیرِ قاتل سے
مشورے ہو رہے ہیں کیا دل سے

منہ کہیں موڑلے نہ خنجرِ یار
یہ جو روٹھا منے گا مشکل سے

لے چلے دل تو ہنس کے فرمایا
پیار اب کیجئے گا کس دل سے

رات کی صحبتیں جو یاد آئیں
اُٹھ گئی شمع رو کے محفل سے

غیر اور ادعائے جانبازی
کیا مریگا مرے ہوئے دل سے

بزمِ جنت کی کھینچی ہے تصویر
رنگ لیکر تمہاری محفل سے

دل میں پھرتی ہیں وصل کی باتیں
نہیں آتیں زبان تک دل سے

کیوں نہ تڑپے کہ ناوکِ قاتل
چھینے لیتی ہے موت بسمل سے

اس ادا سے وہ آئے وصل کی رات
کہ نکل آئیں حسرتیں دل سے

ہوں میں وہ سخت جان کہ موڑ کے منہ
عذر کرتی ہے تیغ قاتل سے

میرِ محفل خبر نہیں ہوتا
اُٹھے جاتے ہیں لوگ محفل سے

حالِ مجنوں کے خاک اُڑانے کا
کہتی ہے گرد اُٹھ کے محمل سے

مفت دیدونگا کیا میں جان سی چیز
عمرِ جاوید لونگا قاتل سے

کام یاروں میں کیا تکلف کا
بے تکلف اُٹھا دو محفل سے

آئینہ دیکھ کر وہ شرمائے
آنکھ نیچی ہوئی مقابل سے

ڈوبی ہے کس غریب کی کشتی
سر ٹپکتی ہیں موجیں ساحل سے

دل یہ دنیا سے سرد ہے کہ امیر
ہوئی ٹھنڈی غزل بھی مشکل سے

مہندی کہتی ہے دستِ قاتل سے
چھین لے رنگ خونِ بسمل سے

جان چھوٹے گی مر کے قاتل سے
مشکل آسان ہو گی مشکل سے

بگڑے تشبیہ ماہ کامل سے
سمجھے تعریف اُوپری دل سے

خونِ بسمل نہیں بہا دمِ ذبح
منہدی چھوٹی ہے دستِ قاتل سے

تڑپیں دیوانے اور وہ چپ بیٹھے
یہ کڑی اُٹھ چکی سلاسل سے

قیس لیلیٰ کو گود میں لینا
سیکھ لے پردہ ہائے محمل سے

عمریں گذری ہیں ٹھوکریں کھاتے
منزلوں دور ابھی ہوں منزل سے

آئینہ خانے میں جو وہ آئے
چچ بکھا لڑ گئے مقابل سے

سنکے پھبتی وہ حور کی بولے
کہی اچھی مگر بُرے دل سے

وہ مسافر ہوں میں کہ بنکر خضر
لے گئی غربت آ کے منزل سے

وہ جو بے پردہ سامنے بیٹھے
پردے سب اُٹھ گئے مرے دل سے

کیا خبر بعد مرگ یاروں کی
ساتھ چھوٹا ہے پہلی منزل سے

دل جو تلووں سے تو نے مل ڈالا
یہ ہوا کس طرح ترے دل سے

جم کے بیٹھے کوئی تو یوں بیٹھے
لاش اُٹھے نہ کوئے قاتل سے

میرے پہلو سے تو نہ اُٹھ اے درد
پیار کرتا ہوں میں تجھے دل سے

کیا ہیں یہ چشمِ قیس کے پردے
لپٹے ہی رہتے ہیں جو محمل سے

ایک اُس کو دیا تو دس پائے
جھک کے مل اے کریم سائل سے

ساتھ والوں نے ساتھ چھوڑ دیا
دور لیجا کے مجھ کو منزل سے

کہکے لبیک مغفرت دوڑے
توبہ عاصی کرے اگر دل سے

وہ کلیجہ پکڑ کے بیٹھ گئے
آہ نکلی نہیں ابھی دل سے

ہو زمین لاکھ سہل لیکن امیر
ہوتے ہیں اچھے شعر مشکل سے

عشق میں دن زندگی کے بھر چلے
مر کے تم پر جیتے جی ہم مر چلے

آگے آگے فتنۂ محشر چلے
چال قاتل کی اگر خنجر چلے

مَر چلے ہم مر کے اُس پر مر چلے
کام اپنا نام اُس کا کر چلے

رات بھر وہ کنگھی چوٹی میں رہے
صبح تک آرے مرے سر پر چلے

دل ہے پامالِ ہجومِ یاس و غم
کیا اُگے سبزہ جہاں لشکر چلے

حشر میں اجلاس کس کا ہے کہ آج
لیکے سب اعمال کا دفتر چلے

خونِ ناحق کرکے اک بیجرم کا
ہاتھ ناحق خون میں تم بھر چلے

سعی تو کی وصل کی ہم نے بہت
جب نہ کچھ قابو چلا تب مر چلے

لالے کی مانند ہم اس باغ میں
داغ لینے آئے تھے لیکر چلے

برہمن اور شیخ میں چوٹیں چلیں
کعبہ و بتخانہ میں پتھر چلے

تم کو جینا ہو مبارک ہمدمو
ہم تو اُن پر مرتے ہی بس مر چلے

پہنچینگے اُس بزم میں عشاق ہی
اور یوں چلنے کو دنیا بھر چلے

بے مروت آنکھ ہو کیا سامنے
مے سے ہو خالی تو کیا ساغر چلے

پھر تبسم سے چھڑک قاتل نمک
زخم پھر ہم زخمیوں کے بھر چلے

چشم و ابرو دونوں کے جوہر دکھا
دم جو لے خنجر تو پھر ساغر چلے

کوئے قاتل میں گزر آساں نہیں
آدمی تلوار پر کیوں کر چلے

گردشِ چشم اپنے مستونکو دکھا
ساقی اب کیا دیر ہے ساغر چلے

ضعف اُس کوچے میں کھنچتا ہے امیر
بیٹھے صاحب کہاں اُٹھ کر چلے

چال سے پامال مجھ کو کر چلے
ہائے کیا چلتا ہوا منتر چلے

اس چمن سے لختِ دل لیکر چلے
ہم نئے پھولوں سے دامن بھر چلے

مست تیرا گر شریکِ دور ہو
دخترِ رز لیکے خود ساغر چلے

عاشق اب اے جان جی کر کیا کریں
مرنے کو آئے تھے تم پر مر چلے

چھپ کے اُس کوچے میں راتوں کو گئے
اپنے سائے سے بھی ہم بچکر چلے

یہ ملی کس جرم پر دم کو سزا
حکم ہے دن بھر چلے شب بھر چلے

چتونیں چالاک آنکھیں فتنہ گر
جوڑ ان عیاروں پر کیونکر چلے

دَورِ قاتل میں نہیں کچھ روک ٹوک
شوق سے چھُریاں چلیں خنجر چلے

شیخ نے میخانے میں پی یا نہ پی
دخترِ رز کو تو رسوا کر چلے

ہے مرے قاتل کا نشہ میلا مزاج
پھیر کر منہ حلق پر خنجر چلے

بیخودی سے وصل میں کھنڈت پڑی
گھر میں وہ آئے تو ہم باہر چلے

دوڑے بسمل تیغِ قاتل کیطرف
پیاس کے مارے سوئے کوثر چلے

جرم اپنا موج کی تقصیر کیا
کیوں حباب اتنا اُٹھا کر سر چلے

قدرداں شعر تو سب چل بسے
شاعروں کا کام اب کیونکر چلے

سر جھکائے کہہ رہے ہیں سرفروش
آزمانا ہو جسے خنجر چلے

گل گیا آخر نہ تربت کفن
ایک جوڑا حشر تک کیونکر چلے

رہنے کیا دنیا میں آئے تھے امیر
سیر کر لی اور اپنے گھر چلے

کسی کی چاہ بھی دل میں مرے اے نازنیں نکلی
ترے تیروں نے گھر بھر کی تلاشی لی کہیں نکلی

تمنا کب ترے عشاق کی اے نازنیں نکلی
جلے دل سے جو نکلی بھی تو آہِ آتشیں نکلی

ابھی تیور کڑے کیوں ہیں ابھی کیوں تیغِ کیں نکلی
کوئی ارماں نہیں نکلا کوئی حسرت نہیں نکلی

ہٹا کر وہ نگہ پلکوں کا پردہ خشمگیں نکلی
چھری کھینچے ہوئے ظالم الٹ کر آستیں نکلی

تری صورت کچھ ایسی کالبِ قدرت سے حسین نکلی
کہ اُسکی ہر ادا سے شانِ صورت آفرین نکلی

الٰہی قتل پر میرے وہ اتراتے ہیں کیوں اتنا
یا بن سے جان نکلی یا دہن سے آفرین نکلی

دلِ مجنوں سے نکلی آہ یا بجلی کوئی چمکی
کہ محمل سے تڑپ کر لیلیٰ محمل نشین نکلی

شریکِ حالِ عاشق بیکسی میں کون ہوتا ہے
جو نکلی بھی تو کچھ دلسوز آہِ آتشین نکلی

کیا اقرار بھی اُس نے تو وہ انکار ہی ٹھہرا
مری قسمت سے اُسکی ہاں بھی درپردہ نہیں نکلی

اسی دن کیلئے آنکھوں میں ہمنے تجھ کو پالا تھا
بڑی تو بے مروت اے نگاہِ واپسین نکلی

اڑا کر لیگئی دل اک نگہ میں ساری محفل کے
بڑی ہی شوخ دیدہ تیری چشم شرمگین نکلی

وفا کی داد دینے میں بھی شرمیلی ادائیں ہیں
دُلہن پردے سے نکلی یا زباں سے آفرین نکلی

چھپے بیٹھے رہے اپنی جگہ سب عتبِ قاتل سے
نہ دل سے مرحبا نکلی کوئی حسرت کہیں نکلی

ہوا بیدار اُس کا خواب میں باتیں تصور میں
کوئی حسرت کہیں نکلی کوئی حسرت کہیں نکلی

وہ کہتے ہیں یہاں تو ہو گئی ہلکاں جاں اپنی
اور اب تک حسرتِ وصل آپکے دل سے نہیں نکلی

مرے بالیں پر اُن سا سنگدل بیدرد چیخ اُٹھا
عجب حسرت بھری اک آہ وقتِ واپسین نکلی

ترے انکار نے اے جان دل کو کر دیا چھلنی
انی برچھی کی نکلی جب ترے منہ سے نہیں نکلی

کیا خوں اس نے کن کن حسرتوں کا وصل میں آکر
بڑی کٹر بڑی ظالم تری چیں جبیں نکلی

ترے انکار کے انداز نے بھی مار ہی ڈالا
اُدھر منہ سے نہیں نکلی اِدھر جانِ حزیں نکلی

الٰہی کس شہیدِ ناز نے سر اپنا کٹوایا
کہ ننگے پاؤں فردوسِ بریں سے حورِ عین نکلی

سوالِ وصل پر انکار میں بھی وہ لجاتے ہیں
جو نکلی بھی تو چھپکر ہاں کے پردے میں نہیں نکلی

عجب لذت بھرے ہاتھوں سوتن نے کیا زخمی
کہ منہ سے اُف نکلنے کی جگہ بھی آفرین نکلی

تنِ بیجاں کو زیرِ خاک کیا دھر دھر کے پیسا ہے
ستم کرنے میں اُستاد آسماں کی بھی زمیں نکلی

نہ چھوڑا ساتھ اُن کا میری تربت پر بھی آنے میں
بڑی پابند اپنی وضع کی چینِ جبیں نکلی

نہ نکلی دل سے باہر وصل میں بھی داوری عصمت
تری حسرت تو تجھ سے بھی سوا پردہ نشیں نکلی

ہنوز اب تک سنا تھا ساتھ چولی اور دامن کا — گریبان کو نکلتے دیکھ کر کیوں آستیں نکلی
غش آیا وصل میں مجھ کو تو بولی نازکی اُسکی — کہ لو مجھ سے بھی ان کی ناتوانی نازنیں نکلی

امیر ابھرا جو وہ جوبن ملا دل کا پتہ مجھکو
یہی دونوں اُچکے چور تھے چوری یہیں نکلی

خبر ہے نعش پر کس بیوفا کے آنے کی — کہ جان ابھی سے ہے مشتاق جا کے آنے کی
نکالتے ہیں وہ مانگ اور دل یہ کہتا ہے — نکل رہی ہے سڑک پہ بلا کے آنے کی
شگاف سینے میں ہیں پھر ہے کیوں تڑپتا دل — دریچیاں جو کھلی ہیں ہوا کے آنے کی
وہ بار بار نگاہیں ادھر جو کرتے ہیں — دکھاتے ہیں مجھے گلیاں قضا کے آنے کی
شب وصال میں اُس شوخ کو پلا کے شراب — میں راہیں روک رہا ہوں حیا کے آنے کی
ہزار برق نے چل پھر کے مشق کی لیکن — ادا نہ آئی ترے مسکرا کے آنے کی
یہ وضع مجھ کو نہیں ہے پسند جاؤ بھی — ادا نکالی ہے تیوری چڑھا کے آنے کی
نہ چوک وقت کو پا کر کہ ہے یہ وہ معشوق — کبھی امید نہیں جس سے جا کے آنے کی

گھٹا میں برق جو چمکی تو یاد آئی امیر
ادا کسی کی وہ پردہ اُٹھا کے آنے کی

جو کچھ سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے — میں روتا ہوں اُس کو ہنسی سوجھتی ہے
تمہاں حور اے شیخ جی سوجھتی ہے — مجھے رشک حور اک پری سوجھتی ہے
یہ آتا ہے جی میں کہ کوثر پہ چلیے — خرابات میں دور کی سوجھتی ہے
جفا کو وفا کیوں نہ سمجھوں میں ناصح — محبت میں اچھی بُری سوجھتی ہے
یہاں تو مری جان پر بن رہی ہے — تمہیں جانِ من دل لگی سوجھتی ہے
جو کہتا ہوں اُن سے کہ آنکھیں ملاؤ — وہ کہتے ہیں تم کو یہی سوجھتی ہے
کہا میں نے پاس آؤ تو ہنس کے بولے — اجی آج تو دور کی سوجھتی ہے

دمِ نزع بھی تکتی ہیں اُسکو آنکھیں
جو کچھ سوجھنی تھی وہی سوجھتی ہے

یہاں تو ہے آنکھوں میں اندھیر دنیا
وہاں اُن کو سرمہ مسی سوجھتی ہے

شبِ وصل آخر ہے اے دل لپٹ جا
تجھے اب خوشی ناخوشی سوجھتی ہے

جو کی میں نے جوبن کی تعریف بولے
تمہیں اپنے مطلب ہی کی سوجھتی ہے

بُری ہو نہ قسمت الٰہی کسی کی
کہ جو سوجھتی ہے بُری سوجھتی ہے

پڑا ہے یہاں دیدۂ دل کا رونا
تمہیں آئنہ آرسی سوجھتی ہے

گھٹا گھر کے آتی ہے جب فصلِ گل میں
تو متوالوں کو میکشی سوجھتی ہے

یہاں دل ہے صد چاک اُٹھتی ہیں چوٹیں
تمہیں کنگھی چوٹی اچھی سوجھتی ہے

کسی زلف سے ہر طرح جا لپٹنا
نہ بگڑی نہ دل کو بنی سوجھتی ہے

بُرا دخترِ رز کو کہے کیوں نہ واعظ
بُرے کو بھلی بھی بُری سوجھتی ہے

کمر کی رعایت شبِ وصل کیسی
کہیں ایسے میں نازکی سوجھتی ہے

امیر ایسے ویسے تو مضموں ہیں لاکھوں
نئی بات کوئی کبھی سوجھتی ہے

بابُ الخاء المعجمة

الفاروق

یعنی سوانح عمری جناب امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ جسمیں جناب کے کل حالات بڑی شرح و بسط کے ساتھ درج ہیں اور جناب کی شجاعت و دلیری کا سکہ جو کہ دنیا بھر میں جما ہوا ہے وسیع کیفیت سے تحریر ہوا ہے بلکہ حضرت امیر المومنین صاحب کے خلافت کے وقت کی پوری پوری حالات جو کہ حضرت علامہ موصوف نے تحریر فرمائے ہیں دیکھنے اور نسبت تعلق رکھتے ہیں اس کتاب لاجواب کی جتنی بھی تعریف کیجائے کم ہے بہت جلد منگا کر ملاحظہ فرمایئے قیمت صرف - - - - (عہ/)

سیرۃ النعمان

اس میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کی مفصل سوانح عمری درج ہے حصہ اول و دوم پہلے حصہ میں امام ابو حنیفہؒ کا نام و نسب ولادت و سن تمیز تعلیم و تربیت شیوخ حدیث درس و افتاء تعیینہ زندگی دربار کے تعلقات و وفات علم اخلاق مناظرات ذہانت و ذکاوت حالات بتفصیل مذکور ہیں دوسرے حصے میں امام صاحب کے اصول اور مسائل سے جو علم کلام اور فن حدیث انکا کیا پایہ تھا فن فقہ پر تفصیلی ریویو ہے جسمیں تدوین فقہ کے تاریخی حالات کیساتھ وہ تمام خصوصیتیں تفصیلاً بیان کیگئی ہیں جنکی وجہ سے فقہ حنفی کو اور تمام فقہوں پر ترجیح حاصل ہے خاتمہ میں امام صاحب کے نامور اور ممتاز شاگردوں کے مختصر حالات بھی تحریر ہیں قیمت صرف (عہ/)

المامون

مصنفہ مولوی شبلی صاحب اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے میں تمہید ترتیب خلافت مامون رشید کے حالات تعلیم و تربیت ولیعہدی تخت نشینی خانہ جنگیاں فتوحات ملکی و ملی کے حالات اور دوسرے حصہ میں ان مراتب کی تفصیل ہے جن سے اس عہد کے علمی حالات اور مامون رشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ان کارناموں کی تفصیل جنکی بدولت اسکا عہد عموماً سلف و شاہان اسلام کے عہد کے علمی حیثیت سے ممتاز رہا قیمت (عہ/)

تاریخ خلفائے عرب و اسلام

اس کتاب میں علامہ مصنف نے نہایت محنت سے پیغمبر خدا صلعم سے لیکر آجتک کے کل مسلمان بادشاہوں کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں ہر ایک بادشاہ کا نام معہ تاریخ ولادت اور سن جلوس اور سن وفات اور انکے عہد کے مشہور واقعات فتوحات جنگ وغیرہ درج کئے گئے ہیں اکثر سلاطین کا پورا پورا شجرہ نسب بھی دیا گیا ہے اسکے بعد ہندوستان کے ان تمام بادشاہوں کا حال سلسلہ وار درج کیا ہے جو یکے بعد دیگرے حکومت کرتے چلے آتے ہیں ہر ایک بادشاہ کے زمانہ میں جو جو صاحب کمال گذرے ہیں ان کا نام معہ انکے کمال کے مفصل تحریر کیا ہے آخیر میں کل روئے زمین کا رقبہ بتایا ہے اور اسمیں کتنی آبادی ہے اور کتنا رقبہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے اور کتنا دیگر مذاہب کے۔ اور حال کے تمام بادشاہوں کے نام جو اسوقت اپنی اپنی ملکوں پر قابض ہیں معہ انکی جائے تخت اور فوجوں کے اور انکی آبادی کی لکھی گئی ہیں قیمت مجلد ۸ر بلا جلد قیمت ۸ر

عقاید اہل سنت والجماعت

مصنفہ امام غزالی علیہ الرحمۃ اہل سنت جماعت کے عقاید پر عجیب و غریب بحث کی ہے انہیں نہایت مدلل اور عمدہ تشریح کے ساتھ بیان ہے نام کے سنی جنہوں نے عقائد کو کبھی خواب میں نہیں دیکھا۔ یا سنا اسے مطالعہ کریں قیمت (۴ر)

گوہرِ انتخاب

وہ مست ہوں کہ ساغرِ مے جب میں پا گیا
بتوں کے ظلم سے بھی اپنا مدعا نکلا
وقتِ آخر میں نہیں ہے کوئی میرا آسرا
سوجھا ہے بیخودی میں یہ مضمون دُور کا
آنکھیں ملائیں آپ تو کچھ دردِ دل کہوں
نہ پوچھا اے محتسب ساغر الٹ دونگا تو کیا ہوگا
محشر میں دیر تھی اگر آنے میں یار کے
تڑپتے ہیں اگر بسمل تجھے کیا
مسجود وہ صنم ہے ہر رند و پارسا کا
منہ پھیر کر چلی تھی خفا ہو کے تیغ یار
لگ کے چھاتی سے وہ سوتا تھا کلیجا شاد تھا
بتو مانا، نہیں ہوں میں تمہارے قتل کے قابل

اک بار یا غفور کہا اور چڑھ گیا
کہ منہ سے شکر زباں سے خدا خدا نکلا
شرمِ عصیاں رہ گیا ہے ایک تیرا آسرا
پردے میں دخترِ رز کے ہے جلوہ حضور کا
پھر دن مزاج ہی نہیں ملتا حضور کا
بجائے بادہ شیشوں میں لہو تیرا بھرا ہوگا
اے شورِ حشر تو نے مجھے کیوں جگا دیا
تو اپنا کام کر قاتل تجھے کیا
شاید کہ رہ گیا ہو بندہ کوئی خدا کا
بارے جھپٹ کے میں گلے سے لگا لیا
کیا وہ دن تھے دل سے پہلو جب مرا آباد تھا
مگر للہ بھی اک کام کر لو گے تو کیا ہوگا

ہے تشنگی وہی غمِ اُلفت کی آج تک
قاصد کو بھیجنے سے اُسکی گلی میں حاصل
خالی نہ اپنی بزم رہی دورِ جام سے
خواب میں اکدم خیال اس کا ہوا تھا لب بلب
فلک ہم تو تیرا ابھی شکوہ نہ کرتے
آتے ہی دم نزع مرے پاس وہ بولے
رہ رہ اک کھٹک سی سینے میں ہو رہی ہے
دل تو پہلو سے ہمارے کھو گیا
کہا دل نے یہ مجھ سے کھینچکر خنجر وہ جب آیا
صفِ محشر میں تیرے کشتوں نے
نہ پھرا نامہ بر وہاں سے امیر
روانی سے چلتا نہیں حلق پر
وصل کی رات بھی پہلو ہی بدلتے گزری
تیرے ابرو کی یاد میں اے بت
انصافِ جورِ یار خدا سے طلب کیا
مرا دل دیکھ کر بولی خرابی
وائے قسمت پاؤں اپنے رہ گئے تھک کر امیر
ہم جو رخصت ہوئے اُس بُت سے تو ہنگامِ وداع
خاطر مری صیاد کو ہے سب سے زیادہ
نہ ملا تھا جوابِ نامہ اگر
اس قدر ہے دراز ہجر کی رات

سارا لہو نچوڑ کے میں نے پلا دیا
کیوں خون سر پہ لوں میں اک بندۂ خدا کا
رکھا جو اُس نے ہاتھ سے ہم نے اُٹھا لیا
عمر بھر لذت سے اپنے ہونٹھ میں چاٹا کیا
مگر تجھ کو ڈھب ہی نہ آیا جفا کا
ہم جاتے ہیں یہ حال تو دیکھا نہیں جاتا
شاید ابھی ہے باقی ٹکڑا کوئی جگر کا
دردِ پہلو ہائے تو کیا ہو گیا
تڑپنے تلملانے لوٹنے کا وقت اب آیا
کچھ سمجھ کر مجھے امام کیا
زندگی نے مجھے جواب دیا
تری چال خنجر بھی چلنے لگا
ایک کروٹ دلِ بے تاب نے سونے نہ دیا
ہم نے کعبے کو بھی سلام کیا
تم نے بھی اے امیر بڑا ہی غضب کیا
یہ ویرانہ کبھی آباد بھی تھا
وادیِ مقصود جب دو چار منزل رہ گیا
ہنس کے بولا وہ صنم جاؤ خدا کو سونپا
احسان ہے یہ مجھ پر مری بے ادائی پری کا
آگے قاصد جواب ہی لیتا
پر تڑپنے سے جی نہیں بھرتا

تم تو دوزخ میں نہ جاؤ گے ہمارے بدلے
واعظو وعظ کی مجلس میں تو تھا میں بدمست

خنجر نے ترے دیا نہ پانی
کیوں نہ کٹتی زبان تری اے شمع

اے دل تو اور چار پہ عاشق ہو مجھ کو کیا
مری صورت جو بدلی فرطِ غم سے

کمی گر تیر انیمہ کر جائے گا
سوا اسکے کہ کچھ دل کے تڑپنے میں مزا پایا

وہ بولے بزم میں اغیار سے الگ رہنا
کھیل تھا عمر بھر جو دیکھا تھا

کہتا ہے عشق دیکھ کے میرا چراغ داغ
زورِ جنوں سے ضعف میں ارماں نکل گیا

نہ چونکا مرا بختِ خفتہ امید
اللہ رے ترے وصل کی حسرت کہ جناں میں

میکشوں کا نامۂ اعمال سارا دھو گیا
بادۂ اطہر جسے سمجھے ہوئے ہو زاہدو

بزم میں آکر وہ غیروں پر ستم کیوں کر گیا
نزع میں ہوں ہیں کھوان سے اب آرام کریں

دل مرا ایک قطرۂ خون تھا
اے دل بلائے جا وہ کبھی آ ہی جائے گا

اے جذبِ شوقِ دید کشش میں کمی نہ کر

زاہدو ہم جو گنہگار ہیں پھر تم کو کیا
کچھ اگر ہوش میں ہوتا تو تمہاری سنتا

ترسا ترسا کے مار ڈالا
سوزِ دل کیوں زبان پر لایا

میں نے ترے بھلے کو کہا کیا برا کیا
تو وہ بولے کہ اچھا روپ بدلا

تڑپ کر یہ نخچیر مر جائے گا
مرے پہلو میں رہ کر تو نے اے درد اور کیا پایا

کہیں امیر نہ بیٹھا ہو یاں فقیر بنا
زندگی کیا تھی اک تماشا تھا

روشن ہے اس سے نام مرے خاندان کا
اُٹھا نہ ہاتھ بھی کہ گریبان نکل گیا

پھنکا صورِ محشر زمانہ ہوا
دل کھو لکے جوروں سے بھی لپٹا نہیں جاتا

جو دھواں بھٹی سے اُٹھا ابرِ رحمت ہو گیا
دخترِ رز بھی تو اُسی کا نام ہے اک پیار کا

میرے ہوتے غیر پہ بیداد میں کیا مر گیا
دیکھنا تھا مجھے سو ایک نظر دیکھ لیا

نوشِ جان اُس کو ترے غم نے کیا
دو چار بار کہنے میں شرما ہی جائے گا

جلوہ کسی طرح سے وہ دکھلا ہی جائیگا

بیقراری ایک سی دونوں طرف مقتل میں تھی
نالے کرتے کرتے میں ٹھہرا تو وہ کہنے لگے

قتل کا مژدہ ہی میرا کام آخر کر گیا
اپنے مرنے کا نہیں غم مگر اتنا غم ہے

وہ سرمہ بھری آنکھیں فتنہ ہیں کہ جادو ہیں
ناقوس لیکے جاتے ہو کعبے کو تم امیر

پیئے گا تو بھی تو زاہد وہی جناں میں شراب
فرشتے آکے جہاں میں گنہگار ہوئے

امیر صانعِ قدرت کا کھیل ہے دنیا
نوجوان لوگ کیا نہیں کرتے

دل خون ہو کے میرا کب چھوٹتا ہے اس سے
خزاں نزدیک ہے اب اور رنگ اے باغباں ہوگا

قاتل اک چٹکی نمک دے ڈال اب
کس کس نے ہم کو روکا اُس در پہ ہم جو پہنچے

شبِ وعدہ نہ جھپکی آنکھ تک آرام کب آیا
عاشق ہوئے مگر کچھ اچھا بُرا نہ جانا

خط سنے بے پڑھے قاصد سنائیں سیکڑوں باتیں
دے جلد جام ساقی ٹوٹے خمار میرا

کب انا الحق جرم تھا منصور کا
پیکاں سے ترے دلکو مرے ہے یہ علاقہ

مردے کا زندہ کرنا کیسا تم آپ مرتے
ہم اِدھر تڑپا کیے قاتل اُدھر تڑپا کیا

مرگیا غش کر گیا دیکھو تو چپ کیوں ہوگیا
یہ خبر سنتے ہی میں مارے خوشی کے مرگیا

اے عزیزو ملک الموت نے گھر دیکھ لیا
کتنوں کو لگا رکھا کتنوں کو سلا رکھا

فریادِ اِن بتوں کی کروگے خدا سے کیا
جو میکشوں نے یہاں پی تو کیا گناہ کیا

کیے گناہ جو ہم نے تو کیا گناہ کیا
بنا بنا کے مٹائی ہیں صورتیں کیا کیا

دل لگایا تو کیا گناہ کیا
جب گل کے ہاتھ آکر رنگِ حنا نہ چھوٹا

نہ میں اس باغ میں ہونگا نہ میرا آشیاں ہوگا
زخم کھانے کھاتے تو جی بھر گیا

لغزش نے پاؤں پکڑے دربان نے ہاتھ پکڑا
یہی کھٹکا رہا شب بھر وہ اب آیا وہ اب آیا

ہم دل لگا تو بیٹھے لیکن لگا نہ جانا
جو پڑھ لیتا کہیں خط تو خدا جانے وہ کیا کہتا

تیار ہے جماعت ہے انتظار میرا
دیکھنے والا تھا کس مغرور کا

جب تیر کھنچا ساتھ کلیجا نکل آیا
مرنے کا کچھ مسیحا تم نے مزا نہ جانا

اُلجھن ہے کب سے مجھکو نکل بھی چکے کہیں — کمبخت دم تو جان کا جنجال ہوگیا

ناقے کے پاؤں تھک گئے قسمت قیس کی — جب تھوڑی دور نجد کا میدان رہ گیا

دل بوند بھر لہو ہے پر جب یہ مضطرب ہو — اُسوقت رنگ دیکھو اس بوند بھر لہو کا

مست ہیں حلقہ کیے ایک سا ہے سب پہ کرم — دَورِ ساغر ہیں سبو پیرِ مغاں بن بیٹھا

مہمانِ امیر تم ہو ورنہ — وہ خانہ خراب گھر میں ہوتا

اوڑھی جو تھی دولائی چلنا نہ تھا اُبھر کر — جوبن چھپایا تم نے لیکن چھپا نہ جانا

کہتے تھے دل کسی سے لگاؤ نہ اے امیر — دیکھو تو چار روز ہیں کیا حال ہوگیا

مجھ کو دیکھا تو آئینے نے کہا — ہائے کیا حال ہوگیا تیرا

سنا ہے کل کہیں مسجد میں وہ بت آیا تھا — نماز ہو نہ سکی اس قدر ہجوم ہُوا

قتل سے ہم رہے محروم گری ہاتھ سے تیغ — ہائے اس آنکھ سے جلاد کو کیوں دیکھا تھا

اُٹھتا نہیں ہے شور جو بازار میں کہیں — کیا آج امیرِ مست سے اُٹھا نہیں گیا

ق

تو مجھ سے نہ مل خیر مجھے بھی نہیں پروا — ڈھب تیرے جلانے کا یہ اے یار کرونگا

تصویر تری لاکے میں اب سامنے تیرے — چھاتی سے لگاؤنگا اُسے پیار کرونگا

نالے بھی سماتے نہیں اس چرخ کے نیچے — کیا تنگ ہے اللہ مصیبت کدہ اپنا

قیامت کا اگر ڈر ہے تو یہ ہے — کہ ہے ہم کو پھر جینا پڑیگا

بولے وہ گلی میں اپنی مجھ سے — او خانہ خراب اپنے گھر جا

ملک دیتا تھا فلک جاگیر میں ہم نے مگر — مختصر سا ایک تختہ بہرِ مدفن لے لیا

رُخ جو قاتل اِدھر نہیں کرتا — ہائے دل بھی جگر نہیں کرتا

ذکرِ شبِ فراق میں کہتا ہے دل میرا — لو میرے آگے نام نہ اُس روسیاہ کا

اُس بتِ تندخو کو رام کیا — آفریں اے امیر کام کیا

سوال خون کا اپنے کریں گے تجھ سے ہم — جواب غمزۂ حاضر جواب کیا دے گا

اظہار حال حشر کے دن کچھ نہ ہو سکا
بہت غم نہ کھا عشق کا اے امیر
تیری لکنت پہ فدا سو جان سے دل ہو گیا
وہ آئے کھینچکے تلوار سب کو شاد کیا
کھل گیا زاہد کہ مستوں پر خدا کا رحم ہے
غم اس کا حسرتوں سے پوچھتا ہے میرے سینے میں
وفا تو یار نہیں چاہتا ہوں میں تجھ سے
مجھسے ہو سکتا کہ دیتا بازوِ قاتل کو رنج
یار آیا ہے مرے مرودے پر
ڈوب کر خوب خون چکاں نکلا
کل ذرا چپکے پاس آ کے جو بیٹھا ناصح
مدت ہوئی کہ غم سے خون ہو کے بہ گیا دل
حضرتِ عیسیٰ ابھی کیا دیکھتے ہو میری نبض
کچھ آج نہیں رنگ یہ افسردہ دلی کا
سنوارا ہے اگر اس کو لحاظ اتنا بھی تو رکھنا
دلبری سے کام ہے ہم کو دل آزاری سے کیا
شمع کی طرح جلا بھی میں پھنکا بھی لیکن
بیقراری نے بدلوائی تو کروٹ بدلی
میں دل لگا گئے تو سنتا ہوں کیا کروں ناصح
ٹوٹ کر کس کان سے موتی کا دانا گر پڑا
ضعفِ دل نے اثر یہ دکھلایا

قصہ مرا طویل زمانہ قلیل تھا
تجھے کوئی آزار ہو جائے گا
تو نے آدھی بات کی میں نیم بسمل ہو گیا
امیر آج بہت ہم نے تم کو یاد کیا
ابر جب قبلے سے اٹھا میکدے پر چھا گیا
کہاں ہے وہ جو دل نام اک یہاں بیمار رہتا تھا
جفا میں نہ تو کسی کو شریک کر میرا
واں ہوئی ابرو کو جنبش یاں بدن پر سر نہ تھا
ہائے اس وقت میں زندہ نہ ہوا
تیرے دل کا مزاج بدال نکلا
میں یہ سمجھا کہیں کمبخت اسے دیکھ آیا
صدقے کیا تھا صاحب تم سے عزیز کرتا
پہلے اس کو دیکھ آؤ پھر مجھے تم دیکھنا
مدت سے یہ حال ہے یارو مرے جی کا
اب اے مشاطہ آئینہ نہ اسکے روبرو رکھنا
یار کی یاری سے مطلب اسکی عیاری سے کیا
عمر بھر رشتۂ الفت مری گردن میں رہا
دردِ دل نے جو مدد کی تو میں بستر سے اٹھا
ترا کلام ہی دل میں اثر نہیں کرتا
ڈھونڈھتے آنکھوں سے جب سارا زمانہ گر پڑا
درد سے کبھی اٹھا نہیں جاتا

آوارہ پھر رہا ہے محبت کی راہ میں
چکر لگا رہی ہے جو بجلی چمن کے گرد
ہزاروں اُس سے سوا بے نشان ہیں لیکن
لاکھوں اُس لیلیٰ کے دیوانے تھے ان میں عشق نے
بہا خون ہو کر جو ٹھوکر سے بولے
ہم مر گئے تو واہ ری بدنامیوں کا پاس
دیکھ کر عکس آئینے میں کہا
بارہا رکھی ہے اُس نے خنجر پر
دل میں ہیں حضور وہاں غم کا کام کیا
جو ہے مقام جس کا زیبا وہی ہے اُسکو
بولے وہ سنکے رات کو میری صدا امیر
یوں ترے در پے کیوں پڑے رہتے
تو ہی بنا ٹھکانا اے باغباں ہمارا
تپ غم ہوتی تو بھی معشوق ہم کو
روز محشر سے ڈرایا ایک دن ہیں نہیں
پڑ گیا ہے کوئی ناسور جگر میں شاید
پہلے تو کوے یار میں تنہا امیر تھا
بتکدے ہیں اب صنم خوش باس
چھو گئی بو جہاں محبت کی
قتل جو زی کا تو شرعاً ہے درست
زلف و رخ دونوں نے مجھ پر ستم ایجاد کیا

اک دل دیا تھا ہمکو خدا نے سو یوں گیا
نذرِ نظر ہوا ہے مرا آشیانہ کیا
نکل گیا ہے زمانے میں نام عنقا کا
ایک مشتِ استخوان کا نام مجنوں رکھدیا
مصیبت کا مارا یہ دل تھا کسی کا
مٹوا دیا نشان ہمارے مزار کا
یہ تو کچھ صورت آشنا نکلا
ہائے اس وقت مجھ میں دم نہ ہوا
ہو جس جگہ سرور وہاں غم کا کام کیا
سینے میں داغ بہتر پہلو میں درد اچھا
پوچھو تو کوئی نام ہے کیا اس فقید کا
ہم غریبوں کا گھر اگر ہوتا
کس شاخ پر چمن میں تھا آشیاں ہمارا
تری گرمیوں نے ہمیں مار ڈالا
ہنسکے بولے وہ بھی اک فتنہ ہے اپنی چال کا
کہ مری آنکھ سے کل شب کو لہو بھر آیا
نکلا جو گھر سے یار تو جسمِ غفید تھا
گھر تو اُن کا خدا کی نذر ہوا
رنگ پھر ڈر سے منہ نہیں چڑھتا
ناصح اب تنگ کیوں سلامت رہ گیا
اسنے حیران کیا اُس نے پریشان کیا

کھٹکتے ہیں جو رہ رہ کر ترے تلووں میں ای رہرو
جو میرے قتل کو تلوار لے کے یار آیا
شوق سے میں نے جو خنجر کے تلے سر رکھدیا
داغ نے پھونکا ہمارے خانہ دلکو امیر
یارب شب فرقت بھی ہوئی ہے کہیں آخر
بازو پہ رکھ کے سر جو وہ کل ساتھ سو گیا
گل خود تھے بے ثبات گلستانِ دہر میں
ضبط کرتے ہی اثر نالوں کا ظاہر ہو گیا
تم جو پہلو سے اُٹھے دل سے نہ صدمہ اُٹھا
وحشت کا سلسلہ نہ گیا ہاتھ سے کبھی
گلگشت کی نہ دے مجھے تکلیف ہمصفیر
تھے اشک حسرت جہاں ہجر میں
نہیں تو نے دیکھا ہے اُس بت کو زاہد
دلمیں مضمون تھا جو اُس شوخ کے ظاہر نہ ہُوا
کچھ اس ادا سے مارا مجھ کشتۂ ادا کو
عشق نے روز دکھایا تھا امیر
چپکا بیٹھا ہُوا ناصح کی میں باتیں سُنتا
بڑھا مستِ شرابِ شوق ہو کر وصل میں جب میں
مر گئے اس شوخ سے وصال رہا
کرتے تو کیا قتل مجھے یار نے لیکن
ایسے کا کیا کرے کوئی دربار اے امیر

عوض لیتے ہیں کانٹے تجھسے اپنی پائمالی کا
لپٹ گیا مجھے بے اختیار پیار آیا
چھیڑنے کو ہاتھ سے قاتل نے خنجر رکھدیا
ایک چنگاری نے سارا گھر جلا کر رکھ دیا
اس شام نے بھی منہ کبھی دیکھا ہے سحر کا
آرام یہ ملا کہ مرا ہاتھ سو گیا
گلچیں غریب مفت میں بدنام ہو گیا
بول اُٹھے گھبرا کے ہے ہے لو وہ آخر ہو گیا
درد پہلو میں یہ اُٹھا کہ میں چلا اُٹھا
دامن سے ہاتھ اُٹھا تو گریباں میں جا پڑا
کیا دل گرفتگی میں مزہ سیر باغ کا
وہیں خشک میرا لہو ہو گیا
یہ ایمان ہر گز سلامت نہ رہتا
رہ گئی مجھ کو یہ حسرت کہ وہ شاعر نہ ہُوا
مقتل میں ہر طرف تھا اک شور آفریں کا
کوہکن کو ہکنی کیا کرتا
پر ترا ذکر تھا اے یار میں کچھ کہہ نہ سکا
تو وہ بولے پیے ہو آج تم مجھ سے الگ رہنا
خواب میں بھی وہی خیال رہا
رو رو کے مرے خون کو تلوار سے دھویا
دو دن جہاں سلام کیا وہ بگڑ گیا

چلے جو آگے بتانے تری گلی کی راہ
میں آج خضرؑ سے بھی سخت بدگمان ہُوا

زیرِ شمشیر بھی نظارۂ قاتل نہ ہُوا
خوب اے حسرتِ دیدار مرا ساتھ دیا

کھینچتا ہوں میں تصور میں اگر ہاتھ اُن کا
کھنچکے کہتے ہیں کہ ہے ہے مرا پہنچا ٹوٹا

امتحان گاہِ محبت میں تھے سب ثابت مگر
دو قدم جو بڑھ گیا میدان اُسکے ہاتھ تھا

ذرا چشمِ تر کو اشارہ کیا
کہ دریا نے ہم سے کنارہ کیا

شکوہ زبان پہ آ نہ سکا رنج ہجر کا
اک بوسہ دیکے اُس نے مرے منہ کو سی دیا

جنت کا نہ میں خواہاں حور و نکا نہ میں طالب
بوساوہ قد ہوتا چھوٹا سا مکان ہوتا

پٹ کی اوجھل سے قیامت ہے اشارے کرنا
تھرے بیٹھ کے کھڑکی سے نظارے کرنا

سمجھے کہ عرضِ حال کریگا ضرور امیر
دربار اُسکے آتے ہی برخاست کردیا

ازل کے دن کوئی نادان تھا نہ دانا تھا
فقط امیر عنایت کا کارخانہ تھا

باغباں کہتا ہے سُن سُن کر فغانِ عندلیب
پھونکدے اے آتشِ گل آشیانِ عندلیب

باغبان بیداد گر گل بیوفا گلچیں رقیب
یارب اپنا دردِ دل کسکو سنائے عندلیب

بند گئی اُس گل کی یہ نازک مزاجی کی ہوا
پھر گئی منقار تک آکر صدائے عندلیب

گلوں سے لگی سارے گلشن میں آگ
الٰہی کہاں جائے بلبل غریب

میرے حق میں ہر طرح ہے یار کی چتون غضب
قہر کی چتون ہے آفت پیار کی چتون غضب

دیکھ سکتا ہوں نہ میں انکو نہ وہ مجھ کو امیر
گھر کے اندر ہیں وہ بیتاب میں باہر بیتاب

شمع پر گزری ہے جو شب تا سحر
مختصر سی ہے ہماری سرگزشت

دم بھر ٹھہر میں ہاتھوں سے دلکو سنبھال لوں
بیدرد میرے سینے سے پیکاں ابھی نہ کھینچ

ہنسکے رونے پر مرے کیسا کیا مجھ کو خجل
بہ گیا میں پانی پانی ہوکے آنسو کی طرح

اب یہ عالم ضعف کا ہے میں جو روتا ہوں امیر
ساتھ ہر آنسو کے گر پڑتا ہوں آنسو کی طرح

لیل و نہار وصل دکھاتا ہے تو دکھائے
کیسی یہ آسمان نے لگائی ہے شام صبح

ہماری راے میں بہتر ہے میکشی کو صباح
دعویٰ ہے گو کہ بیگنہی کا امیر کو
نہیں ہیں پتلیاں آنکھوں میں اُس کی
بوسہ اُس لب کا ملا پائی مراد
کہتے ہیں کشتۂ رفتار سے وہ ٹھکرا کر
تجھ کو بھیجا تھا کس لئے قاصد
کرتے ہیں ڈرتے ڈرتے اُدھر اک نگاہِ شوق
کچھ ایسی بے خبری چھا گئی ہے الفت میں
ہیں قریبِ صحنِ گلشن ہم اسیروں کی قفس
آئے بہت جو یاد پسِ مرگ میرے داغ
آیا جو یاد سونا اُس سے چمٹ چمٹ کر
آنکھیں تو میری ملتے ہوا یجان پاؤں سے
اسطرف ہم اسطرف دل بیچ میں ہی چشمِ تر
سمجھے جو اُسکو سایۂ دیوار یار ہم
ناتوانی نے زور کام کیا
میں وہ گل ہوں اس چمن میں باغباں
مشکل سے ذبح ہو گا بڑا سخت جان ہوں میں
عقل کہتی ہے کہ وہ وحشی ہے پہلے رام کر
قتل کر پر اک ذرا اے تیغ یار
دھوم کرنا ہے جو اے وحشت تو خاطر خواہ کر
عشق کے نام سے معشوق کو ہونا ہے گریز

اب آگے قاضی و مفتی و محتسب کی صلاح
بیٹھا ہے تیرے آگے گنہگار کی طرح
بے در پردہ ہیں دو فتنے نظر بند
منہ کی مانگی آج ہاتھ آئی مراد
کھولدے آنکھ اگر ہے مری رفتار پسند
بات کا تو جواب دے قاصد
جب خوب دیکھ لیتے ہیں پہلے ادھر اُدھر
نہ دل کو میری خبر ہے نہ مجھ کو دل کی خبر
دیکھ لیتے ہیں کبھی پھولوں کا جوبن جھانک کر
دو پھول اُٹھا کے پھینک دیے میری گور پر
تکیوں سے شب میں رویا کیسا لپٹ لپٹ کر
نرگس کو احتیاط سے رکھتے ہو طاق پر
ہم سمندر کے اِدھر ہیں دل سمندر کے اُدھر
اُٹھا گیا نہ سایۂ طوبےٰ میں بیٹھ کر
چڑھ گئے یار کی نگاہوں پر
پھینکدے گلچیں بھی جس کو توڑ کر
کرتا ہے مجھ کو ذبح تو تلوار تیز کر
شوق کہتا ہے ابھی سے وصل کا پیغام کر
آشنا نا آشنا پہچان کر
شہر گردی کب تلک صحرا سے بھی کچھ راہ کر
جی میں ہے آج سے عاشق ہوں شب فرقت پر

ذرا نظارۂ گل بلبلِ بے بال و پر کرلے
بٹھا دے ایکدم صیاد اسے دیوارِ گلشن پر

گھر بیٹھے ہی رقیب کو مجھ سا سمجھ لیا
باہر تو گھر سے آ کبھی تلوار کھینچ کر

زرغہ ہے حسرتوں کا دلِ داغ داغ پر
گرتے ہیں جس طرح سے پتنگے چراغ پر

گرتی نہیں ہے اوس یہ آنسو ہیں اے فلک
روتی ہے رات بھی مرے بختِ سیاہ پر

جانے دے اُس بُت کو ضبطِ نالہ و فریاد کر
اتنی بے صبری نہ کر اے دل خدا کو یاد کر

بھیڑ میں پڑ جائے تا آنکھ اُس رُخِ پُرنور پر
چڑھ کے بیٹھے ہیں کلیم اللہ کوہ طور پر

تو آسمان توڑ چکا اب بہت نہ بڑھ
اے نالہ آگے جائے ادب ہے خدا سے ڈر

مسافر سے جھگڑتے ہیں فرشتوں سے خدا سمجھے
گھڑی بھر چپ پڑا رہنے نہیں دیتے ہیں منزل پر

جان اگر دیتی نہیں ہے ساقیِ گلفام پر
کیوں لہو روتی ہے منہ رکھ کر صراحی جام پر

صیاد یہ ستم تو برائے خدا ہم نہ کر
بے بال و پر ہوں میں ابھی مجھ کو رہا نہ کر

کوئی جوبن پر ہے عاشق کوئی اسکی گات پر
کچھ نہیں کھلتا کہ ہم دیوانے ہیں کس بات پر

پس مردن یہ بخشا ہم کو رتبہ بیقراری نے
چھپے ہم خاک کے نیچے گئے افلاک کے اُوپر

اے یار بات بات پہ ہوتا ہے اب بگاڑ
غصّہ ہے قہر غمزہ ہے آفت غضب بگاڑ

کیوں نہ ہو دریا کے پانی میں یہ توڑ
ہے مرے ہی آنسوؤں کا تو نچوڑ

فصلِ گل آ گئی شاید کہ صبا گلشن سے
برگِ گل لیکے چلے مرغِ گرفتار کے پاس

نکلے اب کوئی تو راہِ پرورش
بندہ پرور اک نگاہِ پرورش

اب نہیں وہ شعر بھی یاد اے امیر
تھے کبھی دیوان کے دیوان حفظ

دیکھ کر گستاخیِ پروانہ شرماتی ہے شمع
تھوڑی تھوڑی کیسی محفل میں ہوئی جاتی ہے شمع

مجلس میں بیان سوزِ دل کا
جلجائے تری زبان اے شمع

مدد اے وحشتِ دل دونوں ہم یکرنگ ہو جائیں
پھٹے جب دم گریباں چاک پہنچے انکے دامن تک

ایک قطرہ خون ہے دل پر وہ قطرہ ہے امیر
غوطے کھاتے پھرتے ہیں جسمیں دو عالم آج تک

اے غم تری اب خوشی کہاں تک
دیکھ کر تیغ مجھے غش نہیں آیا قاتل
سارا ہے چمن مکانِ بلبل
قفس میں آج بہت بیحواس ہے بلبل
استخوان پہلو کے میرے سونگھ کر بولا ہما
روتے ہیں صیاد گلچیں ہے خزاں سارا چمن
بگڑا ہوا گلوں کو چھپاتا ہے رنگ دل
محفوظ کوئی سختی ایّام سے نہیں
جلد کیسے گذر گئی شب وصل
مستی میں بہک کے کعبے پہنچے
یہاں خمار محبّت وہاں ہے نشۂ حسن
چھپ گئے پہلے تو مجھ کو دیکھ کر
ہے یہ کس چشم سیہ کا دَور دَور
پہنچے سب منزل پہ جتنے تھے ہمارے ہمنفس
ترو ستی مژگانِ ستم کیش تو دیکھو
رات دن رونا تڑپنا تلملانا پیٹنا
بہار آئی جنوں کیا میں جاؤں گلشن میں
تجھ سا دیکھا نہیں جواں کوئی
مر گے بھی یار کا دم بھرتے ہیں
جان من وہ دل کے لے لینے کی راہیں اور ہیں
کیا ہے میں نے جب اظہارِ شوق گل اسیری میں

کمبخت لہو تو ہو گیا دل
سجدۂ شکر کہ سر میں نے جھکایا قاتل
ہر شاخ ہے آشیانِ بلبل
گلوں کی خیر ہو یا رب اداس ہے بلبل
کسطرح کھاؤں نہیں آتی ہے ان سوختہ دل
اکطرف ہے ہائے بلبل اک طرف ہے ہائے گل
غنچے کی طرح باغ میں ہوتا ہے تنگ دل
عشاق سخت جان ہیں تو معشوق سنگدل
ادھر آئی اُدھر گئی شب وصل
جانا تھا کدھر کدھر گئے ہم
نہ اختیار میں تم ہو نہ اختیار میں ہم
پھر کہا لو کس سے شرماتے ہیں ہم
سرے کی صورت پسے جاتے ہیں ہم
المدد اے تیز رفتاری رہے جاتے ہیں ہم
ہر ہاتھ میں سو وار ہیں ہر وار میں سو زخم
ہیں تو ہم ناکام پر رہتا ہے کاموں کا ہجوم
نہ تار میرے گریبان میں ہے نہ دامن میں
اچھے اچھے جواں دیکھے ہیں
زندۂ عشق کہیں مرتے ہیں
جن کو آنکھیں ڈھونڈھتی ہیں وہ نگاہیں اور ہیں
مرے صیاد نے بیر پر و نکے پھول کترے ہیں

دل ویران مرا آباد رہے
ایسے ویرانے کہاں ہوتے ہیں

اتنا متاع جان پہ تفاخر نہ چاہیئے
اے دل یہ جنس کونسی بازار میں نہیں

ہمیں لیگئی بیخودی دُور امیر
خدا ہی ملائے تو اب ہم ملیں

سگ نے ہمارے کیا ہے کرم تو عذر ہے کیا
جلی بھنی ہوئی ہیں ہڈیاں سو حاضر ہیں

خدا دراز کرے عمرِ برق اے گلچیں
چراغ آ کے جلاتی ہے آشیانوں میں

شیخ جی مر گئے ہیں اُن کے مرید
حبسِ دم کا گمان کرتے ہیں

اوّلِ عشق میں بس رونے لگے تم تو امیر
نہ ابھی نالے کیئے تم نے نہ آہیں کھینچیں

مفر نہیں ہے لحد میں بھی وحشت دل سے
ہم اب یہاں سے الٰہی کہاں نکل جائیں

تجھے کیا ہم جو وصف ساقیِ گلفام کرتے ہیں
تو اپنا کام کر واعظ ہم اپنا وعظ کرتے ہیں

وصل کو ان سے جو کہیے تو کریں وعدہ حشر
کیجیئے قتل کی خواہش تو ابھی حاضر ہیں

پاس اخفائے محبت ہے یہانتک کہ امیر
دل بھی میرا مری حالت سے خبردار نہیں

ہزار طرح کے ہوتے ہیں وہم ہم کو امیر
کسی کی آنکھ جہاں ہم پُر آب دیکھتے ہیں

یار کے اُٹھتے ہی برہم ہو گیا سامانِ عیش
مے کہیں مینا کہیں ساقی کہیں ساغر کہیں

امیر دیر و حرم سے الگ جو جاتے ہیں
وہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بناتے ہیں

وفا کا وعدہ وفا ہو یہ غیر ممکن ہے
جفا کا وعدہ تو اب تک وفا ہُوا ہی نہیں

بلبل آوازِ اسیرانِ قفس کو نہ سُنا
صحبتیں اگلی چمن کی انہیں یاد آتی ہیں

عجب دریائے حیرت میں پڑا ہوں
میں کس نا آشنا کا آشنا ہوں

ہو کے خوش نالۂ بلبل پہ جو گل ہنستے ہیں
وہ تری پیار کی باتیں مجھے یاد آتی ہیں

نہیں پروا کسی کو کارروان میں
الٰہی کیا میں فریادِ درا ہوں

اُس کوچے میں جب ٹھوکریں کھاتا ہی گیا ہوں
لغزش سے گرا ہوں طپش دل سے اُٹھا ہوں

زاہد و غافل نہیں اُس سے صنم
بن گئے ہیں بت خدا کی یاد میں

سُنتی نہیں ہائے عمرِ رفتہ
اِک عمر سے ہم پکارتے ہیں

راحت کو ڈھونڈھتا ہے عبث تو جہان میں
اِس کا زمین میں ہے نہ پتنا آسمان میں

دینی نہ تھی کسی کو جو اے آفریدگار
پیدا ہی کیوں کیا تھا خوشی کو جہان میں

مرا خط اُسنے پڑھا پڑھکے نامہ بر سے کہا
یہی جواب ہے اس کا کہ کچھ جواب نہیں

کبھی ہم تک نہیں آتیں جو دل کا حال دکھلائیں
وہ نظریں سیر کرتی ہیں مژگاں نکے سائے میں

پھولوں سے کہہ صبا یہ خوشی کی جگہ نہیں
رونے کا ہے مقام ہنسی کی جگہ نہیں

اُس خرابے میں ہم پڑے ہیں امیر
کہ جہاں خاک بھی نہیں کوسوں

اے صبا جاکے اسیرانِ قفس سے کہدے
موسمِ گل ہے اب آکر چمن آباد کریں

اتنی فرصت ہمیں دے اے کششِ دستِ جنوں
تھم کے دو چار گھڑی خاطرِ صیاد کریں

نامہرباں ہے یار تو اُس کا نہیں قصور
یہ مہربانیاں بھی کسی مہرباں کی ہیں

ہجر میں اظہار تنہائی کا کرتا ہوں جو میں
حسرتِ دیدار کہتی ہے کہ میں تو ساتھ ہوں

ادبِ عشق بُتا مجھ کو جو مرضی ہو تری
خواب میں بھی میں اُسے پیار کروں یا نہ کروں

تنہائی میں نہ رونے نہ گانے کا لطف ہے
اک تان تم اُڑاؤ تو اک نالہ ہم کریں

صورت کو اُسکی دیکھ کے سمجھے ہو تم غریب
تم سے کبھی امیر سے باتیں نہیں ہوئیں

ڈراؤں حشر کی فریاد سے تو کہتے ہیں
ہمارے آگے تمہاری وہاں سنے گا کون

اپنے گھر بیٹھے وہ آرام سے کرتے ہیں بسر
دیکھ کر حال مرا ضبط کریں تو جانوں

غم نہ اُس کا جائے دل سے خوش ہوں میں
دل کے جانے کا مجھے کچھ غم نہیں

کوٹھے سے اُتر کر پہنچے بھی اپنے گھر میں
آنکھیں ہماری اب تک چھت سے لگی ہوئی ہیں

نگاہیں حیا سے کہاں پھر چلیں
ادھر دیکھیے پتلیاں پھر چلیں

گھر میں اللہ کے واعظ ہیں تو یہ کچھ ہی کلام
میکدے میں ابھی آئیں تو ہماری سی کہیں

پڑ گیا پھول کوئی آتشِ گل کا شاید
آشیانے جو عنادل کے پڑے پھنکتے ہیں

گھات میں محتسب کو رہتے دو
نہ عارض نہ زلفِ دوتا دیکھتے ہیں
کیا پھر تو نے اُس کا نام اے دل
کسیکا دل ہے مکدر ضرور مجھسے امیر
اے صنم اب ترا خدا حافظ
امیر مرنے کو آسان نہ ہجرِ یار میں جان
تواو ب سے جیسے کہتا ہے صمد اے زاہد
آتے ہیں جانبِ زنداں جو وہ مر لیتے ہیں
لگا کر تجھ سے دل حاصل ہُوا یہ اے وفا دشمن
اشک سے جب دیکھیے معمور ہیں
مانگتا ہوں خدا سے روز شراب
کناتے جانتے ہیں آپ کی گھاتیں سمجھتے ہیں
لذت جو خامشی میں ہے کیونکر عیاں کروں
برچھیاں جب اُدھر سے چلتی ہیں
یہ تیلیاں نہیں ہیں لوہے کی ہمصفیرو
کرتے ہیں بندگی پیرِ مغاں
وہ بت آئیگا تو بت بنجائیگا واعظ ابھی
ایک بھی مانتا نہیں وہ بت
نہ تڑپوں جو فرقت میں تو کیا کروں
کوئی مجھ کو لیے جاتا ہے کہیں
راہ صحرا کی جو ہم لیتے ہیں

مست بھی ہوشیار رہتے ہیں
خدا جانے ہم تجھ میں کیا دیکھتے ہیں
ارے ظالم ابھی سمجھا چکا ہوں
کہ اک غبار سا رہتا ہے میری آنکھوں میں
ہم تو کعبے کی راہ لیتے ہیں
اٹک اٹک کے نکلتی ہے انتظار میں جان
اس کو پیار سے ہم لوگ صنم کہتے ہیں
اچھی آپ اپنے اسیروں کی خبر لیتے ہیں
زمانے بھر کا ہیں دشمن زمانہ بھر مرا دشمن
دونوں آنکھیں ہیں کہ دوناسور ہیں
میں بھی کیا رندِ پاک طینت ہوں
زمانہ ہم نے دیکھا ہے یہ سب باتیں سمجھتے ہیں
قابلِ بیاں کے جو نہ ہو کیا بیان کروں
دل کی کیا حسرتیں نکلتی ہیں
چھُریاں لگی ہوئی ہیں چہار و نطرف قفس میں
مغبچے کیا جوانِ صالح ہیں
حاکموں کے سامنے چلتی ہیں تقریریں کہیں
ہم خوشامد ہزار کرتے ہیں
کہ بے شغل رہنے کی عادت نہیں
نہیں معلوم کہاں جاتا ہوں
جتنے کانٹے ہیں قدم لیتے ہیں

ڈوبنے لگتا جو میں دریا میں ہوں ناتواں — چھوٹی چھوٹی کشتیاں لے لیکے موجیں دوڑتیں

جب میں کہتا ہوں کہ ساحل تک مجھے پہنچائے کون — خضر کہتے ہیں کہ اس دریا کا ساحل ہی نہیں

ہم کو فرداے حشر کا کیا غم — کہ شب ہجر کی سحر ہی نہیں

پکاروں کسے کاروان میں امیر — جرس بھی تو آواز دیتا نہیں

ہو کوئی گاہک تو سودے کا امیر — کون سے بازار میں سودا نہیں

ہنس تو پڑتے ہیں مرے رونے پر — شکر ہے گریہ بے اثر تو نہیں

ایسی راحت ملی قناعت میں — سو گئے پاؤں کنج عزلت میں

میں کہتا نہیں منہ سے کچھ مر رہا ہوں — غم عشق تیری خوشی کر رہا ہوں

مزہ ملا مجھے یہ دل کی بیقراری میں — کہ بھر رہا ہوں نمک اپنے زخم کاری میں

کرتے ہیں جو لوگ ذکر اُن کا — ایک ایک کا منہ میں دیکھتا ہوں

دم لے نہ ابھی پوچھ مرے درد کو ہمدم — رونے سے جو دل ٹھہرے تو کچھ بات کروں میں

ان حسینوں کی ہے عجب سرکار — پاؤں چھونے پہ ہاتھ کٹتے ہیں

کریں نہ قتل وہ عشق و ہوس کو جان تو لیں — کمر سے کھینچ کے شمشیر امتحان تو لیں

نفرت ہے روک ٹوک سے اپنی سرشت میں — رضوان کو دیکھ کر نہ گئے ہم بہشت میں

پاؤں اُس کے نہیں دباتے ہیں — اُس پر اپنا دباؤ ڈالتے ہیں

اس سے رشک اُس سے ضرر دونوں خدا کے نیک ہیں — راہنما رہزن تمہاری راہ میں سب ایک ہیں

مرے گھر خواب میں آئے تھے اک دن — اِدھر منہ کر کے اب سوتے نہیں ہیں

لیا ہے غیر نے بوسہ اُسی کو گالی دو — خفا ہو مجھ سے نہ لینے میں ہیں نہ دینے میں

نالہ اگر کرے تو سمجھ بوجھ کر کرے — بلبل سے کہدے کوئی کہ ہم بھی چمن میں ہیں

میں خدا کے سامنے کہدونگا زاہد تو تو کیا — پارسا بُت دوسرا ساری خدائی میں نہیں

رات دن غم پہ غم گزرتے ہیں — ہم تو اس زندگی پہ مرتے ہیں

میکدے میں کہیں پڑے ہوں گے
صیاد سے چھری کے تلے عندلیب نے
عاشق ڈرائیں گے اُسے کہہ کر یہ حشر ہیں
محتسب جام مے تو ٹوٹے ہیں
ہمارے سامنے بڑھ بڑھ کے ہوتا ہے بہت
دیکھنا لغزش نہ کھانا واعظو
امیر وادی غربت میں تا کجا گردش
لیں بلائیں جو وصل میں تو کہا
اے چرخ یہ اپنے حوصلے ہیں
تڑپا میں بہت تو ضعف بولا
کشتہ اک پردہ نشیں کا ہوں فرشتو نسی کہو
عکس اپنا آئینے میں دیکھ کر کہتا ہے یار
کس کے غم میں اجل آئی کہ مرے ماتم میں
بحث تنگی میں دہن کے کیوں ہی کچھ حاصل نہیں
دعائیں میں نے ان کو دیں تو بولے
کیا تڑپ کر لوٹ کر اوقات کاٹی ہجر میں
آمد ہے فصلِ گل کی جلدی امیر اُدھیڑو
بے تکلف ہو تو ہم شعر و سخن پر غش ہیں
تڑپے کس طرح یادِ قاتل میں
کیونکر تری گلی سے میں قاتل ابھی اٹھوں
محشر میں بھی دیوانوں کو پوچھا کسی نے

شب جمعہ ہے آج امیر کہاں
حسرت سے یہ کہا کہ غریب الوطن کہاں ہیں
کیوں اے صنم خدا سے ترا اب گلہ کریں
میکشوں کے نصیب پھوٹے ہیں
ملے وہ اب کے تو ناصح کو سامنے کر دیں
پی کے ہم آئے ہیں بزم وعظ میں
بہت سفر میں رہے اب چلو وطن دیکھیں
بس انہیں ہاتوں سے میں چڑھتا ہوں
اک دل ہے ہزار آبلے ہیں
اللہ اب تک یہ حوصلے ہیں
میرے تابوت سے دو چار قدم دور رہیں
دیکھنے والوں سے خلوت میں کبھی پھٹکارا نہیں
بال کھولے ہوئے فردوس سے حوریں آئیں
کس کے منہ لگتے ہو تم غنچہ تو اس قابل نہیں
ابھی یہ گالیاں کس پر پڑیں تھیں
کروٹیں لے لیکے ہمنے رات کاٹی ہجر میں
ٹانکے جو چاک دل میں دو چار رکھتے ہیں
کوئی معشوق ہو بے ساختہ پن پر غش ہیں
جان بھی ہے کہیں مرے دل میں
مٹی میں مل تو لوں میں لہو میں نہا تو لوں
آگے گی خدا جانے ابھی تک تو بچے ہیں

سراپا آرزو ہوں کیا نہ مانگوں اور کیا مانگوں
خدا سے گر دعا مانگوں دلِ بے مدعا مانگوں

فصلِ بہار آئی گلشن مہک رہے ہیں
ہر شاخِ گل پہ کیا کیا بلبل چہک رہے ہیں

دشمن ہیں بات بات میں وہ بدگمان ہیں
ظاہر میں دیکھیے تو بڑے مہربان ہیں

باوفا بیوفا سب زیرِ خنجر ہیں وہاں
آشنا نا آشنا دونوں برابر ہیں وہاں

دو باتیں ہیں دن ہو رہیں دونوں کے مقرر
تم آؤ گے کس دن مجھے بلواؤ گے کس دن

دیکھا ہے کسے راہ میں ہمنے کہ نہیں ہوش
گھبرائے ہوئے پھرتے ہیں گھر بھول گئے ہیں

ساقی میں تیری نرگسِ میگوں کا مست ہوں
توبہ کا نام لیں مرے دشمن بہار میں

سخت جان مجھ کو سمجھ کر قتل وہ کرتا نہیں
میرے مرنے کی جگہ ہے یہ کہ میں مرتا نہیں

زہے نصیب خوشا بخت اگر قیامت میں
گناہگاروں میں تیرے شمار ہم بھی ہوں

جوشِ جنوں کا اب کوئی سامان ہی نہیں
وہ ہاتھ ہی نہیں وہ گریبان ہی نہیں

خم کے خم صاف جو کر جاتے تھے دو باتوں میں
ذکرِ خیر آج تک اُن کا ہے خراباتوں میں

ہدفِ تیرِ مژہ کر کے وہ کہتا ہے امیر
تیر کس نے تیرے سینے پہ لگائے دیکھوں

تابِ طاقت تو مری رہ گئی کوچے میں ترے
گھر تلک اپنے میں اب جاؤں تو کیونکر جاؤں

خطِ طویل یار کو میں نے لکھا مگر
مطلب کو دیکھیے تو کہیں کچھ پتا نہیں

معشوق ہو حسین کہ ساقی ہو نازنین
دل میں مزہ نہیں تو کسی میں مزا نہیں

باطن کو دیکھیے تو سراپا فریب و مکر
ظاہر کو دیکھیے تو وہ کچھ جانتے نہیں

رکھتے نہ تھے چمن میں جو پاؤں فرشِ گل پر
تیری گلی میں اب وہ کانٹوں پہ لوٹتے ہیں

ڈھیر ہیں سایہ اشجار میں کچھ مٹی کے
اور کچھ ہم کو خبر گورِ غریباں کی نہیں

نیند آنے کا نہیں اب کوئی سامان امیر
نہ وہ زانو ہے نہ بازو تہِ سر کچھ بھی نہیں

وہ مستِ شراب پھر رہے ہیں
ہم مفت خراب پھر رہے ہیں

خاک جو لپٹی ہوئی آتی ہے محمل سے ترے
ہے یہی مجنوں اب اے محمل نشیں مجنوں کہاں

چاشنی عشق کی جس روز سے چکھی ہے امیر
اٹھ گئے سب ہمنفس کس کس کا یارب غم کروں
شام سے روز سر جو دھنتا ہوں
انسان حسین کیسے پریاں یہاں کہاں ہیں
تم تو مرے سوال کا دیتے نہیں جواب
طرز نالہ وہ بتادو جو ہو صیاد پسند
عمر کو سارا زمانہ گذران کہتا ہے
باغباں تو ہی کسی شاخ پہ بٹھلادے مجھے
حضور یار مجھے عرض حال کرنا ہے
کھپ گئیں دل میں اگر پلکیں نکیلی زاہدا
ممکن ہے بے زری میں میں صبر الجیدا کروں
نہ عارض نہ زلف ستم دیکھتے ہیں
کون گلگشت کو بازار میں آیا ہے کہ آج
اے عمر رفتہ کہدے یاران رفتہ سے تو
دیکھا تھا دل نے جب سے تری آن بان کو
کھاتے ہو قسم نہیں میں عاشق
روتے ہیں ترے مریض پہرول
کی خطا میں نے دیا وصل کا تم کو جو پیام
نرگس کی آنکھ سوئے زمیں بے سبب نہیں
کنگھی جو کر رہے ہیں وہ بالوں میں بار بار
بکنے دو ناصح جو بکتا ہے امیر

تلخ باتیں لب شیریں سے مزا دیتی ہیں
قیس کو روؤں کہ میں فرہاد کا ماتم کروں
شمع کی سرگذشت سنتا ہوں
مٹی کی مورتیں ہیں چینی کی پتلیاں ہیں
مجھ سے جو کوئی پوچھے تو میں کیا جواب دوں
اے اسیران قفس تازہ گرفتار ہوں میں
دن جدائی کا مگر عمر میں محسوب نہیں
بے پر و بال ہوں میں طاقت پرواز نہیں
کرے قبول تو ناصح کو میں وکیل کروں
سیکڑوں پڑ جائینگے رخنے ترے ایمان میں
فرمائشیں جو یار کرے اس کو کیا کروں
خدا دیکھتا ہے جو ہم دیکھتے ہیں
مشورے ہوتے ہیں یوسف کے خریداروں میں
بچھڑے ہوئے تمہارے تم کو پکارتے ہیں
ہم صبر کر چکے تھے اسی دن سے جان کو
صورت تو امیر اپنی دیکھو
چھاتی سے لگا کے درد دل کو
تذکرہ کر کے زمانے سے پشیمان نہ کرو
ہے خفتگان خاک پہ حسرت بہار کی
رگ رگ سے کھینچتا ہے کوئی میری جان کو
تم بھی چپ بیٹھے ہوئے باتیں سنو

تم دہن کو نہ کبھی اپنی کمر کو دیکھو
جان سے اپنی تم تو در گذرے
جگاتا ہوں میں کب سے تم ذرا کروٹ نہیں لیتے
کہے دیتے ہیں غیر کے گھر نہ جاؤ
فصل گل آنے سے پہلے پھنس گئے ہم دام میں
نیستی میں نہ ہستی میں ہے یہ نفس وجود
عارضی حسن ہے اس سے بہت الفت نہ کرو
نماز یو مجھے ناحق امام کرتے ہو
لکھا ہے خط میں اس نے یہ مجھ بدنصیب کو
کوئی برچھی کا وار ادھر بھی ہو
جو بیقرار بہت دیکھتا ہے مجھ کو وہ بت
بیان کرتا ہوں اس مزے سے لے کے تری داستان کو
پہلے تو آرسی میں منہ اُسنے اپنا دیکھا
آہ کس حسرت سے بلبل نے کہا ہنگام نزع
میری حسرت پہ عبث ہو اس قدر حیران تم
ٹھہرنے کو آ چلے ہیں ہمارے جگر کے زخم
وصل میں پوچھتا ہے وہ مجھ سے
میں نے کہا جو یار سے مجھ کو بھی قتل کر
کل کی منزل سے مگر آج کی منزل ہے کڑی
لب جاں بخش سے اپنے ذرا تم
کون سمجھائے جفا پیشہ دل آزاروں کو

دیکھتے ہیں جو انہیں اُن کی نظر کو دیکھو
قتل میں تم بھی در گذر نہ کرو
اُٹھو اے خفتگان خاک کیسی نیند سوتے ہو
اگر جاؤ تو گھر کے اندر نہ جاؤ
ہائے کیا کیا دل میں تھی سیر چمن کی آرزو
مٹے امیر یہ جھگڑا کہیں مٹا بھی چکو
یہ مسافر ہے مسافر سے محبت نہ کرو
نہیں ہیں ہوش میں تم سب الگ الگ ٹہلو
انشا کا عہدہ ہم نے دیا ہے رقیب کو
میری حسرت پہ بھی نگاہ کرو
تو ہنس کے کہتا ہے صاحب خدا کو یاد کرو
لپٹ کے کرتی ہے پیار پھر زبان دہن کو دہن زبان کو
پھر مجھ سے ہنس کے بولا کیا مانگتے ہو یہ لو
سونپے جاتی ہوں تجھے اے بیکسی میں قیس کو
صاحب آئینے کو اپنے آگے رکھ کر دیکھ لو
تم زلف مشک بو کے ذرا پیچ کھول دو
اس قدر بے حواس تم کیوں ہو
بولا جنوں ہوا ہے تمہیں جا کے فصد لو
خار ٹھہرا کے جو کھٹکے ہیں ذرا دم لے لو
کبھی ہم مرنے والوں کو بھی پوچھو
اک نظر دیکھ تو لو آنکھوں کے بیماروں کو

کرتے تو ہو سوال امیر اس سے حشر میں
کچھ تسلّی دلِ زار تو کرتے جاؤ
امیر دل نے کہا مجھ سے سُنکے ناصح کی
وہ عکس سے آئینے میں کہتے ہیں بگڑ کر
حقیقت دردِ بیدردی کی اُسدم آشکارا ہو
ہمارے تمہارے تکلم بھی ہو
نیند اُچٹ جائیگی تم میری کہانی نہ سنو
نہیں ہے دل مرے پاس اب تم اور گھر دیکھو
بگڑکے اُس نے کہا بعد ذبح کشتوں سے
نمک بھی تو زخموں پہ چھڑکو ذرا
سوزِ دل چہرے سے عیاں ہے امیر
تقوٰی کہاں کا جام چلے آج زاہدو
ہو لینے دو اے جان ذرا روح کو رخصت
شمع کہتی ہے یہ پتنگوں سے
جہاں دیکھا پھرا تیری نظر کو
بتوا ابھار کو جوبن کے کیا چھپاتے ہو
تب مزا ہے بادہ خواری کا امیر
وصل کی شب اُنہیں شرم آتی ہے ہمچشموں سے
اسی ادا سے جو تو آئیگا تو روزِ جزا
زخم سلوانے کی یارو ابھی جلدی کیا ہے
نون کچھ دینے لگی ہے میری قبر

اور اُسکو گر جواب نہ آیا تو پھر کہو
تم نہ آؤ مگر اقرار تو کرتے جاؤ
تم اپنا کام کیے جاؤ اُس کو کہنے دو
کیوں سدِّ سکندر کے اُدھر جاکے چھپے ہو
ہمارا دل تمہارا ہو تمہارا دل ہمارا ہو
مزا ہے کہ روزِ جزا تم بھی ہو
اور جو سنتے ہو تو پھر میری زبانی نہ سنو
نہیں یقین تو پہلو کو چاک کر دیکھو
تڑپ تڑپ کے لہو میں ڈبو دیا مجھ کو
دمِ ذبح لب پر تبسم بھی ہو
پیار کس شمع رو کو کرتے ہو
خرقے اُتار اُتار کے بھٹی میں جھونکدو
ٹھہرو مرے پہلو سے پھونکدے تم کو
آگ میں رکھ کے پھونکدے تم کو
جگر روتا ہے دل کو دل جگر کو
خدا کی دی ہوئی دولت کو کیوں چُراتے ہو
سامنے ساقی بغل میں یار ہو
دستے نرگس کے جو ہیں اُن کو کنارے رکھدو
ملیگی اُلٹی سزا تیرے دادخواہوں کو
پہلے کچھ میرے تڑپنے کی تو تدبیر کرو
کوئی چٹکی خاک اُٹھا کر ڈالدو

بسملوں پر رحم کھا کر اُن سے کہتی ہے قضا
ان گنہگاروں کے حق میں جلد کچھ ارشاد ہو

نہ اُس سے ڈر ہے نہ اُسکی ہوس کبھی مجھ کو
نہ غم کا غم نہ خوشی کی ہے کچھ خوشی مجھ کو

آئے اوّل تو وہ کب پاس مرے محفل میں
اور جو آئے بھی تو مجلس سے اُٹھانے مجھ کو

آئے جو زبان پہ شکوۂ یار
ہم کاٹ کے پھینک دیں زبان کو

کب میں کہتا ہوں مجھے اے یار تو الفت سے دیکھ
میں تجھے حسرت سے دیکھوں تو مجھے حیرت سے دیکھ

ساقی میں کب سے لوٹ رہا ہوں خمار میں
اِک جام اِدھر بھی ساقیِ کوثر کا واسطہ

طائرِ رنگِ حنا ہوں چمن ہستی میں
زندگی موت ہے میری مرے صیاد کے ہاتھ

مرے مزار پر آیا جو وہ بُتِ گمراہ
تڑپ نے روح نے آواز دی کہ بسم اللہ

اب نہ اُس کا رُخ نہ خط و خال دیکھ
اے دلِ بیتاب اپنا حال دیکھ

غریب عاشقوں پر رحم کھا گے بولے وہ
غریب ان کو نہ سمجھو بڑے شریر ہیں یہ

حرم والوں سے یہ قولِ صنم ہے
قدیمی گھر ہمارا بھی حرم ہے

اس سے تنہائی میں تو لپٹا ہوں
ڈر ہے چھاگل کہیں پکار نہ دے

کھُلتا نہیں جو اُس کے کوچے کا کیا پتا ہے
میں دل سے پوچھتا ہوں دل مجھ سے پوچھتا ہے

چوُر نشے میں یار بد خو ہے
اب لپٹ جائیے تو قابو ہے

شب فرقت تو میرا کام ہی کر جائیگی
وصل کی رات نہیں ہے جو گزر جائیگی

برباد کر دیا ہے وحشت نے دل کی مجھ کو
پہلو کا رہنے والا جنگل میں جا بسا ہے

صاف دل ہیں ہم آئنے کی طرح
جس سے جو بات ہے وہ برُو ہے

کچھ رنج ہے دنیا میں تو کچھ ہم کو خوشی ہے
آنکھوں میں جو آنسو ہیں تو ہونٹوں پہ ہنسی ہے

یہ وجہ ہے جو جمع رہا کرتی ہے خلقت
مرقد پہ مرے یار کی تصویر لگی ہے

تھا جو کل تک کسی کے زانو پر
آج وہ سر ہے اور زانو ہے

کبھی منہ کھول کر نہ دکھلایا
لنٌ ترانی ہی لن ترانی ہے

دل مرا کہدو کہ وہ شوخ ستمگر پھیر دے
اے شبِ فرقت عجب اندھیر کی یہ بات ہے
نزع میں یار سے رخصت مجھے ہو لینے دے
دیکھتی ہیں جب اُسے آنکھیں تو کہتا ہے یہ دل
سنبھلوں سے ناز اُٹھوا سے
اُٹھتا نہیں دل سے مرے بارِ غمِ فرقت
سویا ہوں شب کو جرس سے میں یہ کہکر
کعبے نہ جائے جو وہ نہ پہنچے خدا تلک
اک مست کا خیال جو ہنگامِ خواب ہے
آساں نہیں ہے دام سے دنیا کے چھوٹنا
جوبن ابھار پر ہے چمن کو نہ جائیے
لیلیٰ کی طرف پھر نہ کرے منہ کبھی مجنوں
ملتا نہیں مزاج جو سوسن کا اے صبا
کون کہتا ہے کہ الفت میں ہمیں راحت ہوئی
ہاتھ پھولوں کو لگایا میں نے کب اے باغبان
میں خار ہوں لے برق جلاتی ہے مجھے کیا
کیا رہیے اس چمن میں افسردگی بڑی ہے
خانہ بردوش ہر شرابی ہے
نہ واعظ ہجو ہے کر ایک دن دنیا سے جانا ہے
برستی ہے اُداسی چھا رہی ہے بیکسی غافل
جب گئے شبِ وصل چلو سو رہیں اےجان

دل نہ پھیرے تو مری گردن پہ خنجر پھیر دے
ساری دنیا میں تو دن اک میرے گھر میں رات ہے
ضبط سے کہدو کہ دل کھول کے رو لینے دے
دیکھیے یہ دیکھنا کیا کیا دکھاتا ہے مجھے
ہاے انداز ہیں رے قاتل کے
اے جانِ حزیں تو بھی ذرا ہاتھ لگا لے
پیدا جو سحر ہو مجھے غُل کر کے جگا لے
زاہد خدا کے گھر کی یہی ایک راہ ہے
جھونکوں میں نیند کے مجھے کیف شراب ہے
یہ اک بڑے حکیم کا باندھا طلسم ہے
بادِ صبا لگائیگی چوری انار کی
مجنوں کو جو لیلیٰ تری تصویر دکھا دی
مسّی ہے شاید آج عروسِ بہار کی
پیٹنے رونے تڑپنے سے کہاں فرصت ہوئی
یاں گریباں چاک کرنے سے کہاں فرصت ہوئی
گلچیں ہیں ہزاروں کسی گلچیں کو جلا دے
ہر شاخِ گل کے نیچے بلبل مری پڑی ہے
کیا خرابات کی خرابی ہے
ارے منہ ساقیِ کوثر کو بھی آخر دکھانا ہے
بصیرت ہو تو عبرت کا محل قصرِ فریدوں ہے
جھنجلا کے وہ کہتے ہیں ابھی رات پڑی ہے

نخچیروں نے یہ لختِ جگر اُس میں پروئے
ہنس ہنس کے رُلایا ہے بہت زخم جگر نے
آبنی ہے جان پر قیامت ہے
فرقت میں مجھ کو موت ٹھکانے لگا گئی
آج اُمید صبح ہونے کی
مژگانِ تر سے جان تسلی سی پا گئی
قاصد ہمارا نام تو لینا نہ یار سے
دامنِ گل نسیم چاک کرے
غیر کی بھیجی ہوئی مسّی ملی تم نے ضرور
ہوں وہ بلبل جب مرے دلکی کلی مرجھا گئی
جان نثاروں کا اس قدر ہے ہجوم
زور ہے اب یہ ناتوانی کا
ہے قصد کہ دل کعبہ نشینوں کے چرائے
خط مرا پھینک کے مجھ پر یہ کہا قاصد نے
مرتے ہیں بندگانِ خدا کچھ نہیں خیال
چاہت نئی نئی ہے محبت نئی نئی
ہیں حرف ناشنوا اُسے کیونکر کہوں امیر
کسی واماندہ و حسرت زدہ کو یاد کرتا ہے
مائلِ جور جو وہ زلفِ دوتا ہوتی ہے
کروں اک نالہ دل میں یہ ٹھنی ہے
یہ سمجھ ہے تو مری جان نبھے گی کیونکر

جو نیر ہے سفاک کا پھولوں کی چھڑی ہے
اوچھی کوئی قاتل کی جو تلوار پڑی ہے
آج پہلو سے دل کی رخصت ہے
کیسے نصیب جاگ اُٹھے نیند آگئی
حضرتِ دل یہ شامِ فرقت ہے
کانٹوں کی اوس پہ پیاس ہماری بجھا گئی
کہنا کسی کی جان ہے ہونٹوں پر آگئی
بلبلو تم کو کچھ بھی غیرت ہے
ورنہ کیوں غم کی گھٹا دل پہ ہمارے چھا گئی
اِک سرے سے سارے پھولوں کی اداسی چھا گئی
تیغ مقتل میں چل نہیں سکتی
دل سے حسرت نکل نہیں سکتی
تاکا ہے بڑے گھر کو تری وزدِ حنا نے
وہ بھی ہو تجھ پہ عاشق تو یہ گھر آ دیکھے
اللہ ان بتوں کو بھی کتنا غرور ہے
دو چار دن تو ضبطِ فغاں بھی ضرور ہے
سنتا ہے میرے حق میں وہ سارے جہان کی
سنو اے قافلے والو جرس فریاد کرتا ہے
سو بلاؤں میں گرفتار بلا ہوتی ہے
کہ اب تو جان ہی پر آبنی ہے
میں نے حال اپنا کہا تم اُسے شکوا سمجھے

بلبل کی آنکھ گل پر قمری کی سرو پر ہے
نرگس سے کوئی پوچھے تو کس کو دیکھتی ہے

قاتل سمجھ کے تیر کو سینے سے کھینچنا
ناوک کے ساتھ ساتھ کسی کا جگر بھی ہے

عجب ادا سے تمہاری نگاہ پھرتی ہے
چھُری گلے پہ مرے بیگناہ پھرتی ہے

کرونگا بت کی زیارت بھی اب تو حج کو چلوں
حرم سے دیر کی جانب بھی راہ پھرتی ہے

وصال میں بھی یہاں پیچ و تاب رہنا ہے
اُدھر حجاب ادھر اضطراب رہنا ہے

یہ ہے شوق جانے کا کوچے میں تیرے
کبھی ہم ہیں آگے کبھی سایہ آگے

ہوئے جو ذبح بڑے پیچ و تاب سے چھوٹے
تمہیں ثواب ہُوا ہم عذاب سے چھوٹے

ساقی ترے ہجر میں ہے یہ ضعف
توبہ نہیں ہم سے ٹوٹتی ہے

پھر نہ کہنا امیر کو لاؤ
اب وہ تیری گلی سے جاتا ہے

جائے آرام میں یہاں سمجھ کر آیا تھا
دل کے ہاتھوں سے لحد میں بھی تڑپتے گزری

محفلِ عیش ہو یا مجلسِ غم دونوں میں
شمع کو روتے پتنگوں کو تڑپتے گزری

دل جو بے اختیار روتا ہے
کسی حسرت کا خون ہوتا ہے

اللہ رے گرمیاں مرے معشوق کی امیر
آیا خیال دل میں تو اک آگ لگ گئی ہے

بے شبہ کُنجِ قبر ہے جائے سکون مگر
کیسا سکون جب دلِ بیتاب ساتھ ہے

میں تو روتا ہوں اپنی قسمت کو
تو بتا ابر کس کو روتا ہے

جہاں ہم ہونگے آنچیں عشق کی اُس گھر میں آئینگی
یہاں پریاں جلاتی ہیں وہاں حوریں جلائینگی

رہا جاتا نہیں ہے عشق دو دن
ہمیں بیمار ہونے کا مرض ہے

ہجر کا دن نہیں ہے داخلِ عمر
عمر تو وصل تک تمام ہوئی

یہ دن فراق کا کیوں دیکھتے ہمیں چھُٹ کے
شبِ وصال کے ہمراہ ہو لیے ہوتے

ندیاں بہ گئیں کشتوں کے لہو سے قاتل
تیری تلوار مگر خون کی پیاسی ہی رہی

اک ذرا پردۂ محمل کو اُٹھا دے لیلیٰ
پھر کوئی حالتِ بیتابیِ مجنوں دیکھے

سبب پوچھو نہ کچھ رونے کا ہم سے
اللہ رے طولِ نامہ کہ کہتا ہے نامہ بر
کبھی جھانکا تو ہوتا آگے یہ کیا جی میں آئی تھی
فرقت میں میہمانیٔ غم کیا کروں امیر
دل لیکے ملاتا ہے ڈھٹائی سے جو آنکھیں
نہیں اُٹھتے ہیں اسے جنوں اشجار گلشن سے
کہا مجنوں نے شاید ناقۂ لیلیٰ ادھر آئے
پی کے مے بیٹھے وعظ سننے امیر
کشتہ ہوں میں فراق کا اکسیر کیا کرے
اُٹھا کر نہ پھر آنکھ غیروں کو دیکھو
دہن تک آ نہیں سکتا ہے دل کی تنگی سے
کیوں سوئے کمر ہاتھ بڑھا ہے وہ کاکل
ذکر اس شوخ کا آتا ہے تو اللہ ری تڑپ
تمہاری سی صورت ہے حوروں کی اچھا
غنی ہیں جب سے تری زلف کے اسیر ہوئے
دیکھا جو تڑپتے ہوئے مجھ کو تو وہ بولے
جو ہوش میں مجھے لانا ہے دوستو منظور
کرتے ہو جو تم امیر کو قتل
کہتا ہے سرِ بزم وہ بت کھو لکے گیسو
دکھلا یا روزِ ہجر شبِ وصل نے امیر
وہ سنتا نہیں حالِ دل اے امیر

یہی جانو کہ رونے کا مرض ہے
اس بوجھ اُٹھانے کو کوئی مزدور چاہیئے
عزیزوں نے مری تربت میں جالی کیوں لگائی تھی
ٹکڑے ہیں کچھ جگر کے سو وہ بھی جلے ہوئے
ظالم نہ سہی رحم حیا بھی نہیں آتی
یہ کچھ پڑے گریباں کے ہیں کچھ پڑے ہیں دامن کے
میں اس امید پر چنتا ہوں کانٹے اس بیاباں کے
یہ بڑی تم نے ہوشیاری کی
تقدیر میں شفا نہیں تدبیر کیا کرے
جو ہوں چار آنکھیں ہماری تمہاری
دھواں جگر کا بھی کچھ دل ہی دل میں گھٹتا ہے
لیلیٰ کبھی مجنوں کی بلائیں نہیں لیتی
منہ کو آتا ہے جگر بات نہیں کی جاتی
یہ باتیں کہاں پیاری پیاری تمہاری
فقیر عشق ہیں ہم کیا ہوئے امیر ہوئے
اس درد سے اچھا ہے یہ بیمار جو مر جائے
کہو کہ تجھ کو ترے یار نے بلایا ہے
اتنا تو کہو گناہ کیا ہے
لینا ہو جسے دل کو وہ پہچان کے لیجائے
وہ رات اگر نہ آتی تو یہ دن نہ دیکھتے
کہانی سی کب تک کہا کیجئے

سوکھے ہوئے دو چار کہیں پیڑ کھڑے ہیں
کیا وقت نکالا ہے رنجش کا بھی ظالم نے
ابھی امیر کو صاحب بُرا بھلا نہ کہو
جب کہا میں نے مرے قتل میں اب دیر ہے کیوں
تو پھرا ہے بہت اے پیرِ فلک سچ کہنا
واد دیتے کہ نہ دیتے دلِ فرہادی کی
نہ پوچھو اضطراب و ضبط کا حال
سارا دن پڑا ہے کچھ بھی کہیں نہیں ہے
اچھی نہیں ملامت ہر وقت کی یہ ناصح
خیر تم پر نہیں ہے زور اپنا
برباد نہ کر جو کچھ خبر ہے
یاں زخم سے لذتِ جگر ہے
نہ جانے کے تھے اُس گلی سے بہانے
ہو گیا کیا تجھے الفت میں امیر
دو گھڑی آپ کا ہنس ہنس کے لگاوٹ کرنا
دردِ دل کیوں نہ مجھے جان سی بڑھ کر ہو عزیز
ہیزمِ خشک نے جلکر یہ کہا گلشن میں
حال سننے کو وہ آئے ہیں مگر کون کہے
جب دلِ پژمردہ پہلو سے مرے نکلا امیر
جواب دینے میں آئے نہ کیوں حیا اُن کو
ہمنشیں اُن سے جو کہتے ہیں کہ مرتا ہے امیر

اب جاؤں میں گلزار میں کیا آگ لگانے
جب خوب سنورتا ہے تب مجھ سے بگڑتا ہے
بُرے بھلے کا تو صحبت سے حال کھلتا ہے
بولے وہ اپنی خوشی آپ کو جلدی کیا ہے
مجھ سا بیکس بھی زمانے میں کہیں دیکھا ہے
کان رکھ کر کبھی سنتے تو کہ کیا کہتا ہے
جگر آ آ کے منہ تک بھر گیا ہے
رہتا ہے ہاتھ دل پر جو مال ہے یہیں ہے
انسان کی طبیعت قابو میں ہو نہیں ہے
مر مٹیں گے یہ اختیار تو ہے
اے بُت یہ دل خدا کا گھر ہے
احباب کو فکرِ بخیہ گر ہے
نہ اب ضعف ہم کو نہ بیطاقتی ہے
ابھی روتا تھا ابھی ہنستا ہے
رنج برسوں کا مرے دل سے مٹا دیتا ہے
اُٹھ کے محفل میں تری مجھ کو بٹھا دیتا ہے
کہ انہیں تازہ نہالوں میں کبھی ہم بھی تھے
کہ تڑپ دل کی تو دم ہی نہیں لینے دیتی
حسرتیں تھیں پیچھے پیچھے سانس روتی پیٹتی
سوال کرنے میں جب مجھ کو شرم آتی ہے
کیسے کب تک وہ غریب اب یہ مصیبت دیکھے

کہتے ہیں واہ اجی عاشق کہیں ہوتے ہیں غریب
قبر پر جب وہ حور آتا ہے

بُت بن گئے ہم امیر آخر
کتنے آرام طلب ہیں ہم بھی

دل جیسے لوگ سمجھے ہیں وہ امیر
مدتوں کھینچا ہے قشقہ ان بتوں کی عشق میں

پڑا ہے تفرقہ ایسا فراقِ یار میں باہم
کیا کہیں عشق میں کیا ملتا ہے

چھوا جو ان کو تو بولے وہ گالیاں دیکر
آ بنی جان پر داغ پائی

شرم کی سب سے یہ خورشید لقا لیتا ہے
حلال کر کے مرے ہمصفیروں کو صیاد

ہے وصل میں راحت نہ جدائی میں الم ہے
دل بیتاب شبِ وصل تو دم لینے دے

ہم تڑپتے ہیں پڑے سارا جہاں سوتا ہے
کیوں جاؤں میں سوے کعبہ اے شیخ

نشان پایا نہ اپنے یوسفِ گم گشتہ کا ہم نے
ہائے غم سے بھی جی نہیں بھرتا

کیا جانیں ہم ہنسنا کہتی ہے خلق کس کو
کہا یہ بہکاتا ہے مستو نکو تجھے ہوش بھی ہے

میں نے بوسہ جو لیا زلف کا ساقی نے کہا
پاس جا بیٹھے پھر اُن کی کوئی غربت دیکھے

چھن کے جالی سے نور آتا ہے
یہ یادِ صنم کی انتہا ہے

سایۂ تیغ میں نیند آتی ہے
حسرت آباد نام ایک گھر ہے

شرم آتی ہے خدا کے سامنے جاتے ہوئے
نہ دل ملتا ہے پہلو کو نہ پہلو دل کو ملتا ہے

بُت کے ملنے سے خدا ملتا ہے
کسی کا ہاتھ کسی کی زبان چلتی ہے

دل لگانے کی یہ سزا پائی
آئینہ دیکھ کے چہرہ کو چھپا لیتا ہے

لہو بھری ہوئی چھُریاں مجھے دکھاتا ہے
آئے کی نہ شادی نہ گئے کا مجھے غم ہے

ہجر کی رات تڑپنے کے لیے کیا کم ہے
اے شبِ ہجر یہ کسدن کا عوض ہوتا ہے

بتخانہ میں کیا خدا نہیں ہے
ہزاروں قافلے چھانے ہزاروں کارواں ڈھونڈے

برکت اُٹھ گئی زمانے سے
ہمنے جو آنکھ کھولی تو چشم تر ہی دیکھی

جو عطا پاش ہے واعظ وہ خطا پوش بھی ہے
صرف مینوش نہیں یہ تو بلانوش بھی ہے

مرا زخمِ دل اس لیے دیکھتے ہیں
کہ دیکھیں تو تلوار کیسی پڑی ہے

کہتا ہے مجھے دیکھ کے وہ اپنی گلی میں
دیوانے ترا گھر بھی کہیں ہے کہ نہیں ہے

ہم کو چالیں تو لگا لینے کی آتی ہیں بہت
یار کے آگے مگر ایک نہیں چلتی ہے

گالیوں کا وصل میں کیا کام ہے
لطفِ بے ہنگام اسی کا نام ہے

تجھ کو مجھ غربت زدہ کے حق میں کیا منظور ہے
پاؤں اُٹھ سکتے نہیں اے ضعف منزل دور ہے

لے کشوے آج بے جام وسبو پی لیجئے
محتسب کا چڑھ کے چھاتی پر لہو پی لیجئے

الفت میں یوں تو اکثر ہم زار زار روئے
کل دل پہ ہاتھ رکھ کر بے اختیار روئے

مجبوراً نہیں شراب حرام
تیسرے دن عید آئی ہے

خاک میں کس کی مل گئی حسرت
خاک اڑاتی جو صرصر آئی ہے

بڑھ جاتی ہے چمن میں اور آرزو تمہاری
جس گل کو سونگھتا ہوں آتی ہے بو تمہاری

جو کچھ ترے ہاتھوں دلِ خونیں پہ ہوا ہے
مہندی ترے ہاتھوں کی بیاں کرتی ہے تجھ سے

دیکھ کر عکس کو آئینے سے کہتا ہے وہ شوخ
تو نے بتلا مری تصویر کہاں سے پائی

اب کام اگر نہ آئے تو کب کام آئینگے
کیا بت امیر تجھ کو خدا سے ملائیں گے

طرفہ اقبال بتوں کا ہے باینہمہ ظلم
جس طرف ہو کے نکلتے ہیں دعا ملتی ہے

یاد میں زلف و رُخ کے میرا حال
صبح کو کچھ ہے شام کو کچھ ہے

اے طولِ زمانۂ اسیری
بلبل کہیں گل کو بھولتی ہے

اجل کا دور ہے بیداد و عہد میں تیرے
دکانیں بند پڑی ہیں دوا فروشوں کی

داغ پر داغ عزیزوں نے دئے ہیں ایسے
کہ مرے دل میں نہیں جائے سویدا باقی

سوتا ہوں کوے یار میں محشر کے دن مجھے
جھونکے نسیمِ خلد کے آکر جگائیں گے

آرام کا اس گھر میں نہ اُس گھر میں گزر ہے
دل درد کا گھر ہے تو جگر داغ کا گھر ہے

کافی ہے مجھ کو چین تمہاری جبین کی
کیوں تیغ کھینچتی ہے شکن آستین کی

پارہ دوزی کی دکان ہے کہ مرا سینہ ہے
ہر طرف ڈھیر ہیں دل اور جگر کے ٹکڑے

خبر انجام سے دیتا ہے پیری میں قدِ پُرخم
اشارہ ہے کہ اب دن خاک میں ملنے کے آپہنچے

ہونٹوں پہ دم ہے لیکن دل میں ابھی ہے حسرت
دو حرف اُسکے منہ کے سن لیتے ہم کسی سے

راز کیا عاشق و معشوق کے غیروں پہ کھلیں
صلح آنکھوں میں ہو آنکھوں میں لڑائی ہو جائے

ہیں کہا کہ پھیر دو دل کیا کرو گے تم
بولے ہم اپنے تیر کا پیکاں بنائیں گے

وہ غصے میں ہر وقت بھرے رہتے ہیں مجھ سے
میں خوش ہوں کہ صد شکر توجہ تو ادھر ہے

کہا یہ جھاڑ کے دامن کو اُسنے خلوت میں
یہاں بھی خاک کسی خاکسار کی پہنچی

دل جلا کرتی ہیں نظارہ بازی دور سے
ہیں تو دوزخ میں مگر آنکھیں لڑی ہیں حور سے

کانٹوں میں وہ ہے پھول ستاروں میں ہے وہ چاند
ذرّوں میں وہ خورشید ہے قطروں میں گہر ہے

نظارۂ قاتل سے میں ہوں بے خبر ایسا
کچھ ہوش ہے خنجر کا نہ گردن کی خبر ہے

کیا جانئے وحشت میں کہا کیا اُنہیں میں نے
ہمدم بھی مری آج تسلّی نہیں کرتے

بچھونا خاک کا ہے اب ترے بیمار کے نیچے
پڑا ہے دیر سے غش سایۂ دیوار کے نیچے

کھنچتے ہی تیغ خوف سے اغیار مر گئے
بگڑا جو یار کام ہمارے سنور گئے

کیا کیا ہوا ہے دل تہ و بالا میں کیا کہوں
کوٹھے پہ چڑھ کے آپ جو نیچے اُتر گئے

تھک گئے ہم رہِ طلب میں امیر
کر چکے سعی جتنی قدرت تھی

درازی سنتے تھے مدت سے ہم روزِ قیامت کی
سو اک کچی گھڑی نکلی ہمارے روزِ فرقت کی

آئی بہار چلئے رفوگر کو چھیڑ دیے
ہنس ہنس کے چاک جیب کے ٹانکے اُدھیڑ دیے

تھی اپنی جانماز تو مدت سے رہنِ مے
تسبیح رہ گئی تھی سو وہ اب گرو ہوئی

ہوں وہ حسرت زدہ کہ در پہ مرے
یاس اُمیدوار بیٹھی ہے

کہیے نا آشنا تو کتنے ہیں
ابھی باتیں ہیں آشنائی کی

امیر اُس بدگمان کے کان تک پہنچے تو پھر کیا ہو
بھری مجلس میں کہتے ہو کہ ہم خالی نہیں رہتے

جھجک کے ملنے لگا وہ بت ہم سے — اے تری شان کبریائی کی

طور پر جو کلیمؑ نے دیکھا — وہ شرارہ نہ تھا شرارت تھی

جان جائے یا رہے جو ہو سو ہو جھگڑا چکے — طے بھی ہو قصہ کہیں مقتل میں قاتل آ چکے

تو نے اے یار بے تپاک کیے — کیسے کیسے جوان ہلاک کئے

اک پری وش نے کیا تھا ناز سے مجھ کو جو قتل — لائیں پریاں تخت میری لاش اُٹھانے کے لئے

تیشے سے کوہکن کے آواز آ رہی ہے — شیریں کے دل پر الفت چوٹیں لگا رہی ہے

مجنوں سے کوئی کہدے لیلیٰ غریب کب سے — زانو پہ سر کو رکھے آنسو بہا رہی ہے

پیاس سے پڑ گئے ہیں حلق میں کانٹو لاکھوں — پھول سے بھر کے کوئی جام پلا دے ساقی

کہاں تا ناک نہ پہنچتی دعا اجابت کو — امیر ہائے ہماری زبان ہی نہ کھلی

کبھی اقرار ملنے کا کبھی انکار کرتے ہو — ٹھہرنے تم نہیں اک بات پر دل کسطرح ٹھہرے

انتہائے نشہ میں آتا ہے ہوش — ہوشیاری انتہائے نشہ ہے

وہ جلوہ دیکھ کر جب طور پر موسیٰ کو غش آیا — تو آئی غیب سے آواز دیکھا ہم نہ کہتے تھے

کشتے ہم اس ادائے بت نازنین کے ہیں — کھینچی گئی نہ تیغ تو تیور بدل گئے

کیا دھاک تیرے فتنۂ قامت کی بندھی ہے — آتے ہوئے ڈرتی ہے قیامت نہیں آتی

جان جائے تو جائے پر اے جان — دل کہاں تم کو چھوڑ کر جائے

اس چشم مست کا ہے اشارہ ہر ایک سے — آئے تو سامنے کوئی ہشیار ہی سہی

زبانِ تیغ نہ چاٹے دہانِ زخم کو کیوں — ٹپک رہا ہے مژہ خون سے شہیدونکے

ترحم ایک طرف وہ جفا نہیں کرتے — جفا کا وعدہ کیا ہے وفا نہیں کرتے

برسوں تری تلاش میں ہم مثل گرد باد — آوارہ جنگلوں میں پھرے خاک چھانتے

غیر کے ساتھ وفا کر سکے وہ مجھ سے بولے — تو جفا دوست ہے اک طرز جفا یہ بھی ہے

منہ پہ غصہ ہاتھ میں تلوار ابرو پر شکن — جان دو بھر ہو جسے وہ تم سے حالِ دل کہے

اثر تو دیکھیے قسمت کی نارسائی کا
نہ سمجھے تھے خدا کو جب تلک سمجھے تھے ہم سمجھے
وہ ہاتھ جب کنارہ ہو دیر اُس میں کیا لگے
ہر نہالِ تاک میں واعظ وہی انداز ہے
میری کھیتی ہوئی ہے جب سرسبز
پنہاں جو سوزِ عشق کرے مرد ہے وہی
ابھی وہی ہے ہماری شبِ فراق کی شام
گیا ہے دیر سے ناخوش امیر آج
یوں جھلکتی نہیں میناہیں شراب گلگوں
عجب طلسم ہے الفت کہ سامنے اُسکے
امیر اُس بت کو دل دیتے ہو کیا شامت تمہاری ہے
ہزار ہوں حسن آدمی میں ہزار ہوں خوبیاں پری میں
دیکھنا قاتل کو ہے تو دیکھ لے
ہم ایک ایک سے یہ پوچھتے ہیں دنیا میں
آنا ہے خون اب مری آنکھوں سے ہمدم ہو
تکتی ہے دم ذبح جو بلبل طرف باغ
قاضی آئے کہ محتسب آئے
کسطرح ملتی ہے اے مرغ قفس صیاد سے
الفت کسی کی نوکِ مژہ سے جو تھی امیر
کہا جھنجلا کے اُس نے وصل کی شب
ہوش جب تک رہا شراب ہی پی

کہ یار تک مرے مرنے کی بھی خبر نہ گئی
جو سمجھے اب تو یہ سمجھے نہ سمجھے تھے نہ سمجھیں گے
ہم پیر کر شراب میں کوثر سے جا لگے
کونسی وہ شاخ ہے طوبیٰ کو جسپر ناز ہے
برق کیا کیا تڑپ کر آئی ہے
دل پھنک کر نفس سرد ہے وہی
ہزار بار جلی شمع اور تمام ہوئی
خدا ہی ہے جواب کعبے سے آئے
دلِ پُرخون کی گلابی پہ عجب عالم ہے
بجائے شکوہ زباں سے دعا نکلتی ہے
کسی پتھر پہ دے پٹکو جو ایسا تم کو بھاری ہے
امیر اپنا تو ہے یہ مشرب ادا نہیں ہے تو کچھ نہیں ہے
دیکھ لیں بسمل وقتِ فرصت تنگ ہے
کہاں سے آئے تھے اب ہم کہاں کو جائینگے
آنسو کہاں یہ آنسوؤں کا کچھ نچوڑ ہے
یاد آتی ہے حسرت دلِ آوارہ وطن کی
اب تو ہم میکدے میں آ بیٹھے
دل پھٹا جاتا ہے اپنا تو تری فریاد سے
مر کر بھی اک کھٹک سی رگِ جان میں رہ گئی
کہ رونے سے کبھی فرصت بھی ہو گی
ایک ہیں ہم بھی اپنے مشرب کے

اب سر بازار کہتے ہیں اُٹھا کر وہ نقاب
آئینہ دیکھ کے وہ عکس سے فرماتے ہیں
غیروں کے حال پر تو بہت لطف ہے تجھے
دو گھڑی سامنے رکھ کر اُسے رولیں بہزاد
آنکھوں میں تری نہیں مروت
بات اپنی اپنے دل ہی میں رہے
اے صنم اللہ والے سیکڑوں شیدا ہوئے
تم دکھاتے تو ہوا امیر کا دل
زندگی بھر ساتھ تھی مرنے پہ بھی ہمراہ ہے
دیکھنا شوخی کیا پیغام وصل
یہ آئینے میں اپنے عکس سے وہ شوخ کہتا ہے
مرے اللہ مرے اللہ نہ کہہ صرف اللہ اللہ کہہ
لہو رو آنسوؤں کا قحط اگر ہے
نہ کر اے چارہ گر چاکِ جگر کو بند بخیے سے
اپنی کہو گزرتی ہے کس طرح اے امیر
چلے آتے ہیں ہم بھی تیرے پیچھے
ساتھ اپنے کچھ نہ لائے تھے نہ کچھ ہم لے چلے
میری دوا شراب ہے مجھ کو نہیں حرام
تو کھینچے گا اُس کی شکل مانی
اب تو آ جاؤ دم ہے آنکھوں میں
چھیڑ دوں اپنی اسیری کی کہانی نہ کہیں

جسنے یوسف کو نہ دیکھا ہو وہ ہم کو دیکھ لے
تم بھی اب آنکھ لڑانے لگے دیکھا دیکھی
ہم پر بھی لطف حال ہمارا بھی غیر ہے
کھینچدے تو ہمیں تصویر ہمارے دل کی
کیا دیکھ کے آشنا ہو کوئی
منہ سے نکلی اور پرائی ہو گئی
جب سے اس دنیا میں تم نام خدا پیدا ہوئے
اور جو وہ کوئی آہ کر بیٹھے
دیکھنا اے دل رفاقت حسرتِ دیدار کی
ہجر سے جب آشنائی ہو گئی
گروں کیا میرے ترے بیچ میں ستارِ سکندر رہے
یہ ہٹ دھرمی ہے اے زاہد خدا سبکا برابر ہے
اسی دن کے لیے خونِ جگر ہے
ہوائے کوچۂ جاناں اسی کھڑکی سی آتی ہے
ہم ہیں فقیر لوگ ہماری بھلی کہی
تجھے اے عمرِ رفتہ کچھ خبر ہے
خالی ہاتھ آئے تھے خالی ہاتھ دنیا سے چلے
زاہد نہو یقین تو قاضی سے پوچھ لے
تو نے کہی اور ہیں نے مانی
نا امید انہ اک نگاہ سہی
منہ لگاتا نہیں اس خوف سے صیاد مجھے

اب میری ہڈیاں نہ گھُلا گوشت گھُل چکا
افسوس فکر کچھ نہیں صیاد کو مری
وہ لبِ ساحل نہانے کو جو ہیں آئے ہوئے
تیغ کھینچے وہ آ رہا ہے امیر
باقی نہ دل میں کوئی الٰہی ہوس رہے
پوچھو واعظ سے چلکے اے رندو
شورِ محشر امیر کو نہ جگا
حل نہیں ہوتا معما بیقراری کا مری
بیسنقوں کی طرف آئی ہے تو شیریں سے کہو
دنیا سے نہیں زیست میں امیدِ رہائی
دیکھنے وہ جو نہ آئے تو نہیں مجھ کو گلہ
سودا زدوں کو قتل جو زلفِ رسا کرے
پا چکے چین نہ خاک بھی ہم کشتۂ عشق
اب تو آسان ہے کرے مری مٹی برباد
یاد آ گئی جو اُس کے دُرِ گوش کی امیر
نامہ بر بار کے آنے کی نہیں کہتا ہے
مقتل میں وہ ہر گام پہ سو بار کرے ہیں
ہے آج جو سرگذشت اپنی
دل ہی جو ارمان تھے افسوس یوں ہی رہ گئے
مجھ کو نہیں شکایت مقتل میں اب کسی کی
تیغِ قاتل نے تو ارمان نکالے کچھ کچھ

اے فکرِ رزق بس کہ یہ حصہ ہما کا ہے
گل کان رکھ کے سنتے ہیں فریاد کو مری
موجیں آتی ہیں چلی آغوش پھیلائے ہوئے
دیکھیے آج کس کی آئی ہے
چودہ برس کے سن میں وہ لاکھوں برس رہے
کیا سزا ہے خلاف گوئی کی
سو گیا ہے غریب سونے کے
دل تو پہلو میں نہیں یارب تڑپتا کون ہے
اک ذرا تربتِ فرہاد پہ ہوتی جائے
پہرا ہے اجل کا درِ زنداں پہ ہمارے
ہیرہی حالت ہی وہ یہ ہے کہ نہ دیکھی جائے
تم اور خوش ہو رنج تمہاری بلا کرے
دلِ بیتاب کو اللہ سلامت رکھے
پھر کہاں تو مجھے اے بادِ صبا پائیگی
بے اختیار آنکھ سے آنسو نکل پڑے
ایک بھی بات ٹھکانے کی نہیں کہتا ہے
یہ ٹھوکریں کھائی ہیں شہیدوں کے سر و نکی
کل اس کی کہانیاں بنیں گی
دل جگر دونوں لہو ہو کے آخر بہ گئے
پیکاں نے دلدہی کی خنجر نے ہمدمی کی
اب رہی خنجرِ قاتل سے شکایت باقی

اک عمر ہوئی ترک کیے عشق کا پیشہ
پر آج تلک چہرے کی زردی نہیں جاتی

کرتے ہو ڈھونڈ ڈھونڈ کے تم عاشقوں کو ذبح
کتنا تمہیں ثواب کمانے کا شوق ہے

قاتل مرے سوا نہ کرے تو کسی کو قتل
اللہ تیرے ہاتھ کو پائے ثبات دے

آزردگی کے خون سے جی بھر کے رو سکے
ایسی جگہ امیر سے کیا خاک ہو سکے

رات بھر تڑپا کیے دیوار میں تو صبح تک
بولے او خانہ خراب اپنے گھر کی راہ لے

حجاب چشم تصور سے غیر ممکن ہے
چھپیں وہ لاکھ مگر ہم تو دیکھ ہی لیں گے

کل تک تو کچھ کھچی ہوئی رہتی تھی تیغ یار
ہے آج کیا کہ میرے گلے سے لپٹ گئی

شام فرقت میں یہ ہر روز خیال آتا ہے
اے خدا ہم بھی کبھی صبح وطن دیکھینگے

ہنسکے کہتا ہے مرے زخم جگر سے قاتل
کر دیے تو نے نمکداں کے نمکداں خالی

ہم جو رونے پر اُتارے ہو گئے
ہٹ کے سب دریا کنارے ہو گئے

اب تم چھپاؤ منہ نکریں ہم فغاں کو ضبط
جو بات تھی وہ سارے زمانے پہ کھل گئی

حرم سے دیر کو آئے امیر مر مر کے
خدا کے گھر سے پھرے ہم خدا خدا کرکے

مؤذنوں کا بُرا ہو جگا دیا مجھ کو
ابھی تو آنکھ لگی تھی خدا خدا کرکے

نکلے جب پردے سے تم اللہ رے حفظ
غیب سے آنکھوں پہ پردے پڑ گئے

وو دن کی محبت میں جو حالت ہوئی میری
برسوں کے مریضوں کی یہ صورت نہیں ہوتی

تصور میں بھی تو آتا ہے تو سمٹا ہوا اے بُت
چُراتی ہے بدن تیری طرح تصویر بھی تیری

مسجد میں بُلاتا ہے ہمیں زاہد نافہم
ہوتا کچھ اگر ہوش تو میخانے نہ جاتے

امیر اک ذرا دیکھے بھالے ہوئے
محبت میں دل کو سنبھالے ہوئے

کس شرم بھری آنکھ کی ہے فکر الٰہی
جو سر مجھے زانو سے اٹھانے نہیں دیتی

نہیں گلہ وہ اگر میرے دل کا غم نہ سُنے
خدا تو ہے نہیں سنتا اگر صنم نہ سُنے

پتا نہ قیس کا پایا کہیں ہزار پھری
تمام نجد میں محمل نشیں سوار پھری

وہ رنگ ہیں نے دکھائے تڑپ کے قاتل کو ۔ کہ موت گرد مرے ہو کے بیقرار پھری

میری نہیں نصیب تری حسرتِ دیدار ۔ دروازے سے تیرے مجھے جانے نہیں دیتی

کلیاں نہیں پھولوں کی یہ دامن ہیں ہمارے ۔ آلودۂ خون کچھ ہیں گریبان کے پرزے

جنازے پر آؤ نہ تم گور پر ۔ کس امید پر جی سے جائے کوئی

پہنچا ہے نازکی کا یہ رتبہ کہ یار نے ۔ پہنیں جو چوڑیاں تو کلائی اُتر گئی

ہم فقیروں کو کہاں حوصلۂ وصل امیر ۔ مہربان اُس کو جو پایا تو کبھی جا بیٹھے

ہم قتل یوں ہوئے نہ کسی کو خبر ہوئی ۔ قاتل کی آستین بھی لہو میں نہ تر ہوئی

ایسی دو دھڑ کہیں ہو سکتی ہے الفت میں امیر ۔ دل بھی پہلو میں رہے یار بھی پہلو میں رہے

دل کی تڑپ یہی ہے تو ضبط امیر کب تلک ۔ بے اختیار اک دن فریاد کر اُٹھو گے

ہوں میں بیمارِ محبت کوئی مجرم تو نہیں ۔ میرے گھر پر ہے طبیبوں کی چڑھائی کیسی

چھپتا ہے دل کا رنگ کہیں ضبط آہ سے ۔ حسرت ٹپک رہی ہے ہماری نگاہ سے

کہا یہ اُس نے مجھ کو ذبح کر کے ۔ تڑپنے دو یہ حسرت بھی نہ رہ جائے

ہے آسمان الٰہی کس دل جلے کا مدفن ۔ اک شعلہ صبح ہونے اُٹھتا ہے روز یاں سے

ضبط دیکھو اُدھر نگاہ نہ کی ۔ مر گئے مرتے مرتے آہ نہ کی

کہو قضا نہ چڑھے بار بار منہ اُسکے ۔ زباں دراز ہے تلوار میرے قاتل کی

ہاتھ ڈالا ہیں نے پر تو بولے ناز سے ۔ میرا دامن چھوڑیے اپنا گریباں پھاڑیے

نپایا ترے ناتواں کو تو لوگ ۔ کفن رکھ کے تابوت میں لے چلے

آنکھ کس کس سے بار کی نہ ملی ۔ نہ ملی مجھ سے پر کبھی نہ ملی

اور اک بات حسینوں کی نرالی سنیے ۔ دیجئے اُن کو دعائیں بھی تو گالی سنیے

کیوں گٹھریاں بھری ہیں منعم نے پیرہن کی ۔ جائینگی ساتھ اُسکے دو چادریں کفن کی

وہ کیا اُٹھائے ہجر میں صدمے ملال کے ۔ جس ناتواں سے لطف نہ اُٹھیں وصال کے

ساقی نے مست ہوکے جو کیں بے حجابیاں
شرما کے مستی آنکھ کی پردے میں چھپ رہی

جنبش نہیں سینے میں ہمارے رگِ جان کو
قاتل یہ ترے تیر کے پیکاں کی کھٹک ہے

اپنے زخموں کے لیے مشک ہے مجھ کو درکار
بھیجدے ٹوٹے ہوئے بال جو ہوں گیسو کے

زلفوں کے کوڑے باندھ کے مشکیں لگائیے
مختار ہیں حضور مرے بال بال کے

ہجر میں یاد تری زلفِ رسا آتی ہے
ہم کو دوزخ میں بھی جنت کی ہوا آتی ہے

پوچھتا ہیں جو مسیحا کہیں مجکو ملتے
دردِ دل کی بھی تمہیں کوئی دوا آتی ہے

آگ سی دل میں پسِ مرگ بھری رہتی ہے
گھانس کب تربت عاشق کی ہری رہتی ہے

کرتے افشاں سے تمہارے جو ستارو دیکھے
چاندنی رات میں جھڑتے ہوئے تارے دیکھے

خندہ گل سن کے کہتا ہے وہ گلرو ناز سے
چوٹ لگتی ہے مرے دلپر تری آواز سے

بے سبب نالاں نہیں میں یار کے در پر امیر
آشنا کرتا ہوں اسکو درد کی آواز سے

بجلی کی طرح پھرتی تھی محفل میں کوندتی
کیا کہیے وہ نگاہ کدھر کدھر نہ تھی

مارتے ہو نہ جلاتے ہو کبھی عاشق کو
نہ جفا آتی ہے تم کو نہ وفا آتی ہے

خال شب کو رخ روشن پہ تمہارے دیکھے
ہم نے یوسف کی طرح خواب میں تارے دیکھے

صبا بھی ہوکے کبھی نامہ بر نہیں جاتی
ہوا بھی اب تو اِدھر کی اُدھر نہیں جاتی

لاکھ بار اُٹھتا ہے پر جاتا نہیں
درد شاید دل میں میرے قید ہے

ہوتی ہے ہنوز صبح جدائی اگر ایسی
اللہ نہ دشمن کو دکھائے سحر ایسی

اب آؤ زندگی مستعار جاتی ہے
کرو نہ غمزے کہ فصل بہار آتی ہے

یہ سمجھے ہم جو اُٹھا گردباد صحرا میں
کسی کی روح کہیں بیقرار جاتی ہے

رواں ہے گل کی طرح یہ عہدِ شباب
پلا شراب کہ ساقی بہار جاتی ہے

جو بیقراریِ دل اب ہے گر یہی ہوتی
تو آج تک مری کاہیکو زندگی ہوتی

آجتک گور میں لیلیٰ کو نہیں صبر و قرار
میرے مجنوں مرے مجنوں کی صدا آتی ہے

وائے قسمت ہمتو لنگر ہی اُٹھانے میں رہے
پیشکش کرنا بھی لازم ہے بسمل کے لیے
مجھی پر چھُری تیز ہے ناصحا
بڑا کریم ہے زاہد وہ بخش ہی دیگا
فصلِ گُل آئی ہے یوں ہم تم ملیں اے گلبدن
تیرے کوچے سے اب نہ گزریں گے
بُت میں نہ وفا کی بات پائی
آئی پیری قشقہ دھو زنّار توڑ اب اے امیر
زاہد و ہم سے پوچھو قدر اِن کی
غش آ گیا کبھی کبھی آنکھیں بدل گئیں
دردِ بُلبل خدا نہ سُنوائے
زاہد کہے جو گزرے وہ بُت کبھی نظر سے
مجلس وعظ میں آنا تو نہ ممکن تھا امیر
ہستی و نیستی کا کھلتا نہیں ہے عقدہ
صبر آتا ہے نہ مجھ کو نہ اُسے آتا ہے
میرے بالیں پہ آ کے بولی اجل
کیا غمِ عشق جان سے کم ہے
اک کنارے پڑا ہُوا ہے امید
دل نے کہا جو یار سے لپٹا میں وصل میں
میں تو سب اپنے کام خدا ہی کو سونپ دوں
شیخ حرم کا مشرب میں خوب جانتا ہوں

اڑ گئیں موجوں کی صورت کشتیاں احباب کی
سر لگا رکھا ہے میں نے تیغِ قاتل کیلئے
کبھی اُس کو جا کر نصیحت نہ کی
بساط کیا ہے ہم ایسے گناہگاروں کی
جیسے کلیاں نکلی ہیں شاخوں سے سر جوڑے ہوئے
ہم بھی ایسے نہیں گئے گزرے
بے عیب خدا کی ذات پائی
کیا اسی صورت سے جائیگا خدا کے سامنے
بت ملے ہیں خدا خدا کر کے
کیا کیا شبِ فراق میں نوبت گزر گئی
ہائے گُل کی صدا نہ سنوائے
ساری خدائی صدقے ایک ایک بال پر سے
ہم کو تھامے ہوئے یاں دستِ سبو لایا ہے
آتے ہیں کچھ اُدھر سے جاتے ہیں کچھ اِدھر سے
دلکو سمجھاتا ہوں میں دل مجھے سمجھاتا ہے
اُٹھیے سرکار نے بُلایا ہے
غم رہے جان کا کسے غم ہے
کچھ تمہارا غریب لیتا ہے
اے شوقِ وصل ہاں کوئی ارماں رہ نجائے
لیکن یہ خوف ہے کہ خدا بے نیاز ہے
لب پر صنم صنم ہے دل میں صنم صنم ہے

جانا اگر حرم کو ہے منظور اے امیر
سو رہا پھیر کے منہ یار شبِ وصل امیر
مسکرائے وہ اس ادا سے امیر
ہم جس کے غم میں مرتے ہیں اُس کو ابھی تلک
خواب میں تھا وصل اب اُس سے جدائی ہوگئی
اُسکو بھی ہجر میں نہ تھا ہماری خبر
بیٹھے جو میرے سینہ پہ خنجر وہ کھینچکر
جا کر کہیں گے حُسن کے بازار میں امیر
آپ سے بُلبل نکلتی ہے کہیں گلزار سے
چمن میں مری خاک اگر جائے گی
ترے لبس میں ہے بوے گل اے نسیم
نہ دیکھا تو نے اے لیلیٰ کبھی چشمِ محبت سے
نقشِ تربت سے ہوں آفت میں امیر
دشتِ فرقت میں پڑی ہے مجھ پہ کیا مشکل گڑی
پاس یکتائی کا اُس شوخ کو ایسا ہے امیر
سمجھائیں مجھ کو ناصح لیکن ذرا سمجھ لیں
بیخودی یار کا پتا دے گی
بیٹھے جاتے ہیں وہ ہار یاسمین کو بوجھ سے
کیا مجھی کو دیکھ کر حیرت ہوئی
بولے وہ شب وصال مجھ سے
ترے کوچے میں ہیں سر بکف پر فرق ہے اتنا

تو میکدے سے راہ ہے سیدھی لگی ہوئی
واہ کیا طالع خوابیدہ نے کروٹ بدلی
میں تو سمجھا کہ اب گری بجلی
یہ بھی خبر نہیں ہے کہ بیمار کون ہے
آنکھ میری کیا کھلی تقدیر میری سوگئی
کمبخت موت آج کہاں جا کے مر رہی
سمجھا میں آئے ہیں مرے ارماں نکالنے
ہم دل کو بیچتے ہیں خریدار کون ہے
بیکسی ہم کو لیے جاتی ہے کوے یار سے
تو بلبل ندامت سے مرجائے گی
جدھر جائیگی تو اُدھر جائے گی
ہرن جا جا کے آنکھیں ملتے ہیں مجنوں کی تربت سے
مرٹ چکے یہ بھی کہیں جھگڑا مٹے
دن بہت کم رہ گیا ہے اور ہے منزل کڑی
گھر میں ہو آئنہ تو گھر کی طرف منہ نہ کرے
وحشت گی میں بھی لو نگا مجھ کو جنوں کبھی ہے
بے نشانی نشان بتا دے گی
اُٹھ نہیں سکتی کلائی آستین کے بوجھ سے
دیکھو آئینے کی کیا صورت ہوئی
اس شوق کی انتہا بھی کچھ ہے
کوئی ہے دو قدم پیچھے کوئی ہے دو قدم آگے

منہ سے جو آہ نکلی وقتِ وداعِ قاتل
دل نہ بازار میں ٹھنگا ہی نہ سکتا چھوٹے
دشتِ وحشت میں آدمی کیا
ہم سب مجنوں کو سرے کی طرح
دل جو تڑپا تو آنکھ کیوں روئی
مکان سے سوئے لامکان لے گئی
کوئی امیر ترا دردِ دل سنے کیونکر
وصل دل کھولکر ہوا نہ نصیب
چڑھ کے منبر پہ ہجر سے واعظ
آنسو تو بہاتا ہوں مگر ڈر ہے مجھ کو
وصل کی گل سے کوئی راہ تو نکلے صیاد
محنتیں کس کس سے لیں قاتل ترے نخچیر نے
دردِ دل کہیے تو کہتا ہے وہ شوخ
مشتاق بوئے زلفِ رسا کا دماغ ہے
چاک چاک ایسا ہوا دستِ جنوں سی پیرہن
شریکِ درد نہیں کوئی بڑھ کے آنکھوں سے
آستیں یار نے چڑھائی ہے
کس نگہ سے تم نے دیکھا تھا امیر
جنبش ہوئی جو نوکِ مژہ کو وہاں امیر
تو وہ بت ہے کہ تجھے ساری خدائی چاہے
آنکھ ابھی یاد میں اک گل کی لگی ہے میری

بولا کہ تیر مارے تب آفریں نہ نکلی
کھو ہی جائے کہیں کمبخت کہ جھگڑا چھوٹے
سیکڑوں کوس جو گئے نہ ملے
تیری چتون نے لگا رکھا ہے
بیٹھے بیٹھے اسے یہ کیا سوجھی
یہ وحشت کہاں سے کہاں لیگئی
تو ایک بات کہے اور دو گھڑی روئے
تو ملا تو کمر تری نہ ملی
اور جوشن لے کوئی خرا باتی
دھو جائے نہ تن سے کہیں خاک اُسکی گلی کی
بیچ ہی ڈال مجھے ہاتھ کسی گلچیں کے
چالے کھینچے تیر نے سجدے کئے شمشیر نے
ایک ہی تم کو کہانی یاد ہے
تیرا ابھی اے امیر بلا کا دماغ ہے
کچھ نہیں کھلتا گریباں کون دامن کون ہے
کہ ایک روتی ہے جب دوسری بھی روتی ہے
وقتِ تقدیر آزمائی ہے
روتے روتے اُن کو ہچکی لگ گئی
اک پھانس سی یہاں مرے دلمیں کھٹک گئی
بندہ اللہ سے کس کس کی بُرائی چاہے
دو گھڑی مجھ کو نسیم سحری سونے دے

کہا جب اے صنم جلوہ دکھا دے
تو وہ بولا کہ یہ دولت خدا دے

پوچھا نہ جنسِ دل کو بازار میں کسی نے
سو بار لیگئے ہم سو بار پھیر لائے

ضعف کی کچھ کہی نہیں جاتی
سانس بھی اب تو لی نہیں جاتی

راتوں کو کہا کرتا ہے بلبل سے یہ صیاد
ظالم تری فریاد تو سونے نہیں دیتی

چھڑک کر میرے زخموں پر نمک قاتل یہ کہتا ہے
نمک سے پاٹ دوں میں آج میرا دل یہ کہتا ہے

لگاؤں دور سے تلوار وہ قاتل یہ کہتا ہے
لپٹ جاؤں میں جوہر بن کے میرا دل یہ کہتا ہے

زبانِ شمع کہتی ہے کہ میں تجھ کو جلا دوں گی
میں کب ٹلتا ہوں پروانہ سرِ محفل یہ کہتا ہے

کیا کہتے ہو تم زبان سنبھالو
یہ بھی کوئی گفتگو کا ڈھب ہے

تنہا مرے پاس شب کو آئیں
اتنا مرا اعتبار کب ہے

آپ ہی جل رہے ہیں پروانے
شمع کی سرگذشت کون سنے

جب دن کو کہا ان سے کہ وہ بات نہ ہوگی
بولے کہ ٹھہر جا ابھی کیا رات نہ ہوگی

سمجھانہ میں تو حضرت ناصح کی ایک بات
کچھ خود ہی وہ کہا کیے خود ہی سنا کیے

چمن میں نالۂ بلبل سے بے دماغ ہیں سب
نہ آپ سوئے نہ ظالم کسی کو سونے دے

مطلب کی بات منہ تلک آتی نہیں کبھی
اک بات ہے کہ میرے دہن میں زبان ہے

پوچھے کوئی فلک سے کہاں قیس و کوہکن
دو اک جو تھے نمود کے عاشق وہ کیا کیے

کہتا ہے کون گرد سواری کے گرد ہے
مجنوں کی خاک محمل لیلےٰ کے گرد ہے

جب کہا میں نے بتو کیوں مجھے کرتے ہو شہید
ہنس کے کہنے لگے للہ بھی اک کام سہی

کرتے ہو سب یہ چاک مرا تیر کے لیے
اللہ میرے دل سے بھی ہیکاں عزیز ہے

اسکی پروا کچھ نہیں تکلیف یا آرام سے
اے غم جاناں مجھے تیری خوشی سے کام ہے

صبر آتا ہے مرے دل کو نہ تو آتا ہے
رات دن اب مری آنکھوں سے لہو آتا ہے

عشق اب ہم کو خاک باقی ہے
اک ذرا جھانک تاک باقی ہے

بہت بقا نہ سمجھا اے ہزار پھولوں کی
گلی ہیں یار کی جب تک کہ مر نجائیں گے

مجبور ہیں گھبرا کے جا نکلے جو ہم
دستِ ساقی سے جو میں کچھ جام لینے میں رُکا

ہیں رو دیا جو امیر اُنکے مسکرانے پر
گیا دل تو لیکن یہ منزل کڑی ہے

آپ ہی تم امیر کھوئے گئے
کیا اُس بُت نے قتل الحمدللہ

عشق میں انجام ہے میری سیہ بختی کا کیا
خنجر کا ذوق شوقِ شہادت کا جوش ہے

حیرت کی جا نہیں ہے جو وہ خود فروش ہے
جب دیکھتا ہوں یار کے بندِ قبا کھلے

یہ رنگِ تشنہ ہائی ہے بعد مردن بھی
گم ہو گیا ہوں یار کو میں نامہ بھیجکر

میرے بالیں پہ روتی ہے حسرت
وہ تیر جلد کہیں آئے کب سے بیٹھے ہیں

ترے در تک تو لایا ہے ہمیں شوق
اسواسطے مرنا نہیں ایجان ابھی تک

ڈالی پھولوں لی اگ میرے حضور آتی ہے
رہے ہیں شب وصل ہیں برسوں ہم سر کروٹ وہ اُس کروٹ

وہ کیا جانے کسی کا حال کیا ہے
کہ چار دن ہے چمن میں بہار پھولوں کی

ہزار ہم گئے گزرے ہیں پر نہ جائینگے
قیس بولا پیر و مرشد خیر ہے

غیب سے آواز آئی یہ شب آدینہ ہے
یو بولے آپ لی میری ہنسی نہیں ہوتی

ابھی عشق میں جان کھونی پڑی ہے
یار کی جستجو کو نکلے تھے

یہی تو ہم خدا سے چاہتے تھے
یار زلف شانہ ہیں سے اپنی اپنا پوچھ دے

سر کی مجھے خبر ہے نہ گردن کا ہوش ہے
جوبن کا ہے اُبھار جوانی کا جوش ہے

کہتا ہوں یوں ہی دلکی گرہ یا خدا کھُلے
اُگے ہیں خاک سے کانٹے زبان نکالے ہوئے

قاصد پھرے اُدھر سے تو پائے کہاں مجھے
عشق بھی مرگ نوجوانی ہے

جگر کو تھامے ہوئے دلکو ہم سنبھالے ہوئے
یہاں سے گھر تلک اب کون پہنچائے

بیداد کا تم کو کوئی ارمان نہ رہجائے
ٹپکتی ہے مجھے بوئے غرور آتی ہے

خدا رہنے کی مات مشکلوں سے ہنے والی ہے
کہ درد جس سے نام سُننا ہے

غمِ ہجر سے کوئی اتنا تو پوچھے — کلیجہ مرا کیوں ملے ڈالتا ہے

جو بہت اشک بہانے کی بری ہوتی ہے — دیکھ اے چشمِ تر اب کیسی ہنسی ہوتی ہے

پھر تو نے امیر اُس بے کی بات — سو باتیں ابھی سنا چکا ہے

ایسی کیا بات کہ اُٹھے تم امیر — کہ کسی طرح پھر ہٹا نہ سکے

دونوں ہیں ادھر ہی سے گر فرق ہے تو اتنا — تقدیر بنا دی ہے تدبیر بتا دی ہے

انسان جو چاہے کہ نہ ہو اس کو کبھی رنج — زنہار کسی سے کوئی امید نہ رکھے

آزردہ غیر سے ہوئے دیں مجھ کو گالیاں — کس سے بھرے ہوئے تھے وہ کس پہ برس پڑے

پی کے آپ شمشیر ہے اب تک وہی پیاس — منہ سے باہر ترے کشتے کی زباں نکلی ہے

عجب بیخودی ہے خبر کچھ نہیں — کہاں سے ہم آئے کہاں جائیں گے

نہ رہنے نہ جانے کی ہم کو خبر ہے — یہ کیسی اقامت یہ کیسا سفر ہے

نامہ بر یار کے آنے کی نہیں کہتا ہے — ایک بھی بات ٹھکانے کی نہیں کہتا ہے

سارا جہاں ہے گویا تصویروں کا مرقع — اس بزم میں کسی کو پرواہ نہیں کسی کی

کٹ کے سر میرا جو قدموں پر گرا — گر پڑے آنسو مرے جلّاد کے

ناجوانی ہوش تھا پیری میں غافل ہو گئے — رات بھر جاگا کیے ہم صبح ہوتے سو گئے

ہے یہی قتل کی لذت تو مجھے اے قاتل — حشر کو بھی تری فریاد نہ کرنے دیگی

یہ دل نے کُنجِ قناعت سے آشنائی کی — کہ ہاتھ اُٹھا کے دعا کی شکستہ پائی کی

جان پائی ہے غمِ الفت ہیں کھونے کے لیے — دل تڑپنے کے لیے ہے آنکھ رونے کے لیے

دم جو نکلا غمِ فرقت ہیں تو ہم یہ سمجھے — دل جو روٹھا تو منانے کے لیے جان گئی

جگر پنکھا ہلاتا ہے جو دل سینے میں جلتا ہے — جو ہمسایہ ہے آخر کام کچھ اُس سے نکلتا ہے

بالائے آسمان تھے ہم عرش آشیاں تھے — کوئی نہ تھا وہاں تھے اب کیا کہیں کہاں تھے

خاموش ہیں لحد میں جو لوگ خوش بیان تھے — غنچوں کے وہ دہن ہیں بلبل کی جو زباں تھے

دیکھا خزاں میں ہم نے بلبل کے آشیاں کو
دو چار پر شکستہ دو چار استخواں تھے

کمزور پا کے ہم کو کیا بل کی لے رہے ہو
ہم بھی تو نوجوانوں آخر کبھی جواں تھے

پہنچے جو ہم عدم کو اہل حرم یہ بولے
مدت کے بعد آئے اتنے دنوں کہاں تھے

میں نہ کہتا تھا فغاں کی مجھ سے فرمائش نہ کر
باغباں سب پھول مرجھا کر چمن میں رہ گئے

کچھ تو میرے درد دل نے اُسکے دل میں راہ کی
بیٹھے بیٹھے آج اس بیدرد نے اک آہ کی

دی مجھ کو محبت اک پری کی
اللہ نے بندہ پروری کی

ہر روز میرے منہ پر ہنستے ہیں دوست دشمن
رونے ہر گھڑی کے سب آبرو ڈبو دی

مجھکو حیرت ہے کہ دنیا کی تو فانی ہے بہار
نخل حسرت کسطرح اس چمن میں رہ گئے

جو وہاں جاتا ہے پھر اُسکی خبر ملتی نہیں
نامہ بر کے واسطے بھی نامہ بردر کار ہے

بہار اُس رُخ رنگین کی لوٹتا ہے خط
ہم ایک عمر سے ہیں جسپہ زہر کھائے ہوئے

ترے چاہنے والے مرجائیں گے
یہ ناکام بھی کام کر جائیں گے

منہ دیکھوں میں مقتل میں اجل کا ترے ہوتے
لے خنجر قاتل تجھے غیرت نہیں آتی

چھانتا ہوں تری گلی کی خاک
دل مرا ہے یہیں ملے نہ ملے

بجائے دختر رز میکدہ میں حور آئے
جو توبہ توڑوں تو آواز یا غفور آئے

جب آتا ہے غش ہم کو آتا ہے دھیان
امیر ایک دن یونہی مرجائیں گے

جب میں کہتا ہوں غضب سے ترا مکھڑا کیا ہے
ہنسکے کہتا ہے ابھی آپ نے دیکھا کیا ہے

کوئی دم بے تکلف ہو کے مسندوں میں اگر بیٹھے
تو جو کچھ عرش پر ہے دیکھ لے زاہد وہ گھر بیٹھے

امیر اتنا جو ہوں میں پست قسمت وجہ ہے اسکی
بلندی بخت کے حصے کی بھی اشعار میں آئی

تمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواہرِ انتخاب

ہاتھ رکھ کر مرے سینے پہ جگر تھام لیا
تم نے اس وقت تو گرتا ہوا گھر تھام لیا

آج تو ہے اس کی فرقت میں بلا کا سامنا
آگیا قاتل تو کل ہوگا خدا کا سامنا

اُڑائے پرزے تو قاصد کو ناگوار ہوا
میں خوش ہوں ایک سے نامہ مرا ہزار ہوا

صد شکر ہم سے آج وہ شاکیِ قمر کھلا
انگڑائی لی تو سمجھے کہ مقصد کا در کھلا

وحشت میں کہاں اب کوئی ہمپایہ ہے میرا
سب چلدیے ہمزاد ہے یا سایہ ہے میرا

گڑ کر زمین میں ظلم سے بچنے کا دھیان تھا
دیکھا تو زیرِ خاک وہی آسمان تھا

راہ بتلادی عدم کی خضرِ منزل مل گیا
گھر سے اچھے وقت نکلا تھا کہ قاتل مل گیا

بعد مرنے کے لگی ہاتھ دوا بھی تو کیا
مُردۂ تشنہ جو دریا میں بہا بھی تو کیا

کیف حاصل ہو لگے داغ نہ میخواری کا
مستیِ عشق بڑا کام ہے ہشیاری کا

بیداد تھی شوخی تھی جفا تھی کہ ستم تھا
ہوتی جو وفا آپ جو کچھ تھا وہ کم تھا

جان کر دوست وہ ہوئے شاکی
چاہیے شکر اس شکایت کا

دھیان کیوں فرقت میں باندھا اُس لبِ جاں بخش کا
وائے قسمت دم نکلنے کا سہارا بھی گیا

تمنے ہم سے بیوفائی کی تو تم سے حسن نے
لے گئے مسجد سے مجھ کو مغبچے
کب گیا دل سے حسینوں کا خیال
برسوں کعبے میں رہے جا کے کلیسا کیسا
مانگ بالوں میں نکلواتے ہیں اب غیر سے وہ
بستر خواب کو دیکھو کہ ہے ٹکڑے ٹکڑے
ہار اُس گل کا مرے ہاتھ سے ٹوٹا ہیہات
احسان یہ وقت گریہ ہے تیرے خیال کا
خم توڑ کر بنائے بہت ساغر شراب
قبر کھودی تو مگر یہ مری وحشت سے ڈرا
یوں شب ہجر میں کرتے ہیں غلط غم اتنا
شہر بیگانہ میں ہوتا ہے مسافر کا جو حال
میں انجمن میں حسینوں کی تازہ آیا ہوں
قریب اور کسی کو یہ جا کے دے قاصد
خط وطن کو لیے جاتا ہے تو لیجا قاصد
ہچکیاں لیتے ہیں مقتل میں ترے بسمل ناز
قاصد کو ہوا دیکھ کے شاید اُسے سودا
نہ پوچھ نہ مجھ سے جا کے حسینوں میں دل کا حال
ساتھ طاؤس کے صحرا میں کیا قیس نے رقص
ہے دور ردئے یار میں غائب سراغ شب
گستاخ کس قدر ہے کہ محفل میں یار کی

وہ بڑا عادل ہے دیکھا انتقام آخر ہوا
توبہ توبہ ہیں پکارا ہی کیا
شیشے ہیں پر یاں اُتارا ہی کیا
نملا ڈھونڈ چکے ہم اُسے کیسا کیسا
ہے جو منظور مرا چاک گریباں ہوتا
حال کیا پوچھتے ہو ہجر کی بیتابی کا
ساتھ ہی کیوں نہ مرا تار نفس ٹوٹ گیا
دریا میں ڈوبتا تھا نکالا کرم کیا
مستوں پہ محتسب نے نرالا کرم کیا
اپنی چادر بھی یہیں دزد کفن چھوڑ گیا
مردہ خود بنتے ہیں خود کرتے ہیں ماتم اپنا
ہے حسینوں کے محلے میں وہ عالم اپنا
خبر نہیں ابھی کس کا مزاج ہے کیسا
وہ اور صلح کا پیغام ہو نہیں سکتا
پر مرا حال نہ یاران وطن سے کہنا
یا کسی بزم میں مجمع ہے خوش آوازوں کا
آیا در جاناں سے مگر کچھ نہیں کہتا
آپس کی چھین چھان میں صد چاک ہو گیا
ابر تیرہ کو سیہ خیمۂ لیلےٰ سمجھا
باقی ہے اب نو ماہ کے سینے میں داغ شب
خاموش صبح تک نہیں ہوتا چراغ شب

ممکن نہیں کہ بوسہ ملے مجھ کو یا جواب
مشکل کی بات ہے دہن اُسکا ہی لاجواب

مجھ سے مسکین کے پاس رہتا ہے
کتنا مسکین نواز ہے غمِ دوست

شب وصل کی نہیں ہے یہ گویا ہے روزِ حشر
جنت ہے روے دوست جہنم ہے خوئے دوست

اشک دامن سے یار نے پوچھے
کچھ تو آنسو پچھے ہمارے آج

کیسے ہے وصل کی خواہش ترے خیال کے بعد
کہ حشر تک نہیں پھر ہجر اس وصال کے بعد

خوشی کا رنج ہے مجھ کو ملال کی ہے خوشی
کہ رنج ہے پس راحت خوشی ملال کے بعد

خبرِ آمدِ گل کیسی سنائی صیاد
یونہی ہم جلتے تھے اور آگ لگائی صیاد

ہو کو سے اُنکے جو صدمہ ہو جان پر
خوش ہوں کہ میرا نام تو آیا زبان پر

روسیاہِ جرمِ اُلفت بے قصور آیا نظر
سطرِ قرآن کی طرح ظلمت میں نور آیا نظر

اے دشمنِ جان خوف تیری تیغ سے کھا کر
آئی ہے اجل چشمۂ حیوان میں نہا کر

کرے قبول اگر کسی محرم کا یار عذر
ناکردہ جرم جاکے کروں میں ہزار عذر

آیا غش اُسکے سامنے پروردگار شکر
پانی تو منہ پہ یار نے چھڑکا ہزار شکر

مقامِ شکر ہے ممتاز غیروں سے کیا اُسنے
گناہوں پر سزا دی ان کو مجھ کو بیگناہی پر

نیرنگیِ عالم میں کبھی فرق نہ پایا
دیکھا تو وہی صبح وہی شام ہے ہر روز

کہیں ٹٹتے ہیں ہمارے دلِ مایوس داغ
ہونگے مرہم سے نہ اچھے کبھی طاؤس کے داغ

حقا کہ دو جہان میں ہے ذات اللہ ایک
دو آنکھیں جسطرح کہ ہے ان میں نگاہ ایک

وہی دلبر ہے ہو جو دلربا ایک
ہزاروں بُت ہیں عالم میں خدا ایک

اُس در پہ سجدہ کر کے یہ دربان سے کہہ لیا
مسجد یہاں سے دُور ہے وقت نماز تنگ

کہا میں نے کہ تم پر جان دوں میں
کہا یہ بھی ہے کیا دینے کے قابل

ہم کو پروا نہیں پھولے ہیں جو گلزار میں گُل
نوک مژگاں پہ ہے یاں لختِ جگر خار میں گل

لٹ گئے ایسے جفا کار ترے جور سے ہم
چار ہی روز میں کچھ اور ہوے اور سے ہم

ہے قصدِ شبِ غم ہیں کریں دل ہی سے باتیں
پھر کہتے ہیں دیوانے سے کیا بات کریں ہم

دن گیا رات ہوئی رات گئی دن آیا
نہ ہوئی پر نہ ہوئی گردشِ ایام تمام

دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں
رہ گئی ایک نہیں ہاں کا کہیں نام نہیں

یادِ موئے مژۂ یار دلا دیتی ہیں
چبھ کے پھانسیں جو مرے دل کو مزا دیتی ہیں

دیکھنے کو تمہیں اے اہلِ عدم آتے ہیں
خیر اگر تم نہیں آتے ہو تو ہم آتے ہیں

کیجیے شوخی وہ جس میں شرم کے انداز ہوں
پھاڑیے کپڑے مگر سب چاک بے آواز ہوں

مرگِ مجنوں سے ہے ماتم اب بھی برپا دشت میں
خاک اڑاتے ہیں بگولے سر پہ کیا کیا دشت میں

آیا ہے یار سامنے لازم ہے غش کروں
ہوش و خرد جو کچھ ہے وہ پیشکش کروں

رحم کرنا تو جفاکاروں کا دستور نہیں
ہاں اگر درد ہو میرا سا تو کچھ دور نہیں

ملال کس سے کہوں کوئی آس پاس نہیں
شریکِ غم فقط اک دل اُسے ہواس نہیں

ہر چند نہیں وصال ممکن
وہ چاہے تو ہے محال ممکن

امید جواب کی ہو کیا خاک
جب اُس سے نہ ہو سوال ممکن

پیکے ہے ان واعظوں سے عذرخواہی کیا کروں
بوئے مے آتی ہے ہونٹوں سے الٰہی کیا کروں

لے کے تلوار جو قاتل کی فغاں کرتا ہوں
لذتِ زخم رفیقوں سے نہاں کرتا ہوں

بزمِ جاناں سے میں کب جاتا ہوں
روز کہتا ہوں کہ اب جاتا ہوں

کبھی وہ دن تھے کہ خورشید تھا میں
اب تو سائے سے بھی دب جاتا ہوں

ہجومِ رنج ہے اس کا خیال کچھ بھی نہیں
ملال یہ ہے کہ اُن کو ملال کچھ بھی نہیں

میں بھی اب امتحانِ یار کروں
چاہیے ضبط اختیار کروں

بعد مرگ آئے ہیں وہ تربت پر
اب کہاں جان جو نثار کروں

دل بھی ہے انتظار یار ہیں گم
اب کہو کس کا انتظار کروں

حالت سے دل کی ہیں اُسے آگاہ کیا کروں
طاقت جب آہ کی بھی نہ ہو آہ کیا کروں

عادت ہے مجھ کو آہ کی نازک مزاج یار — ہے وصل میں یہ سوچ کہ اللہ کیا کروں

آتا ہے یہ دل میں اُسے ناصح کو دکھا دوں — پر رشک جو مانع ہے جواب اُسکو میں کیا دوں

بے دیکھے برہمن کو ہے انکار میں حیران — اللہ کوئی بت تو نہیں ہے، کہ دکھا دوں

پیری ہیں ہیں یوں عشق کے داغ اپنے بدن میں — گل پھولتے ہیں صبح کو جس طرح چمن میں

رشتہ بر پا مجھے صیاد نے آزاد کیا — تا اُلجھ کر کسی کانٹے سے بیاباں میں رہوں

رہنے دیتا نہیں صیاد بھی اپنے گھر میں — ایسی تقدیر کہاں ہے کہ گلستاں میں رہوں

دل سے کہتا ہے تصور یار کا — تو مصوّر ہے تو میں تصویر ہوں

جاے میخانہ بنی ہے مسجد — کبھی گھورے کے بھی دن پھرتے ہیں

مانگے کیونکر دعاے طولِ عمر — منہ کی مانگی موت بھی ملتی نہیں

جان کر غیر بلایا جو مجھے میں آیا — اپنے دھوکے پہ خفا ہوں میں گنہگار نہیں

سب بلاؤں سے چھڑایا ہے جنوں نے مجھ کو — لاکھ اب مجھ سے خطا ہو میں گنہگار نہیں

حیاتِ جاودان ہے اُن پہ مرنا — مرے دشمن نصیبِ دشمناں کیوں

کیوں کہوں اُن سے کہ چھوڑو شیوۂ جور و ستم — ترکِ عادت ہے، عداوت میں کوئی دشمن نہیں

کام آیا ضعف ہی کوے بتِ دلخواہ میں — سایے کے ہمراہ گر کر بچ گیا میں راہ میں

سُنی ایک بھی بات تم نے نہ میری — سنیں میں نے سارے زمانے کی باتیں

کبھی ذکرِ دشمن کبھی ذکرِ فرقت — یہ سب ہیں مرے آزمانے کی باتیں

لیا نام واعظ نے جب اُسکے در کا — کہا میں نے اب ہیں ٹھکانے کی باتیں

نکالا اُس نے اس حیلے سے ہم کو اپنے کوچے سے — چلو جلدی کرو ساماں دعوت کا ہم آتے ہیں

اُس کوچے میں کچھ رہرووں کے نقشِ قدم ہیں — کچھ طالبِ دیدار بچھا آئے ہیں آنکھیں

آٹھ اللہ نے جنت کے بنائے گلزار — ہے نواں داغوں سے گلزار مرے سینے میں

مردِ مفلس ہوں مرے اشکِ مسلسل ہوں قبول — اور میں موتیوں کے ہار کہاں سے لاؤں

قاضی کے سامنے میں اگر مست ہوں تو ہوں
کہاں کوئی محرم کہوں کس سے غم
دعائے مرگ فرقت میں جو مانگی
اس رشک کا بُرا ہو کہ گلیوں میں خلق سی
دل مکدر ہے بہت بیٹھا ہے آئیں نہ یار
ٹھہر ٹھہر کے ذرا لے چلو مرا تابوت
بعد مرگ آسودگی کیسی کہ سو سو بار ہم
تیرے وعدے پہ شاد ہوں کیونکر
ہوئے زاہد مرید پیر مغاں
فقط دو ہاتھ سو ہے ایک ہی جام ایک ہی شیشہ
کریگا قتل آخر رشک مجھ کو قتل ہونے دیں
جان دی تب ملی مجھے راحت
اس جرم پر بجا ہے سزا دے جو مجھ کو ہجر
فقط غرض کی ہے دنیا کہ جب نکلتی ہے جان
غافل مری طرف سے ایسے جو ہو رہے ہو
قاتل کا جب تمام زمانہ شریک ہو
آہ کرنے پہ کیوں بگڑتے ہو
درپئے دشمنی عاشق ناکام نہ ہو
خوشی ہو نزع میں بھی پاس آس پاس نہ ہو
مہر و وفائے غیر کا پیچھے گمان کرو
نہیں گھیرا ہے پلکوں نے یہ چشم مست دلبر کو

خدمت میں میفروش کے ہشیار تو نہیں
کہ غم کے سوا کوئی محرم نہیں
محلّے والے چلّائے کہ آمین
کہتا ہوں تجھ کو میں یہ مرا دلربا نہیں
ہے یہ دھڑکا زنگ لگجائے چھپکاں ہیں کہیں
کہاں امید کہ پھر آؤں کوئے قاتل میں
مر چکے ان خوب رویوں پر مگر راحت نہیں
اپنی قسمت کو جانتا ہوں میں
واہ مرشد کو مانتا ہوں میں
کہاں وہ ہاتھ ہے اب جو پڑے ساقی کی گردن میں
شفاعت کے لیے کیوں لوگ اُسکے پاؤں پڑتے ہیں
موت سے کچھ میں شرمسار نہیں
جیتا رہا میں لذت روز وصال میں
عزیز مردے کو گھر سے نکالدیتے ہیں
آنکھیں تو کھولو صاحب کس نیند سو رہے ہو
اللہ ہے کہ فیصلہ بسمل کا ٹھیک ہو
تم تو صاحب ہوا سے لڑتے ہو
خوبصورت ہو خدا کے لیے بدنام نہ ہو
کہ دیکھنے جو وہ آئے کہیں اُداس نہ ہو
ترچھی نظر سے پہلے ذرا امتحان کرو
لیا ہے دونوں ہاتھوں سے کسی میکش نے ساغر کو

جان بخش لب سے فیض جو ملجائے آپ کو
جھکنے میں سر کے دیر نہ تیغ کیں نہ ہو
منکرِ گوشہ نشینانِ خرابات نہ ہو
ہمنشینوں سے یہ ایما ہے نہ پاس آنے دو
پہلے زلفوں کو سنگھا کر مجھے بیہوش کرو
بھرے آتے ہیں آنسو میرا حالِ زار دیکھو تو
عیادت کیسی اتنا بھی کبھی منہ سے نہیں کہتے
سناؤں کیا انہیں نالے میں اپنے راتوں کو
آپ کو دیکھتے چلتے ہیں وہ جوبن اپنا
شبہ کرتے ہیں وہ حبب رکھتے ہیں دربان نوکر
ضعف سے پاؤں کا وہ حال کہ جنبش ہے محال
ناز ہے تم کو بہت حسن کی یکتائی پہ
داد ہر وار ہمیں کرنا ہے مجھی سے وہ طلب
یوں بھی آتا ہے کہیں کوئی کہ میرے گھر میں
لاغری کا ہے یہ احسان کہ میں اس محفل میں
یار کے ذکر سے ناصح نے لگائی اور آگ
دیکھے کہاں تھے ایسے حسینوں کے جمگھٹے
دل منعم و نقیب سے کے بدلا کرلے سپہر
ملتا ہے مشقت سے نزادامن دولت
خدا کرے کہیں تو اے صنم سفر سے پھر
ضعف سے کچھ بھی چل نہیں سکتی

طوفان میں عمرِ نوح ہر حباب کو
وہ شوخ زود رنج ہے چیں بر جبیں نہ ہو
کہ یہی گوشہ کہیں قبلۂ حاجات نہ ہو
حکم دربانوں کو باہر نہ اسے جانے دو
پھر مرے سینے سے تم تیر کا پیکاں کھینچو
اٹھا ہے آج کیسا ابرِ دریا بار دیکھو تو
جہاں سے اٹھ گیا عاشق کہ ہے بیمار دیکھو تو
وہ دل میں خوب سمجھتے ہیں ایسی باتوں کو
دیکھتا ہوں میں تو کہتے ہیں کہ کیا دیکھتے ہو
بھیس بدلے ہوئے ان میں کوئی چالاک نہ ہو
ہاتھ وہ جن سے گریباں بھی کبھی چاک نہ ہو
اک ذرا آئینہ خانے میں تو چلکر دیکھو
قاروانِ زخم کا سمجھا ہے جو قاتل مجھ کو
پاؤں رکھا نہیں کہتے ہو کہ گھر جانے دو
روز جاتا ہوں خبر تک نہیں دربانوں کو
یارب آیا تھا تسلی کو کہ تڑپانے کو
محشر کا روز اور الٰہی دراز ہو
اس کو کبھی خوشی کبھی اس کو ملال ہو
بے توڑے ہوئے پاؤں یہ آتا ہی کہاں تھا
کہ جاں بلب ترا عاشق خدا کے گھر سے پھرے
آہ منہ سے نکل نہیں سکتی

یہ غش ناتوانی سے آنے لگے
کہ پانچوں حواس اب ٹھکانے لگے

ایسا ہے کون اُسکو جو میری خبر کرے
اک آہ ہے سو وہ بھی جو پیدا اثر کرے

ہائے بڑے بید رو یہ بت کس کے آگے روئیے
خاک بھی ہونا نہیں ہے آبرو کیوں کھوئیے

ٹالتے ہیں روز وہ پر دل مرا مسرور ہے
آج کل کب تک کرینگے کیا قیامت دور ہے

کیا مزہ انجمن یار میں دل پاتا ہے
ذلتیں روز اُٹھاتا ہے وہیں جاتا ہے

خوشی نظر کہیں اندوہ و یاس میں آئے
اجل ہی کاش پری کے لباس میں آئے

گلا کٹا نہ ذرا اُف بھی داد خواہ نے کی
چھری وہ تیز تری نشترِ نگاہ نے کی

ہجر میں نیند کا جھونکا اگر آجاتا ہے
پھر کوئی خواب میں ٹھوکر سے جگا جاتا ہے

فوج بہار باغ سے گرم شتاب ہے
نالے سے جو شجر ہے وہ پا در رکاب ہے

اب یہ حالت ہے کہ واقف ہو کہ حالِ زار سے
میرے دشمن کرتے ہیں میری سفارش یار سے

عشق سی پیری میں بھی کچھ لاگ باقی رہ گئی
کاروانِ عمر گذرا آگ باقی رہ گئی

ہے دختِ رز حلال تجھے کیا تمیز ہے
واعظ یہ زر خرید ہماری کنیز ہے

جانِ سمندر و دل پروانہ دے مجھے
اے سوزِ عشق ہمتِ مردانہ دے مجھے

دل چرایا ہے مرا پر وہ خجل کتنا ہے
فق ہوا جاتا ہے منہ چور کا دل کتنا ہے

ناتوانی کی ہم پہ تہمت ہے
ناز اُٹھانے کی اب بھی طاقت ہے

وہ دوپہر کو گھر سے ہمارے نکل گئے
ہم دن ڈھلا تو گور کے سانچے میں ڈھل گئے

یہ نکلا نتیجہ جو آئے گئے
کہ اس در پہ بیٹھے اُٹھائے گئے

یہ بھی اک بات ہے عداوت کی
روزہ رکھا جو ہم نے دعوت کی

کچھ کام نہیں ہے اُنہیں فریادرسی سے
رونیکا سبب کرتے ہیں دریافت ہنسی سے

دل ہے پروانہ مرا پر وصل سے مایوس ہے
شمع تو ہے چاردیواری تری فانوس ہے

یار نے آئینہ دیکھا دشمن دل دو ہوئے
شکل کیا اب جان بچنے کی کہ قاتل دو ہوئے

شمشیر آبدار کہ اُس کا نظارہ ہے
جاری ہے لین دین یہ رسمِ زمانہ ہے
میرا جگر تو کانپ گیا اُس نگاہ سے
مرض میرا اے افزوں یہ ہوتے گئے
دیوانگانِ زلف کا کب کام بند ہے
دیکھے جو میری آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے
کھلیں پلکیں نگہ اُس چشمِ افسوں ساز سے نکلی
پردہ اُلٹ گئے جب وہ دیدارِ عام کرتے
تیز یوں دل ترے کوچے کی طرف جاتا ہے
شمع کو کس کی تجلی یہ نظر آتی ہے
دل اُس کا نرم کیا یہ دلِ نوحہ گر کرے
لٹک کر زلف نے کیا حسنِ ساقوں میں چھپایا ہے
کیا تغافل ہے کہ سمجھا یار بیگانہ مجھے
وہ ہم نازک دلوں کو آنکھ دکھلائے تو کیا گزرے
اس سنگِ آستاں سے جو اپنی جبیں ملی
میرے گھر ہے قصد آنے کا تو آؤ ناز سے
وہ درد ہے کہ اس کا مزہ کچھ نہ پوچھیے
درازی کا اگر دو نوں کی دیکھو ایک مطلب ہے
بتوں کی روش کوئی کیا جانتا ہے
دنیا سے کتنے اُٹھ گئے ہے انجمن وہی
کچھ شرم نہیں خلق جو اُن کو نگران ہے

دل ٹکڑے ٹکڑے ہے تو جگر پارہ پارہ ہے
دریا کا ابر ابر دریا خزانہ ہے
اس سنگدل کا دل نہ ہلا میری آہ سے
کہ عیسیٰ بھی بالیں سے روتے گئے
آواز شب کی سرمۂ شب سے بلند ہے
افتاد یہ نئی ہے کہ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے
کہ لیلی پردۂ محمل اُٹھا کر ناز سے نکلی
ایوبؑ صبر کرتے تو ہم سلام کرتے
جس طرح تیر کوئی سوئے ہدف جاتا ہے
تھوڑی تھوڑی جو یہ محفل میں ہوئی جاتی ہے
ڈر ہے کہیں نہ غیر کا نالہ اثر کرے
تعجب کی جگہ یہ ہے کہ دو شمعوں میں سایہ ہے
سب نے جانا آج تک اُس نے نہ پہچانا مجھے
دوکانِ شیشہ گر میں مست آ جائے تو کیا گزرے
سمجھے کہ بادشاہی روئے زمین ملی
پر ذرا چھپ کر سپہرِ تفرقہ پرداز ہے
کہنا ہے دل کسی سے دوا کچھ نہ پوچھیے
شبِ بے روز فرقت ہے قیامت روز بی شب ہے
بڑے بے وفا ہیں خدا جانتا ہے
آئے بھی گل گئے بھی مگر ہے چمن وہی
سمجھے ہوئے ہیں تابِ نظر اُن کو کہاں ہے

مجھ کو کیا کام ہے دنیا میں جو عید آئی ہے
جو آنسو یوں زمین پر دیدۂ نمناک ڈالیں گے
ہزار نالہ مرا آسمان تک پہنچے
قدم زمین پہ رکھو جو تم تو ہو یہ خوشی
جو ضعف دل کا یہی حال ہے تو عرش کجا
اُن ابروؤں کو دیکھ کے حالت سقیم ہے
فرقت میں زندگی یہ عنایت خدا کی ہے
جینا بھی دل جلوں کو تمہارے ممات ہے
عاشقوں میں کیجیے ایسا کون ہے
اسلیے دار پر صدا دیتا ہوں میں
ہونگے روزِ حشر اعضا تک عدو
چھوٹی ہے قیامت شب فرقت ہی بڑی ہے
ہے مدنظر خون یہ کس کا کہ حنا نے
اُس بزم میں اے شوق نہ باہر ہو ادب سے
سہرے کی سلائی نے کیا آ کے جو مجرا
آزردہ نہ ہو لیکے جو بوسہ نہ کیا شکر
میرے مرنے کی خبر جھوٹی اُڑاتے ہیں وہ روز
آپ ملتے نہیں ہیں گھر میں کبھی
نشۂ مے نے کر دیا اندھا
ممنونِ ناز کی ہوں کہ وہ پاس سے مرے
وصال یار سے ہے بے تکلفی ہے یہاں

کیا ملوں اس سے کہ معشوق یہ ہرجائی ہے
کہاں سے سر پہ پھر اہل مصیبت خاک ڈالینگے
نہیں اُمید کبھی اُسکے کان تک پہنچے
اُچھل اُچھل کے زمیں آسمان تک پہنچے
نہیں امید کہ نالہ زبان تک پہنچے
تلواریں دُہری مجھ پہ پڑیں دل دو نیم ہے
آگے جو کچھ کہوں تو شکایت خدا کی ہے
اخگر کو موت قطرۂ آب حیات ہے
ہم بُرے ٹھہرے تو اچھا کون ہے
بول اُٹھے شاید وہ اتنا کون ہے
جو ہیں بیگانے ہیں اپنا کون ہے
اس چار پہر رات کی وہ ایک گھڑی ہے
چھوے ہیں ترے ہاتھ ترے پاؤں پڑی ہے
اللہ بچائے نگہ چشم غضب سے
اُس آنکھ کی شوخی نے صدا دی کہ ادب سے
لب بند مرے ہو گئے شیرینیٔ لب سے
کیا مسیحائی ہے غیروں کے جلانے کے لیے
کہتے ہیں خانماں خراب مجھے
خاک سوجھے رہِ صواب مجھے
اُٹھ اُٹھ کے بیٹھ جاتے ہیں دامن کے بوجھ سے
کہو ادب سے کہ رکھے معاف آج مجھے

ہے خدا ہی اگر پڑھا جائے
کسی قاتل سے پوچھیے تعبیر
دیکھ کر چشم مست جی ڈوبا
برسوں جب دوڑے شوقِ دید میں ہم
میں تو کیا دل میں مصور کے چبھی جاتی ہے
پسند آئی نہ دستِ جنوں کی بیکاری
ہوئے کسی کے نہ ممنوں صورتِ اخگر
ہے عید کہ زنداں سے میں آیا ہوں سوئے دشت
نیرنگی عالم ہی کا شاکی ہے تو اے دل
جو سیرِ شب ہجر دکھاتا ہے تصور
گریباں چاک دیکھے گا تو کیا کیا بدگماں ہوگا
جب سے پیدا ہوئے صیاد کے بس میں آئے
مضمون کمر کہ اُس کے دہن کا نکالیے
مجھ کو یہ شوق ہے کہ کہیں جلد ہو وصال
وحشت جنوں کی ہم کو اذیت پسند ہے
بوسہ عطا ہو مجھ کو جو ہے قصد قتل کا
ہم بتوں سے اُمیدوارِ کرم
ہم تھا نہ وصل نصیب اب بھی التجاؤں سے
خالی نہ جام مے سے ہے میخانے میں نہ خم
دیتا نہیں جواب بھی مجھ کو وہ ننگ سے
یہ دماغ ان کو کہاں تھا جو تکلم کرتے

خط لکھا اضطراب میں ہم نے
گُشتے دیکھے ہیں خواب میں ہم نے
غوطے کھائے شراب میں ہم نے
چھپ کے تب ایک نگاہ کی ٹھہری
کیا کہوں نوک پلک کیا تری تصویر میں ہے
جنوں میں اس لیے پہنا ہے پیرہن ہم نے
بدن سے مر کے بھی پیدا کیا کفن ہم نے
کانٹوں سے گلے کیوں مرے چھالے نہیں ملتے
نادان ابھی نیرنگِ محبت نہیں دیکھے
ایسے تو تماشے شبِ وصلت نہیں دیکھے
خداوندا کہیں آئے رفوگر یار سے پہلے
پر نکلنے بھی نہ پائے کہ قفس میں آئے
ملک عدم کا کوئی تو رستہ نکالیے
انکو یہ فکر ہے کوئی جھگڑا نکالیے
پھر کیا سمجھ کے پاؤں سے کانٹا نکالیے
مرتے ہوئے کے دل سے تمنا نکالیے
کارخانے ہیں اُسکی قدرت کے
زمیں ہے سجدوں سے تنگ آسماں دعاؤں سے
خرد و بزرگ جو ہے یہاں آفتاب ہے
مجھ کو گماں کہ بات مری لاجواب ہے
کاش سنکر مرے شکووں کو تبسم کرتے

بیٹھکر کون ترے کوچے میں یار اُٹھتا ہے
خاک ہوتے ہیں کوئی دم غبار اُٹھتا ہے

روکتا ہوں میں زبان پر کبھی ہو کر بیتاب
دل نالاں اُسے سینے میں پکار اُٹھتا ہے

ترے کوچے میں جو بیٹھا ہے جبہ کر
وہ میں ہوں اور میرا نقش پا ہے

بنی ہے چین تری زلفِ عنبریں کے لیے
یہ میری جان مناسب نہیں جبیں کیلئے

بڑا ہے داغِ سجدہ اور داغ عشق میں فرق
کہ ہے یہ دل کے لیے اور جبیں کے لیے

اب تو روئے مردم دنیا نہ دیکھیں گے کبھی
بلکہ آئینے میں منہ اپنا نہ دیکھیں گے کبھی

دیکھ کر میری تڑپ بولے فرشتے قبر میں
یہ تماشا آجتک دیکھا نہ دیکھیں گے کبھی

ہے بجا رنگ جو یہ تیرے سیہ خال کا ہے
یہ بھی ایک نقطہ مرے نامۂ اعمال کا ہے

شور محشر کا سُنا ذکر تو اُسنے یہ کہا
وہ تو آوازہ مرے پاؤں کی خلخال کا ہے

عجب دلچسپ نقشہ عالمِ ایجاد رکھتا ہے
جو آنکھیں دیکھ لیتی ہیں اُسے دل یاد رکھتا ہے

نہ یہ ساعد نہ یہ بازو نہ یہ آنکھیں نہ یہ ابرو
فقط تیر اسا قد ہے اور کیا شمشاد رکھتا ہے

دل بے آرزو بھی دے تو ہے لطف
یوں تو سب کچھ دیا خدا نے مجھے

ایمان لائے کعبے میں اُس بت کو دیکھ کر
کچھ بتکدہ میں جا کے برہمن نہیں ہوئے

دے کہیں حکم نہ وہ گھر سے نکلوانے کا
بیخودی جلد مجھے آپ سے باہر کر دے

اسواسطے ناصح کی میں سنتا ہوں کہ شاید
بات اُسکی زبان سے کوئی مطلب کی نکلجائے

جان لینے میں رمِ ذبح یہ جلدی لے موت
اک ذرا اور توقف کہ مزا ملتا ہے

دینے تو دل چلے ہیں لے شوق و ذوق میں
پر دیکھیے وہ لے کہ نہ لے بے نیاز ہے

فارسی کیسی وہ ہندی بھی نہیں پڑھ سکتے
سیر دیکھو مری عرضی عربی میں گزری

نام عزّت سے جو لیتے ہیں وہ اب
غیر بھی شاید مرا ہمنام ہے

ناصحوں نے اُسے دیکھا تو نصیحت کیسی
اُلٹی کرنے لگے اب اُس سے سفارش میری

کروں میں بندہ نوازی کا عشق کی کیا شکر
ہزار زخم دیے ہیں ہزار داغ مجھے

ٹالنے کو مجھے جب پاؤں سے لپٹا تو کہا
سختی نہ وہ بھی دیکھ سکی میری نزع کی
کیا جانے کہاں لیگئی اُس بُت کی تمنا
دیت کے واسطے محشر میں کب ہوں دامنگیر
کون جاتا ہے کہیں بے مطلب
چھیڑا جو بہت میں نے کہا خیر ہے صاحب
بتخانے کے دروازے پہ مدت سے پڑے ہیں
سنتا ہوں دعائے سحری کرتی ہے تاثیر
چراغِ رُخ نے کیا صاف ان کا پردہ فاش
راتکو آتی ہیں پریاں خواب میں مجھ کو نظر
وصل میں وہ کیا کرینگے چاک اے دستِ جنوں
گنا ہوں سے مجھے اب ناتوانی باز رکھتی ہے
قطرہ زن پھرتی ہے ہر سو جو ہوا پر بدلی
کیا کسی خوش چشم کا دیوانہ آیا باغ میں
اک دن مرے گھر ماہ محرم میں تو آؤ
کس کو میں اپنی تنگدلی پر کروں گواہ
بیساختہ دل دُکھا تو بولے
مجھے جب دور سے دیکھا وہ بولے
قدر مرنے کی ہم سمجھتے ہیں
اک جا رہے ہمیشہ مگر مثلِ رنگ و بو
افسانۂ سنگ و تیشہ ہے اور

جا کسی روز ترے سر کی قسم آئیں گے
گھبرا کے روح خانۂ تن سے نکل گئی
اب آپ میں آنا مجھے دشوار ہُوا ہے
مجھے نمود ہے منظور اپنے قاتل کی
جان لینے کو اجل آتی ہے
پردے کے نہ باہر کہیں آواز نکل جائے
شاید کبھی کچھ کام خدا ساز نکلجائے
اُمید کہاں پر شبِ فرقت میں سحر کی
سیاہ خانۂ گیسو میں دل چھپا نہ سکے
تیر وہ مجھ پر لگائیں گے یہی تعبیر ہے
پرزے دامن کے اُڑا امیر اگر یباں چھوڑدے
ے وخم دیکھ کر چاہوں تو نیت پھر نہیں سکتی
ڈھونڈتی ہے کہ کہاں خاک ہے برباد مری
دیکھتی ہے ہر طرف نرگس جو آنکھیں پھاڑ کے
اب منہدی لگانے کا بہانہ تو نہیں ہے
محشر میں وہ دہان و کمر دونوں چھپ رہے
کیا جانئے آہ تھی یہ کس کی
کوئی ناوک فگن ہے یا نہیں ہے
صدمے جھیلتے ہیں زندگانی کے
ہم سے نہ وہ ملے نہ کبھی اُن سے ہم ملے
یاں صحبتِ ناخن و جگر رہے

پرزے خط کے ہیں دستِ قاصد میں — ایک گیا سو جواب لایا ہے

عاشق و معشوق دونوں تیرے دلوائے ہیں یار — دامنِ یوسف گریباں زلیخا چاک ہے

شبِ فرقت تو ابد تک نہیں ہونے کی تمام — تیرے عشاق کو اندیشۂ فردا کیا ہے

میں ہر اک سے جو خطا اپنی بیاں کرتا ہوں — ہے یہ مطلب کہ اُسے کوئی ستمگر نہ کہے

دشمنوں کا شکوہ کرتے ہیں حضورِ دوستاں — دوست جب دشمن ہو پھر کس سے شکایت کیجئے

تمام عمر اُسے دیکھتا رہا ہوں مگر — ہنوز حسرتِ دیدارِ یار باقی ہے

آئینے کی آنکھ سے رلتی ہے جب عاشق کی آنکھ — چاہتی ہے چھین لے لذت ترے دیدار کی

وعدۂ وصل نے کیا بیخود — دیکھیے کیا وصال میں گذرے

پوچھو نہ اُس زمانے میں الفت کا حال کچھ — اک رسم تھی قدیم سو موقوف ہو گئی

خوشا تقدیرِ بلبل پیشِ گل کہتی ہے حال اپنا — نہ قاصد کی ضرورت ہے نہ حاجت ہے کبوتر کی

مجھے دشمن سمجھتے ہو تو پھر مجھ سے ہو کیوں غافل — کوئی غافل نہیں رہتا جہاں میں اپنے دشمن سے

برہمن یا صنم کہتا ہے زاہد یا صمد یا رب — زباں جس کی ہے جو اُس میں وہ تجھ کو یاد کرتا ہے

وہ پیاس میں آپ دمِ شمشیر تو ہم کو — اتنی بھی مروت تمہیں اللہ نہیں ہے

مشتاقِ ستم ہو گا نہ مجھ سا کوئی بسمل — ہر چشمِ قاتل کی طرف آنکھ لڑی ہے

سینے پہ مرے ہاتھ ہے اُس کا چپکے کہیں — تھم اے دلِ بیتاب کہیں وہ نہ اچھل جائے

چمن اشکِ مجنوں سے سینچا ہے شاید — کہ سنبل میں گیسوئے لیلےٰ کی بو ہے

آئینہ ہوں میں شاید جو دیکھتا ہے مجھ کو — ہندو ہو یا مسلمان اپنا سا جانتا ہے

خواب میں آئے تھے وہ غیر کے ساتھ — کھل گئی میری آنکھ خیر ہوئی

تکلیف ہے پر شکر گدا کو ہے مناسب — شاہوں کی طرح کچھ غم عالم تو نہیں ہے

بے ادب کچھ ہم نہیں خواہش ہم آغوشی کی کیا — وہ نگاہیں جب ملیں گی ہم بغل ہو جائینگے

تمت

قطعاتِ تاریخ

منشی محمد ممتاز احمد صاحب آرزو خلفِ حضرت مصنف

ورق تصویر کا ہے ہر ورق ہر صفحہ آئینہ — مضامیں جمع ہیں یا مہ جبینوں کا یہ مجمع ہے
کھچے جاتے ہیں کیوں دل آرزو کیوں ہوش اُڑتے ہیں — پری رویوں کی محفل یا حسینوں کا مرقع ہے

حکیم محمد عبد الکریم خان صاحب برہم فتحپوری

این نغز کلامِ کیست دانی — کاندر ہمہ دہر ہمچو جان است
برہم دل و دیدہ کن نثارش — دیوانِ امیر نکتہ دان است
۱۳۱۳ھ

مولوی محی الدین حسین خان صاحب تسنیم پروفیسر محبوب کالج سکندرآباد

زہے جوشِ طبعِ روانِ امیر — مضامین کا دریا ہے اک بہ رہا
کہی میں نے تسنیم تاریخ طبع — صنمخانۂ عشق ہے بے بہا
۱۳۱۳ھ

حافظ جلیل حسن صاحب جلیل

سارے مصرع قدِ دلبر کا جواب — سارے مطلع رُخِ انور کا جواب
خوب دیکھا جو صنمخانۂ عشق — پایا بتخانۂ آزر کا جواب
۱۳۱۳ھ

حضرت علی عبد القادر شمس القادری المدعو بہ مرشد علی الحنفی القادری البغدادی المتخلص بالجمال و العاصی

گرد عشق آباد دیواں را تمام — حسن طبع عشق بنیاں امیر
گفت تاریخش جمال عشقباز — اے ہمہ عشقست دیوانِ امیر
۱۳۱۳ھ

ولہ

چھپا جو آپ کا دیوان تو شاعروں نے کہا — کہ آپ سعدیِ شیوا بیانِ عہد ہوئے
جمال یہ دُرِ شہوارِ سال کردو نثار — امیر خسروِ اہلِ زمانِ عہد ہوئے

محمد حسام الدین صاحب حسام خلف مولوی حافظ محمد نور اللہ

کیسے کیسے ہیں شعر معنی خیز — سمجھیں وہ اُن کو ہوں جو ذو معنی
مصرع سال بھی ہے باغ و بہار — ہیں یہ الفاظ پھول بو معنی
۱۳۱۳ھ

حافظ محمد علی صاحب حفیظ جون پوری

کھچا ہے عطر گلہائے مضامین — معطر بزمِ اربابِ سخن ہے
حفیظ اچھا کھلا تاریخ کا پھول — نہیں دیوان تروتازہ چمن ہے

مقرب الخاقان استاد السلطان بلبل ہند جہان استاد ناظم یار جنگ
دبیر الدولہ فصیح الملک نواب مرزا خان بہادر داغ دہلوی

وہ کیا دیوان کہا ہے لاجواب — ابتدا سے انتہا تک لاجواب
شوخی الفاظ ہے یا برقِ شوخ — بارشِ مضمون ہے یا ابرِ مطیر
لفظ مصرع بیت سب جادو بھرے — دلفریب دلستان و دلپذیر
ہر نکیلا شعر دل میں چبھ گیا — اِس سے بڑھ کر کوئی کیا ماریگا تیر

یہ سخن ہے لائق بزم سخن
یہ سخن ہے قابل شاہ و وزیر

یہ کلام ایسا کلام اتنا کلام
ہے نشان مصحفی شان اسیر

محو ہو جاتے جو اس کو دیکھتے
ناسخ و آتش تو کیا مرزا و میر

فیض لیں اس سے فغانی و فغان
داد دیں اس کی ظہیر او ظہیر

مستند کیونکر نہ ہو ایسا کلام
جو کہا گویا ہے پتھر پر لکیر

بھاگنے کی راہ ڈھونڈیں عیب جو
اپنا اپنا کان پکڑیں حرف گیر

آج ہے یہ طوطی معجز بیان
بلبل ہندوستان کا ہمصفیر

ایسا استاد زمانہ پھر کہاں
زندہ رکھے تو اس کو یارب قدیر

ہے یہی آئے داغ اس کا سال طبع
کہدے تو زیبا خیالات امیر
١٣١٣ھ

ولہ

اس گنج سخن سے تاقیامت
محروم نہ ہوسے نگے طالب فیض

یہ داغ نے سال طبع لکھا
دیوان امیر صاحب فیض
١٣١٣ھ

محمد ضمیر حسن خاں صاحب دلؔ شاہجہان پوری

میرے استاد کا پہلا دیوان
تھا بلاغت کے چمن کا گل تر

اس کی تاریخ یہ لکھدے اے دل
اب فصاحت کا چھپا ہے دفتر
١٣١٣ء

منشی امتیاز احمد خاں صاحب راز

قالب طبع میں آیا جو صنمخانہ عشق
جتنے مشتاق تھے پھرنے لگے دیوانے سے

راز تاریخ کہی میں نے جو نکلا دیوان
نکل آئی ہے پری سجکے پری خانے سے

سید زاہد حسین صاحب زاہد سہارنپوری

اشعار ہیں یا گوہر شہوار کی لڑیاں	یہ لطف لطافت کسی دیوان میں کہاں ہے
ترتیب کی تاریخ کہی میں نے یہ زاہد	دھوئی ہوئی کیا چشمۂ کوثر سے زبان ہے ۱۳۱۲ھ

سید ولایت احمد صاحب شمیم خیرآبادی سب انسپکٹر سعد آباد ضلع متھرا

عشاق کی جان یہ صنمخانہ ہے	معشوقوں کی آن یہ صنمخانہ ہے
کہتا ہے شمیم دیکھ کر حسن کلام	اللہ کی شان یہ صنمخانہ ہے ۱۳۱۳ھ

مولوی محمد مظفر حسین صاحب صبا خلف اکبر مولوی یوسف علی مرحوم

اک پھول ہے گلشن میں صنمخانہ عشق	اک لعل ہے معدن میں صنمخانۂ عشق
کیا حسن دکھاتا ہے صبا آنکھوں کو	اعجاز کے دامن میں صنمخانۂ عشق ۱۳۱۱ھ

مولوی محمد عبد الواسع صاحب صفا خلف مولوی یوسف علی مرحوم

صفا نزاکت مضمون دکھا رہی ہے بہار	سخن کے باغ میں ہے تازہ گل صنمخانہ
برنگ لالہ ہے ہر شعر رنگ میں ڈوبا	ڈھلا ہے حسن کے سانچے میں کل صنمخانہ ۱۳۱۳ھ

سید مومن حسین صاحب صفی امروہوی

مداح امیر لکھنوی کے	ہیں سارے سخن شناس انسان
دیوان دوم چھپا جو اُن کا	ہر ایک کے تن میں پڑ گئی جان
لفظوں سے عیاں رخ معانی	آئینہ ہے اس صفا سے حیران

J. & K. UNIVERSITY LIB.
Acc No. 46587
Date 5-7-63
Allama Iqbal Library
46587

ہر نقطے میں بے شمار نکتے ۔۔۔ ہر نکتے پہ نکتہ فہم قربان
خوش ہو کے کہی صفی نے تاریخ ۔۔۔ چھاپا ابجدا یہ خوب دیوان ١٣١٤ھ

منشی محمد مسعود احمد صاحب ضمیر خلف کوچک حضرت مصنف

گوہر و جوہر صنمخانے کے ساتھ ۔۔۔ دیکھ کر بولا یہ چرخ چنبری
نور کی تاریخ ہے یہ اے ضمیر ۔۔۔ ایک جا ہیں ماہ زہری مشتری ١٣١٤ھ

منشی سید قمرالدین احمد صاحب قمر تحصیلدار ملازم دارالاقبال بھوپال

حسن صورت حسن معنی دونوں میں یکتا ہے یہ ۔۔۔ ہے نئی بندش نئے مضمون نیا ہر شعر ہے
فکر رنگین نے کہی تاریخ ترتیب اے قمر ۔۔۔ دیکھنا کیا رنگ میں ڈوبا چھپا ہر شعر ہے ١٣١٤ھ

محمد قادر علی خاں صوفی مہتمم مطبع مفید عام آگرہ

نواب رامپور کے استاد کا جواب ۔۔۔ دیکھا نہ آج تک تہ چرخ کہن سنا
غل ہے یہ اُن کے دوسرے دیوان کے طبع کا ۔۔۔ چھوڑا گلوں نے زمزمہ بلبل کا اُٹھ سنا
قادر ہوا جو گوش بر آواز بہر سال ۔۔۔ دل سے امیر سحر بیاں کا سخن سنا ١٣١٤ھ

منشی امرناتھ صاحب نصیب ہیڈ کلرک پوسٹماسٹر جنرل لاہور

بت ہے بہزاد زہے حسن صنمخانۂ عشق ۔۔۔ نام ہی نام ہے مانی کا نہیں کچھ بھی نہیں
یہ صنمخانہ ہے یارب کہ پری خانہ ہے ۔۔۔ سامنے جس کے صنمخانۂ چین کچھ بھی نہیں ١٣١٤ھ

منشی محمد فصیح اللہ خاں صاحب نیرؔ بنارسی

نیر دیوان اک چمن ہے — اشعار یہ پھولوں کی ہیں چھڑیاں
کیسی ہے چمک دمک کی تاریخ — مصرع ہیں یہ موتیوں کی لڑیاں ۱۳۱۳ھ

منشی محمد وجاہت حسین صاحب وجاہتؔ مہتمم تصویر سخن

ہو سکے کیا وصفِ دیوانِ امیر — ہے سراپا دلپسند و دلپذیر
لکھ وجاہت مصرعِ تاریخ طبع — بے بہا ہے یہ کلامِ بے نظیر ۱۳۱۳ھ

محمد حبیب حسن وحشیؔ دیوبندی مقیم حال روڑکی

ہُوا شاہدِ مدعا جلوہ گر — چھپا ہے کلامِ جنابِ امیر
پے غنچۂ خاطرِ شائقین — صبا ہے کلامِ جنابِ امیر
دلِ خلق ہیں صورتِ بوئے گل — بسا ہے کلامِ جنابِ امیر
عروسِ سخن کے لیے لا کلام — ادا ہے کلامِ جنابِ امیر
کرے ناز لے جسقدر دون کی — بجا ہے کلامِ جنابِ امیر
نہ کیوں ختم ہو جائے شوقِ سخن — سنا ہے کلامِ جنابِ امیر
نہ وحشی کو کیوں فکرِ تاریخ ہو — بھلا ہے کلامِ جنابِ امیر
یہ آنے لگی چار سو سے صدا — نیا ہے کلامِ جنابِ امیر

۴۴×۴۴
۱۸۹۶ع

J. & K. UNIVERSITY LIB.
Acc No. 46587
Date 5-7-63
Allama Iqbal Library
46587